از شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں (کچھوچھہ شریف، انڈیا)

علم غیب

علم و تحقیق سے بھرپور ایمان افروز مقالہ

روح اس دنیا میں آنے سے پہلے عالم ارواح میں تھی اور اس دنیا سے نکل جائے گی تو عالم آخرت میں پہنچے گی اور یہ دونوں عالم ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رکھے گئے ہیں لیکن ہم ان دونوں عالم کا انکار بھی نہیں کر سکتے، چاہے کسی کو اس کا علم حاصل ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

عالم ارواح پہلی کڑی اور ہم جس عالم میں ہیں یعنی عالم اجسام یہ دوسری کڑی ہے اور عالم آخرت تیسری کڑی ہے گویا ہم جس عالم میں ہیں وہ دونوں دنیاؤں کے بیچ کی کڑی ہے اور بیچ کی کڑی کو سمجھنے کے لیے اول اور آخر دونوں کا سمجھنا ضروری ہے اور جب عالم آخرت کو انسان تسلیم کر لیتا ہے یعنی عالم اجسام میں کسی ہادی، کسی نبی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ نبی اس لیے آتا ہے کہ وہ عالم ارواح اور عالم آخرت دونوں دنیاؤں سے باخبر کرے، اس لیے کہ حواس انسانی عالم شہادت کے لیے ہیں، عالم آخرت کے لیے نہیں۔

جس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو حواس یعنی کان، آنکھ، زبان، ناک اور دوسرے حاسے (اعضاء) عطا کیے ہیں، اسی طرح اسی بزرگ و برتر اللہ نے اپنے فضل و کرم سے نبی کو قوت قدسیہ عطا فرمایا ہے۔ اس قوت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ نبی جس طرف متوجہ ہو جاتا ہے سب کچھ اس پر منکشف ہو جاتا ہے۔

انبیاء کرام کی انکشافات

یہ نبی تو ہیں کہ ذرا سی توجہ فرمائی تو آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آواز سن رہے ہیں۔ یہی وہ نبی ہیں کہ حالت نماز میں نمازیوں کے رکوع اور خشوع کو دیکھ رہے ہیں۔ سجدوں کو دیکھ رہے ہیں۔ یہی وہ نبی اکرم ہیں کہ جب سید الملائکہ جبریل امین آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کی آمد کی خوشبو کو سونگھ لیا کرتے ہیں۔ یہ نبی جب قبر پر سے گزرتے ہیں تو عالم برزخ کے احوال ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

marfat.com

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر

نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر سے گزرے اور اس کے بعد ٹھہر گئے، صحابہ کرام سے فرمایا "ان دو قبروں کے اندر عذاب ہو رہا ہے اور وہ بھی کسی ایسے سبب سے نہیں جس سے وہ بچ نہیں سکتے تھے"۔ اس کے بعد نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک درخت کی ٹہنی توڑ کر اس کے دو ٹکڑے فرمائے اور دونوں قبروں پر ان دو ہری بھری ٹہنیوں کو گاڑ دیا اور مزید فرمایا--- "جب تک ان میں ہراپن رہے گا اور یہ ٹہنیاں شاداب رہیں گی، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف فرمائے گا"۔

نبی امی نے قبر کے عالم کا مشاہدہ بھی فرمایا اور عذاب قبر کی تخفیف کا سامان بھی مہیا فرما دیا۔ صحابہ کرام بھی نبی کے ساتھ تھے مگر کسی کی نظر عالم برزخ پر نہ پڑی۔ ظاہر ہے نبی کے پاس والی قوت کچھ اور تھی اور نبی کے امتیوں کے پاس والی قوت کچھ اور تھی۔

نبی امی کے اس فرمان

"دونوں پر فلاں سبب سے عذاب ہو رہا ہے اور جب تک یہ ٹہنیاں ہری اور تازہ رہیں گی عذاب موقوف رہے گا" ان سے تین غیب کا حال ظاہر ہوتا ہے:

۱- عذاب کا ہونا--- ایک غیب

۲- فلاں سبب سے عذاب کا ہونا--- دوسرا غیب

۳- عذاب موقوف رہے گا--- تیسرا غیب

صحابہ کرام نے نبی کونین کی کسی خبر پر سوال و جواب نہ کیا۔ ان کی ہر ہر بات کو سچ تسلیم کیا۔ نبی کی ہر بات پر یقین، نبی کے سچ اور سچائی پر یقین اور اعتراف حقیقت نے ہی تو صحابہ کرام کو ایمان کی لذت سے سرشار کر دیا تھا اور انہیں وہ طاقت و عظمت عطا کر دی تھی جو طاقت و عظمت قیامت تک کسی کو نصیب نہ ہو سکے گی۔

جب سب سے بڑے غیب خدا کے وجود کو صحابہ کرام نے نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد--- اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو مان لیا تھا اور اسی تسلیم و اعتراف نے انہیں مسلمان ہونے اور کہلوانے کا شرف بخشا تھا تو پھر اس غیب الغیب کے بعد وہ نبی کے دوسرے بتائے ہوئے غیب کو کیوں نہ مان لیتے۔ نبی ہی نے تو قبر، عذاب قبر، جنت و جہنم اور آخرت کے عالم کا پتہ دیا۔ نبی نے صرف غیب کی ہی خبر نہیں دی، بلکہ یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ ایک عالم میں رہ کر دوسرے عالم میں پریشان حال غلاموں، عذاب میں گرفتار مسلمانوں کو بھی مدد پہنچا سکتے ہیں اور یقیناً روز محشر سب کا سہارا وہی بنیں گے۔

نبی کا احسان

یہ نبی کونین کا احسان ہے کہ انہوں نے ایمان دیا، جماعت میں لیا، عالم آخرت کا پتا دیا، مدد کا وعدہ فرمایا۔

مختلف عالم

ہم جس دنیا میں موجود ہیں اس دنیا میں بے شمار دنیا آباد ہیں:

marfat.com

آواز والی دنیا--- سننے والی دنیا--- دیکھنے والی دنیا--- ذائقہ والی دنیا--- چھونے والی دنیا--- عقل والی دنیا--- وغیرہ۔ اگر قوت سامعہ چھین لی جائے تو انسان آواز والی دنیا سے کٹ کر رہ جائے گا۔ اگر قوت باصرہ ختم ہو جائے تو انسان دیکھنے والی دنیا سے الگ ہو جائے گا۔ اگر قوت ذائقہ سلب ہو جائے تو انسان چکھنے والی دنیا سے جدا ہو جائے گا۔ اگر چھونے والی قوت مفقود ہو جائے تو انسان مس کرنے والی دنیا سے علیحدہ ہو جائے گا۔ اگر انسان سے عقل لے لی جائے تو دنیائے عقل سے اس کا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔

خدائے لم یزل کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے انسان کو پیدا فرمایا اور ایک دنیا میں رہ کر اسی دنیا کی مختلف دنیاؤں سے مستفیض ہوئے اور انہیں سمجھنے کے لیے جدا جدا حاسہ اور جدا جدا قوت عطا فرمائی--- اب مزید ملاحظہ کریں: کان کے لیے جو چیز شہادت ہے' وہ آنکھ کے لیے غیب یعنی کان سے جو چیز ہم سن سکتے ہیں اسے آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے اسی طرح آنکھ سے جو شے دیکھ سکتے ہیں' اسے کان سے سن نہیں سکتے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہر چیز کو سننے' دیکھنے' سمجھنے کے لیے ایک قوت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس غیب جاننے اور سمجھنے کی قوت ہے اور اس قوت سے دوسرے محروم ہیں۔

نبی اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ ہمیں ان باتوں کا علم عطا فرمادے جن کا پتہ انسان حواس یعنی کان' ناک' آنکھ' دماغ وغیرہ کو نہ ہو۔

نبی ہی نے تو اللہ کا پتا دیا' عالم برزخ اور عالم آخرت کا پتا دیا۔ قرآن کریم' کلام رب عظیم' نبی ہی نے تو پیش فرمایا۔ کیا ان کے پیش فرمانے سے پہلے کوئی حواس سے اس کا ادراک کر سکتا تھا' اپنے دماغ سے اس کتاب کو لا سکتا تھا' سمجھ سکتا تھا۔ قرآن عظیم بسم اللہ کی باء سے لے کر والناس کی سین تک سب غیب ہی غیب رہا' اس لیے کہ کلام اللہ غیب الغیب ہی خدائے لم یزل کی صفت ہے۔ اس غیب کو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر فرمایا۔ انہیں علم غیب عطا کیا گیا تھا۔ قوت قدسیہ بخشی گئی تھی اور خوبی یہ کہ علم غیب رسول مقبول کو یکبارگی نہیں دیا گیا تھا' عطا کرنے والے نے بتدریج عطا کیا اور جب تک قرآن مقدس کے نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا' غیب دینے کا سلسلہ بھی جاری تھا--- اب کتنا دیا--- کیا کیا دیا' دینے والا جانے اور لینے والا جانے۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ ۲۳ سال تک غیب دیئے جانے کا سلسلہ جاری رہا اور جب قرآن کا نزول مکمل ہو گیا رسول کونین کا علم کائنات بھی مکمل ہو گیا یعنی جب سے دنیا ہوئی اور جب تک دنیا رہے گی--- مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا علم!--- البتہ! خداوند قدوس کے علم کے آگے علم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک قطرہ کی بھی حیثیت حاصل نہیں ہے۔

قرآن کریم کا فیصلہ ہے "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" قرآن کریم ہر شے کا واضح بیان ہے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کریم کو واضح طور پر جاننے والے ہیں' لہٰذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہر شے واضح ہے اور اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ رب العزت کی طرف سے غیب کا ذریعہ معلومات ہیں۔

علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عقل کی روشنی میں

آیت "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" اے محبوب! اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔ جلالین شریف میں اس آیت کی تفسیر "اَیْ مِنَ الْاَحْكَامِ وَالْغَيْبِ" کی گئی ہے' یعنی اللہ نے رسول کو سکھا دیا۔ کیا کیا سکھا دیا احکام سکھا دیئے اور غیب سکھا دیا۔ سکھانے والا خدا اور سیکھنے والے مصطفیٰ۔ کیا مصطفیٰ سے زیادہ باصلاحیت اور ذی استعداد کوئی ہے اور ان کا سکھانے والا وہ رب عظیم ہے جس نے آدم علیہ السلام کو سکھایا تو سارے فرشتے حیرت زدہ رہ گئے۔ یہ سکھانے والا وہ ہے جس نے انسان کی برتری کو فرشتوں سے منوالیا۔ اب سیکھنے والا رسول عربی جیسا اور سکھانے والا قادر مطلق تو اس رب قدیر کو

marfat.com

غیب کی بات بتانے سے کون سی بات روک سکتی ہے؟

علم غیب... قرآن و حدیث کی روشنی میں

معقولات کی بات ختم ہوئی اب منقولات کی طرف چلئے اور رسول کائنات کی قوت قدسیہ کا جلوہ دیکھئے:

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں۔ غزوۂ خندق کا موقع ہے ایک چٹان ہے جو توڑے نہیں توڑا جاتا۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک خبر پہنچی۔ سرکار تشریف لائے۔ پہلی ضرب لگائی چٹان کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ اس وقت سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نعرہ بلند کیا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ۔ اللہ کے لیے بڑائی ہے مجھے شام کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں۔

اس کے بعد جب دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی حصہ نکل گیا تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْفَارِسَ۔ اللہ کے لیے بڑائی ہے فارس کی کنجیاں بھی مجھے دی گئیں۔

اور جب تیسری ضرب لگائی تو وہ پتھر چور چور ہو گیا اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِنِّی اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ۔ اللہ کے لیے بڑائی ہے مجھے یمن کی بھی کنجیاں دی گئی ہیں۔

اللہ اکبر! وہ زمانہ مسلمانوں کے لیے بظاہر تنگ دستی اور بے سروسامانی کا زمانہ تھا۔ نہ لشکر نہ سازو سامان۔ اس پر بھی سرکار کا یہ ارشاد تو معلوم ہوا کہ سرکار مادی قوت کے بھروسے نہیں بول رہے تھے بلکہ غیب کی خبر دے رہے تھے کہ اے اسلام کی بے سروسامانی دیکھنے والو! زمانہ آنے والا ہے جب سب کچھ تاج و تخت ہمارے غلاموں کے قدموں میں ہوں گے، ہمارا مستقبل بڑا روشن ہے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کریمہ "وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا" کی تشریح و تفسیر دیکھو! یہ نہ سمجھ سکو تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی تفسیر عزیزی دیکھو! روح البیان "شَہَادَۃُ الرَّسُوْلِ عَلَیْہِمْ اِطِّلَاعُہٗ عَلٰی مَرْتَبَۃِ کُلِّ مُتَدَیِّنٍ بِدِیْنِہٖ وَھُوَ یَعْرِفُ ذُنُوْبَھُمْ وَحَقِیْقَۃَ اِیْمَانِھِمْ وَاَعْمَالِھِمْ وَحَسَنَاتِھِمْ وَسَیِّاٰتِھِمْ وَاِخْلَاصِھِمْ وَنِفَاقِھِمْ وَغَیْرَ ذَالِکَ بِنُوْرِ الْحَقِّ"۔

رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر دین دار کے دین کے مرتبے کو پہچانتے ہیں۔ مطلع ہیں، باخبر ہیں اور رسول جن جن پر گواہ ہوں گے، ان گناہوں کو بھی دیکھ رہے ہیں، ان کے اعمال کو بھی دیکھ رہے ہیں اور صرف دیکھنے کی بات نہیں کی ہے بلکہ "یعرف" پہچان رہے ہیں۔ اب مشاہدے کا کیا ذکر؟ معرفت کا معاملہ ہے۔

ایمان و نفاق کا علم

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے اخلاص کو بھی پہچان رہے ہیں یعنی دلی کیفیات کو بھی پہچان رہے ہیں یعنی ایمان کو بھی جانتے ہیں، اور اخلاص کو بھی جانتے ہیں۔ گناہ کو بھی جانتے ہیں، نفاق کو بھی جانتے ہیں اور ایمان کا فرضی ڈھنڈورا پیٹنے والوں کے حقیقت ایمان کو بھی جانتے ہیں۔

تفسیر نیشاپوری میں "وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا" آیت کریمہ کے تحت فرمایا گیا ہے (ترجمہ) رسول اللہ کی

marfat.com

روح مبارک تمام روحوں کا' تمام نفسوں کا تمام قلوب کا مشاہدہ فرمانے والی ہے۔ اس لیے کہ رسول نے کہا ہے کہ میں سب سے پہلی مخلوق ہوں۔

جب رسول سب سے پہلے ہیں تو جو پیدا ہو تا گیا اس کو وہ دیکھتے گئے۔ تفسیر مدارک میں ہے' اسی آیت کریمہ کے تحت ۔

ترجمہ: رسول مومن کے ایمان کی گواہی دیں گے اور کافر کے کفر کی گواہی دیں گے اور منافق کے نفاق کی گواہی دیں گے۔ تم یہاں چھپاؤ' وہاں چھپ جائے گا۔

میدان جنگ کا علم

حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ بیر معونہ جو مدینے سے بہت دور ہے' وہاں جنگ ہو رہی ہے' وہ کہتے ہیں کہ:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جنگ کی خبر' وہاں کی خبر لوگوں کے پاس آنے سے پہلے سنادی تھی۔ حضرت زید' حضرت جعفر' حضرت ابن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی خبر بھی سنادی تھی۔ حضور فرمارہے ہیں' پرچم حضرت زید نے لیا وہ شہید کر دیئے گئے۔ ابن رواحہ نے پرچم اٹھایا اور وہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ سرکار فرمارہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے بعد فرمایا: اب اللہ کی تلوار یعنی خالد نے پرچم اٹھالیا اور اللہ نے ان کو کامیاب کر دیا۔

ایسی تفصیل تو وہ بتا سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت دی ہو کہ جدھر توجہ فرمادے ادھر کا سارا حال منکشف ہو جائے۔

سدرۃ المنتہی کا علم

۔نسیم الریاض میں قاضی عیاض تحریر کرتے ہیں انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ظاہری اجسام کے لحاظ سے آدمیوں کے ساتھ نظر آرہے ہیں آدمیوں کی طرح نہیں مع البشر' آدمیوں کے ساتھ ہیں مگر ان کا باطن اور ان کی روحانی قوتیں ملکی ہیں' ملکوتی شان رکھتی ہیں' اسی سے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ رہے ہیں۔ شمال' جنوب' مشرق' مغرب کوئی بھی ان سے پوشیدہ نہیں ہے اور یہی قوت ملکیہ ہے جس کی وجہ سے یہ آسمان کی چرچراہٹ کی آواز سنتے ہیں اور حضرت جبرئیل جب سدرہ سے ان پر نازل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو انبیاء سونگھ لیتے ہیں کہ وہ آرہے ہیں۔

حدیث جبرئیل میں ہے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں: "طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ" ہم پر ایک مرد طلوع ہوا۔ اور حضرت جبرئیل پوری گفتگو کر گئے مگر کسی کو پتہ نہ چلا کہ یہ جبرئیل ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ جاننا اور سمجھنا کہ بات کرنے والا کون ہے؟ یہ قوت نبی کو دی گئی' تاکہ وہ سمجھ لے کہ جبرئیل کا کلام کیا ہے اور غیر جبرئیل کا کلام کیا ہے۔

اب سات آسمانوں تک سات ہزار برس کا راستہ اور اس کے اوپر سدرۃ المنتہی ہے' ابھی وہاں سے روح القدس نے چلنے کا ارادہ کیا ہے' چلے نہیں ہیں اور یہاں پتا چل گیا۔

حضور ﷺ ہماری باتیں سنتے ہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

marfat.com

بدانکہ وے علیہ السلام می بیند و می شنود کلام ترا زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بہ صفات الٰہیہ و یکے از صفات الٰہیہ آنست اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ۔

اچھی طرح جان لو کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے کلام کو سنتے ہیں اور تمہیں بولتا ہوا دیکھ رہے ہیں اس لیے کہ حضور صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں صفات الٰہیہ سے متصف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ ہے کہ جو میرا ذکر کرے گا میں اس کا ہم نشین ہوں اسی طرح جو رسول کا ذکر کرے گا رسول اس کے ہم نشین اور قریب ہیں۔

رسول کی موت و حیات میں کوئی فرق نہیں

مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ رسول کی موت و حیات میں کوئی فرق نہیں وہ جس طرح پہلے اپنی امت کا مشاہدہ فرما رہے تھے' آج بھی ویسے ہی فرما رہے ہیں۔

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوت ادراک کو سمجھنے کے لیے تفسیر روح البیان دیکھیں۔ شاھد کی تفسیر میں کیا لکھتے ہیں۔

(ترجمہ) رسول کو شاہد بنایا گیا کہ وہ گواہ ہیں اللہ نے ان کو سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ رسول' خدا کی وحدانیت کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ یعنی رسول کریم غیب الغیب کا علم بتانے والے ہیں۔

رسول کو پہلے کیوں پیدا کیا گیا

تفسیر روح البیان میں شاہد کی جو تفسیر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والے ہیں گویا جب وہ مخلوق اول ہیں تو جو چیز پیدا ہوتی چلی گئی وہ سب کا مشاہدہ کرتے چلے گئے اور اللہ نے ان پر کوئی شے اس لیے پوشیدہ نہیں رکھی' تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعض خوبی کسی مخلوق کو حاصل ہو اور اللہ کا رسول اس سے تہی دامن ہو۔

علم غیب پر ایک صوفیانہ نکتہ

کائنات کا ذرہ ذرہ' پتہ پتہ' دریا کا قطرہ قطرہ' آسمان کا تارا تارا یہ سب خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے اور جو جتنا ان کو جانے گا ان کے پاس اتنے زیادہ دلائل ہوں گے اس سے اپنے نبی کو غافل نہیں رکھا تاکہ توحید کی کوئی دلیل رسول کی نظر سے پوشیدہ نہ ہو۔

رسول کا ہر مجلس میں پہنچنا

رسول ہر مجلس میں نہیں پہنچتے' البتہ ہر مجلس ان کے علم میں ہے۔ دنیا میں کتنی موت ہوتی ہے ہر لحہ زمین کے ہر گوشے میں جن کا شمار نہیں۔ نکیرین دو ہی ہیں لیکن بیک وقت ہزاروں قبروں کے اندر نظر آ رہے ہیں۔ تو خدا جب فرشتوں کو یہ طاقت دے سکتا ہے کہ وہ ایک وقت میں چند جگہ نظر آئیں تو اگر اپنے محبوب کو یہ طاقت دے دے تو اسے اس عطا سے کون روک سکتا ہے۔

marfat.com

یہ زمین ملک الموت کے لیے طشت کی طرح بنادی گئی اور ان کی تیز رفتاری کا یہ عالم ہے کہ کوئی ایسا متنفس نہیں ہے جس کے پاس روزانہ دو مرتبہ نہ آتے ہوں۔ ارے یہ تو اللہ کے فرشتے اور مقبول و محبوب مخلوق ہیں' اس رجیم مخلوق شیطان کو بھی اللہ نے اتنی طاقت دے رکھی ہے کہ وہ سیر کرنے پر آئے تو تھوڑی ہی دیر میں پوری دنیا کا چکر لگالے۔

عجیب بات ہے کہ قوت شیطان کو تو لوگ مان لیتے ہیں مگر قوت محبوب رحمان کو نہیں مانتے۔

ارشاد سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تفسیر خازن میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"ابھی میری امت آب و گل کی منزلیں طے کر رہی تھی کہ مجھ کو بتادیا گیا جیسے حضرت آدم علیہ السلام پر سب کچھ ظاہر کردیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا کہ کون مجھے مانے گا اور کون میرا انکار کرے گا۔ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون میرا منکر ہوگا"۔

جب منافقین نے یہ سنا تو کہنے لگے کہ خوب! ہم انہیں کے ساتھ ہیں اور وہ ہمارے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کرتے ہیں تو ہمیں کہاں پہچان پائے؟ جب حضور نے یہ سنا تو منبر پر جلوہ افروز ہوئے' حمد خدا کے بعد فرمایا: ارے قوموں کا یہ کیا حال ہو گیا ہے کہ میرے علم میں طعنہ کر رہے ہیں' اے لوگو! آج سے قیامت تک جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔

ایک صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنے باپ کا نام پوچھا۔ حضور نے فرمایا: حذافہ۔

منافق سے برداشت نہ ہوا اسے ہلکا سمجھ کر سوال کیا اے اللہ کے رسول! میرا ٹھکانہ کہاں ہے؟

حضور نے فرمایا تمہارا ٹھکانہ جنہم ہے' تم اپنے نفاق کو ہم سے چھپا رہے ہو ہماری رعایت کا مذاق اڑا رہے ہو۔ آخر ایک ایسا وقت بھی آیا جب حضور نے ایک ایک منافق کو اپنی مجلس سے نکال دیا۔

علامہ بدرالدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری شرح بخاری اور فتح الباری شرح بخاری میں بھی یہ واقعہ ہے۔

رسول پاک درود بھی سنتے ہیں

دلائل الخیرات شریف میں ایک حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔

(ترجمہ) اے رسول! جو آپ سے غائب آپ پر درود بھیجتے ہیں یا جو آپ کے بعد آنے والے ہیں آپ پر درود بھیجیں گے کیا اس درود کو آپ ملاحظہ فرماتے ہیں۔

تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اہل محبت کے درود خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں اور جو محنت سے نہیں پڑھتے یوں ہی پڑھ دیتے ہیں ان کا بھی درود ضائع نہیں ہوتا"۔

درود بھیجنے کے پانچ طریقے

سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود پیش کرنے کے پانچ طریقے ہیں۔

ایک فرشتہ حضور کے مزار مبارک کے پاس مامور ہے۔ خدا نے اسے سماعت کی طاقت دی ہے کوئی کہیں سے بھی درود عرض کرتا ہے' وہ اسے سرکار کی بارگاہ میں پہنچادیتا ہے مع اس کے اور اس کے والد صاحب کے نام کے۔

کچھ گشتی فرشتے ہیں جو درود پڑھنے والوں کا درود سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچادیتے ہیں کہ فلاں بن فلاں

marfat.com

نے آپ پر درود بھیجا ہے۔

ہر شخص کے ساتھ پانچ فرشتے رہتے ہیں: ایک دائیں' ایک بائیں' ایک سینے کے سامنے' ایک پیچھے' ایک پیشانی کے سامنے۔

پیشانی والا فرشتہ درود پہنچانے پر مامور ہے۔ بارگاہ سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں روزانہ کے اعمال کے ساتھ درود پہنچتا ہے۔ ہفتے کے اعمال کے ساتھ درود پہنچتا ہے۔ اس طرح ایک درود پر پیشی پر پیشی' پانچ پانچ بار پیشی۔ کیسا کرم ہے سرکار کا کہ غلاموں کو یاد کرتے ہیں' جانتے پہچانتے ہیں اور سلام و درود قبول فرماتے ہیں۔

علم رسول کا پہلا معترض

علم رسول پر سب سے پہلے اعتراض منافقین نے کیا اور انہیں جواب خود سرور کونین نے دیا۔ گویا جواب دینا سرکار کی سنت ہے۔ منافقوں کی روش پر وہ چل رہے ہیں جو معترض ہیں' ہم تو غلام ہیں' سرکار کے علم غیب کے ماننے والے ہیں۔

marfat.com

فاضل گرامی حضرت علامہ مولانا ناظر اشرف صاحب پورنوی شیخ الحدیث دار العلوم بغدادیہ، ناگپور

علم غیب

ذاتی یا عطائی --- دلائل وبراہین کی روشنی میں

اس موضوع پر آیات واحادیث اور دلائل وبراہین پیش کرنے سے پہلے ایک تمہید ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے فرض عین ہے کہ قرآن عظیم کے ابتدائے سورۃ فاتحہ سے لے کر سورۃ ناس کے انتہا تک ہر ہر آیت پر کامل واکمل طور پر ایمان رکھے، لیکن اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلائے، صف اسلام ومسلم میں شمار کرائے، مومن گردانے اور بعض آیات قرآنی پر تو ایمان رکھے اور بعض آیات قرآنیہ کا منکر ہو تو وہ شخص ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہے، صف اسلام ومسلم میں داخل نہیں ہے، بلکہ قرآنی آیت کا انکار کر کے کافر ومرتد ہے۔

زمانہ متقدمین میں بہت سے افراد کی گمراہی کا سبب یہی رہا ہے کہ وہ قرآن عظیم کی بعض آیتوں پر تو ایمان لائے اور بعض آیتوں کے منکر ہو گئے۔ مثال کے طور پر فرقہ قدریہ کے لوگ (جو اپنے آپ کو خود اپنے افعال کا خالق جانتے ہیں) قرآن حکیم کی آیت مقدسہ

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ — اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ خود انہوں نے اپنا برا کیا۔

(پارہ ۱۲ رکوع ۸ سورہ ہود کنز الایمان ص ۳۴۷)

پر اس وجہ سے ایمان لائے کہ یہ آیت مقدسہ فرقہ قدریہ کے مطابق ہے لیکن

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ — اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو۔

(پارہ ۲۳ رکوع ۶ سورہ والصفت)

(ترجمہ کنز الایمان)

اس آیت مقدسہ کے بایں وجہ انکار کر بیٹھے کہ یہ ان کے عقیدہ کے صریح خلاف ہے۔

جس طرح فرقہ قدریہ کے لوگ بعض آیات قرآنی کے معتقد اور بعض کے منکر ہوئے، بالکل اسی طرح فرقہ جبریہ کے لوگ (جو انسان کو پتھر کی طرح مجبور مانتے ہیں) قرآن کریم کی آیت مقدسہ

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ — اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے اللہ سارے جہاں کا رب۔

(پ ۳۰ ع ۵ سورۃ تکویر کنز الایمان ص ۸۵۵)

marfat.com

پر بایں سبب ایمان لائے کہ یہ آیت مقدسہ فرقہ جبریہ کے عقیدہ کے موافق ہے' لیکن

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ○ — یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں۔

(پارہ ۸ رکوع ۴ سورۂ انعام کنزالایمان ص ۲۱۳)

اس آیت قرآنیہ کے بایں وجہ منکر ہوئے کہ یہ فرقہ جبریہ کے عقیدہ کے خلاف و مزاحم ہے۔

فرقہ قدریہ اور فرقہ جبریہ کی طرح فرقہ خارجیہ بھی زمانہ متقدمین میں پیدا ہوا جس نے یہ عقیدہ وضع کر لیا کہ جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو کافر ہے' اب جو آیات قرآنیہ ان کے عندیہ کے موافق و مطابق ہوا اسے تسلیم کر لیا اور جو مخالف و مزاحم ہوا اس کے منکر ہو گئے' جیسے قرآن عظیم کی آیت عظیمہ

وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ۔ — اور بے شک بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہیں انصاف کے دن اس میں جائیں گے۔

(پ۳۰ رکوع ۶ سورۂ مطففین کنزالایمان ص ۸۵۶)

پر ایمان لائے۔ لیکن

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ — اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے۔

(پارہ ۵ رکوع ۱۴ سورہ نساء کنزالایمان ص ۱۴۱)

فرقہ خارجیہ کے افراد اس آیت مقدسہ کے بایں وجہ منکر ہوئے کہ یہ ان کے موقف کی قلعی کھول دیتی ہے اور عقیدہ کے بنیاد کو ڈھا دیتی ہے۔

علم کلام کی کتابوں میں مذکورہ بالا گمراہ فرقوں جیسی' دوسری فرق ضالہ کی مثالیں مثبت ہیں' ناظر صائب کے لیے ان ہی امثلہ ثلاثہ پر اکتفا کرتے ہوئے سلسلہ کلام کا آغاز کیا جاتا ہے کہ زمانہ متقدمین کی فرقہ ضالہ کی طرح چودھویں صدی ہجری میں بھی ایسے ہی گمراہ بلکہ گمراہ گر بلکہ کفر و ارتداد سے پر ایک فرقہ ہند کی سرزمین میں ابھر کر سامنے آیا جس نے قرآن حکیم کی بعض آیات پر آمنا و صدقنا کا کلمہ پڑھ لیا اور بعض آیات قرآنی کے منکر ہو گئے۔ جو جو آیات ان کے موضوعہ من گھڑت اور اختراع شدہ عقیدہ کے مطابق ہوئیں اسے تسلیم کر لیا' اور جو جو آیات ان کے عقیدۂ ضالہ مضلہ کی بنیادوں کو جڑوں سے اکھیڑنے والی ہیں ان آیات مبینہ کا انکار کرتے ہیں۔ موجودہ دورہ میں اسی فرقہ کو سواد اعظم وہابی' دیوبندی فرقہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اس فرقے کے قائدین و متبعین اسے تسلیم بھی کرتے ہیں۔

اس لیے میں پہلے ضروری خیال کرتا ہوں کہ علم غیب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے متعلق ان کے عقیدہ کو آپ کے سامنے رکھوں' پھر اس کے بعد آیات و احادیث اور دلائل و براہین کی روشنی میں علم غیب رسول اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا ثبوت پیش کروں۔

(۱) وہابیوں' دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی مصنف "بہشتی زیور" نے اپنے چار ورقی کتابچہ "حفظ الایمان" مطبوعہ انتظامی پریس کانپور ص ۸ پر لکھا ہے کہ "آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب' اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے حاصل ہے"۔

(۲) وہابیوں' دیوبندیوں کے دوسرے پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے رسالہ مسئلہ در علم غیب رسول اللہ صلی اللہ

marfat.com

علیہ وسلم ص ۲ پر لکھا ہے کہ "اس میں چہار ائمہ مذاہب وجملہ علماء متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع نہیں اور اس مدعی کے اثبات پر ہزاروں آیات واحادیث شاہد ہیں"۔

(۳) وہابیوں' دیوبندیوں کے تیسرے پیشوا مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے اپنی تصنیف "براہین قاطعہ" مطبوعہ بلال اسٹیم پریس ساڈھورہ ص۵۱ (جو مولوی رشید احمد گنگوہی کی مصدقہ ہے) پر لکھا ہے کہ "شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

اگر قارئین بنظر غائر پیشوایان دیوبند کی مذکورہ بالا عبارات کا جائزہ لیں تو کوئی مشکل نہیں کہ ان کے عقیدہ کا تضاد معلوم نہ ہو۔

علم غیب رسول اعظم علیہ الصلوۃ والسلام کے تعلق سے فرقہ وہابیہ نجدیہ کے یہ وہ معتقدات ہیں جو صحابہ' تابعین' تبع تابعین' ائمہ' مجتہدین' محدثین اور علمائے سلف و خلف کے عقیدۂ حقہ ناجیہ سے صراحتاً مخالف و مزاحم ہیں۔ جو اہل فہم پر روز روشن سے زیادہ عیاں ہے۔ ان ہی جیسے ایمان سوز عقائد کی وجہ سے اہلسنت وجماعت کے علماء وعوام' مولوی اشرف علی تھانوی' مولوی رشید احمد گنگوہی' مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور دیگر پیشوایان دیوبند سے قلبی بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے عدم رجوع و اعلانیہ توبہ و استغفار نہ ہونے کے سبب انہیں کافر و مرتد گردانتے ہیں اور جو شخص جانتے ہوئے مذکورہ اشخاص کے کفر و عذاب میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کرے مَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ کے تحت انہیں بھی کافر و مرتد کہتے ہیں۔ نیز ان اشخاص کے متبعین و مقلدین بھی ان کے گمراہ کن 'ایمان سوز' دل دوز' حق شکن عقائد رذیلہ سے واقف ہونے کے باوجود ان اشخاص کو پیشوایان دین مانتے ہیں تو لہٰذا ان لوگوں کو بھی اہلسنت وجماعت کے علماء وعوام اسی زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔

علم غیب رسالت پناہی علیہ افضل الصلوات والتسلیمات سے متعلق قرآنی صراحت پیش کرنے سے قبل ازحد ضروری ہے کہ غیب کی تعریف اور علم غیب "ذاتی اور عطائی" کا فرق واضح طور پر بیان کر دیا جائے' تاکہ فہم مسئلہ میں کسی عاصی کو بھی دقت نہ ہو اور عنوان کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے غیب کی تعریف عام فہم زبان میں درج کی جاتی ہے۔

غیب کی تعریف

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ' کان' ناک وغیرہ حواس خمسہ سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداہۃ عقل میں آسکے' جیسے کانپور والے کے لیے ناگپور غیب نہیں کیونکہ کانپور کا ایک عام آدمی بھی جس نے ناگپور دیکھا ہو یا کان سے سنا ہو کہہ سکتا ہے کہ ناگپور وسط ہند کا ایک شہر ہے۔

اسی طرح گلاب کی خوشبو' شہد کی مٹھاس لذات طعام غیب نہیں کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں مگر ناک یا زبان سے معلوم ہیں۔

غیب دو طرح کا ہوتا ہے

(۱) ایک وہ غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے جیسے جنت و دوزخ اور خدائے پاک کی ذات و

marfat.com

صفات اور اشیاء عالم جن کا علم آیات قرآن حکیم سے ہوتا ہے مگر ہے غیب کیونکہ حواس خمسہ ظاہرہ مثلاً آنکھ' ناک' کان وغیرہ سے محسوس نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہی بلادلیل عقل انسانی میں ہی آسکتا ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ غیب ہے جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا' عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی' بدبخت ہے یا نیک بخت' بارش کب ہوگی۔ ان جیسے اشیاء کے علوم حتمی لازمی' یقینی طور پر نہ حکیم بتا سکتا ہے نہ ڈاکٹر' نہ ماہر نجومیات' نہ کیاف اور نہ ہی علم جفر کا عالم ان دونوں قسموں کے غیب کا علم ذاتی صرف اللہ جل شانہ و عم نوالہ کو ہی ہے اور پیارے مصطفےٰ حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو دونوں قسموں کے غیب کا علم عطائی ہے اور بہ طفیل مصطفیٰ عالم ما کان وما یکون علیہ التحیۃ والثناء دیگر انبیاء کرام و اولیاء عظام کو بھی بعض مغیبات کا علم عطا کیا گیا ہے۔

۱- علم غیب ذاتی

وہ علم ہے جو نفس ذات عالم سے صادر ہو' اس کے غیر کو اس میں کچھ دخل نہ ہو۔ نہ یوں کہ غیر کی عطا سے ہو' نہ یوں کہ غیر اس میں کسی طرح کا سبب پڑے' یہ علم اللہ جل شانہ کے ساتھ خاص ہے۔ غیر اللہ کے لیے محال ہے اور جو کوئی اس میں سے کوئی حصہ جہاں بھر میں کسی کے لیے ثابت کرے اگرچہ ایک ذرہ سے کم تر سے کم تر' وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔

۲- علم غیب عطائی

وہ علم ہے جو کسی غیر کی عطا سے ہو' یہ علم بندوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غیر ممکن و محال ہے اور جو اس طرح کا کوئی علم اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرے وہ کافر ہے۔

علم غیب ذاتی اور عطائی کی تعریف جان لینے کے بعد دونوں قسموں میں فرق کئی طرح آشکارا ہو گیا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے--- رسول اللہ کا علم عطائی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ذات کے لیے واجب ہے--- رسول اللہ کا علم اس کی ذات کے لیے ممکن ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا علم ازلی سرمدی قدیم حقیقی ہے--- رسول اللہ کا علم حادث ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق نہیں ہے--- رسول اللہ کا علم مخلوق ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیر قدرت نہیں ہے--- رسول اللہ کا علم اللہ تعالیٰ کے زیر قدرت ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ کا علم ہمیشہ رہنا واجب ہے--- رسول اللہ کے علم کی فنا ممکن ہے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کا علم کسی طرح بدل نہیں سکتا ہے--- رسول اللہ کے علم میں تغیر روا ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ کا علم مطلق تفصیلی بالذات غیر متناہی بالفعل ہے یعنی اللہ جل شانہ اپنی ذات کریم اور اپنی غیر صفتوں متناہی اور ان سب حادثوں کو جو موجود ہو لیے اور ان کو جو ابد الاباد تک ہوتے رہیں گے' نیز تمام ممکنات کو جو نہ کبھی موجود ہوئے اور نہ کبھی موجود ہوں گے' بلکہ تمام محالات کو بھی جانتا ہے۔ تمام مفہومات میں سے کوئی شے علم الٰہی سے باہر نہیں اور ان سب کو ازل سے ابد تک پوری تفصیل کے ساتھ جانتا ہے (اور اس میں بھی تفصیل ہے)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم پاک اللہ جل شانہ کے علم پاک سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو ایک قطرہ کے

marfat.com

کروڑویں حصہ کو کروڑوں سمندروں کے ساتھ ہے کیونکہ یہ دونوں متناہی ہیں اور علم نبوی متناہی اور علم الٰہی غیر متناہی بالفعل ہے۔ اگرچہ یہ متناہی بذات خود ایسا وسیع ہے کہ تمام ما کان وما یکون کے تفصیلی معلومات کو محیط ہے۔ یہ علم ماننا اس حد کی قطعیت کو نہیں پہنچتا ہے کہ اس کا انکار کفر ہو۔ اگرچہ ایسی قطعیت اس مسئلہ میں ضرور ہے کہ اس کا منکر گمراہ اور اہلسنّت وجماعت سے خارج ہے۔

ان فرق واضحہ بینہ کے باوجود اہلسنّت وجماعت پر اہل دیابنہ کا الزام ہے کہ اہلسنّت وجماعت علم باری تعالیٰ اور علم سرکار ابد قرار (جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) میں مساوات کے مدعی ہیں۔ معاذ اللہ! صد ہزار بار معاذ اللہ! اس الزام کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ امت مسلمہ کو اہلسنّت وجماعت سے بیزار کرا کے ان کے دلوں پر وہابیت کی گہری چھاپ ڈال دی جائے اور امت مصطفویہ کو دو گروہوں میں تقسیم کرا کے، گروہی عصبیت کا شکار کرا کے غیب دان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ندائے یارسول اللہ کا دروازہ بند کرا دیا جائے اور ایک نئے دین کی داغ بیل ڈالی جائے جو غلامی مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طوق اپنی گردنوں سے اتار کر فرنجیوں کی نمک خواری کا حق ادا کرے اور سواد اعظم اہلسنّت وجماعت سے اپنا تعلق منقطع کر لے اس کے سوا اور کچھ نہیں۔

جیسا کہ میں نے تمہید میں لکھا ہے کہ فرقہ وہابیہ نجدیہ بھی بعینہٖ فرقہ قدریہ، جبریہ، خارجیہ کی طرح ان آیات کریمہ پر ایمان لاتے ہیں جو ان کے عقیدہ کے مطابق ہے اور ان آیات باہرات کا انکار کرتے ہیں جو ان کے موقف کی دھجیاں اڑا دیتی ہیں، ناظرین کے علم واتفاق کے لیے یہاں چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔

تم فرما دو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور میں غیب نہیں جانتا۔

(پارہ ۷ رکوع ۱۱ سورہ انعام کنزالایمان ص ۱۹۳)

جبکہ مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی توضیح یہ پیش کی ہے کہ یا تو اس علم غیب ذاتی کی نفی ہے یا کل علم کی نفی ہے یا یہ کلام تواضع وانکسار کے طور پر بیان کیا گیا ہے یا یہ کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی نفی ہے۔ ماخوذ تفسیر نیشاپوری، تفسیر کبیر، تفسیر روح البیان، تفسیر عرائس البیان، تفسیر مدارک۔

ذکر کردہ توضیح میری اٹکل پچو نہیں ہے بلکہ قرآن حکیم کے معانی ومطالب پر روک رکھنے والے ان مفسرین عظام کا بیان کردہ ہے جن کی پوری زندگی خدمت دین متین اور قرآن فہمی میں صرف ہوتی ہیں۔ اسی لیے اہلسنّت وجماعت ان وارثین انبیاء کے بیان کردہ تفسیروں پر اعتماد اور جزم کرتے ہوئے بسرو چشم قبول کرتے ہیں۔

مگر فرقہ وہابیہ نجدیہ ان تمام تفاسیر کو پس پشت ڈال کر اپنے مزعوم کی تائید میں اس آیت کریمہ کو بطور سند پیش کرتے ہیں اور رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی پر ایمان لاتے ہیں اور

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ۔

اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمہیں غیب کا علم دے دے، ہاں! اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔ (ترجمہ رضویہ)

(پ ۴ رکوع ۸ سورۂ عمران کنزالایمان ص ۱۰۸-۱۰۷)

اس آیت کریمہ کا انکار کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اعظم عالم غیب الغیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کے

marfat.com

نزدیک پسندیدہ رسولوں میں سے نہیں ہے۔ معاذ اللہ! صد ہزار بار معاذ اللہ۔

(۲) وَلَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ لَاسۡتَكۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَيۡرِ۔ (پارہ۹ رکوع ۱۳ سورۂ اعراف کنز الایمان ص ۲۵۴)

اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہو تا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی۔

اس آیت مقدسہ کے متعلق بھی مفسرین کرام نے تین توجیہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ کلام بطور انکسار ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام معلومات الٰہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

ماخوذ شرح مواقف' نسیم الریاض' فتوحات الٰہیہ' تفسیر خازن میں جمل حاشیہ جلال' صاوی حاشیہ جلالین اس آیت کریمہ میں بھی مفسرین کرام کے مذکورہ بالا صراحت کے باوجود رسول دشمنی کا ثبوت دیتے ہوئے فرقہ وہابیہ نجدیہ اپنے مخترع عقیدہ کی تائید و توثیق میں اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں اور ظاہری معنی پر محمول کر کے علم غیب رسالت پناہی کا انکار کرتے ہیں اور صرف ذات باری تعالیٰ عزاسمہ کے ہی علم غیب کا اقرار کرتے ہیں۔ اور

فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ ۝

تو اپنے غیب کسی پر مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(پارہ۲۹ رکوع ۱۱ سورۂ جن (کنز الایمان) ص ۸۳۴)

رسول اعظم عالم غیب الغیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں یہ آیت کریمہ آفتاب نیم روز سے بھی زیادہ روشن و تابناک ہے؟ غبی سے غبی تر آدمی بغیر دماغ پر زور لگائے اس آیت کے مفہوم کو سمجھ سکتا ہے' اس لیے کہ اس آیت کریمہ کا مفہوم فی الواقع نہ نظری ہے نہ ہی فہم و ادراک سے ماوریٰ' مگر افسوس ہے فرقہ وہابیہ نجدیہ پر جو ایک روشن و تابناک اور واضح ترین دلیل سے کھلم کھلا انکار کرتے ہیں اور حیا محسوس نہیں کرتے ہیں۔

(۳) قُلۡ لَّا يَعۡلَمُ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الۡغَيۡبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ (ترجمہ رضویہ)

(پارہ۲۰ رکوع ۱ سورۂ نمل (کنز الایمان) ص ۵۵۳)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کے بھی مفسرین کرام نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ علم غیب ذاتی طور پر کوئی نہیں جانتا یا جملہ معلومات الٰہیہ کوئی نہیں جانتا۔

ماخوذ فتاویٰ حدیثیہ لامام ابن حجر مکی و شرح شفا خفاجی۔

یہ آیت کریمہ چونکہ بظاہر فرقہ وہابیہ نجدیہ کے مذہب باطل و ابطل کا موید ہے' اس لیے اس آیت کریمہ کے مقررین مگر

وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ ۝

اور یہ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

(پارہ۳۰ رکوع ۵ سورہ انفطار (کنز الایمان) ص ۸۵۵)

کے منکر ہیں اس لیے کہ فرقہ وہابیہ نجدیہ کی موید نہیں ہے۔

(۴) وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ۝ (پارہ۷ رکوع ۱۳ سورۃ انعام (کنز الایمان) ص ۱۹۵)

اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔ (ترجمہ رضویہ)

فرقہ وہابیہ نجدیہ کے علماء عموماً مناظرہ میں اپنے مزعوم کی تائید میں اس آیت مقدسہ کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں اس

marfat.com

لیے میں چاہتا ہوں کہ اس آیت مقدسہ سے متعلق قدرے تفصیل بیان کروں۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے۔

قَالَ الْحَرِيْرِيُّ لَايَعْلَمُهَا اِلَّاهُوَ وَمَنْ يَطَّلِعُهٗ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيْلٍ وَّ حَبِيْبٍ اَیْ لَا يَعْلَمُهَا الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ قَبْلَ اِظْهَارِهٖ تَعَالٰى ذٰلِكَ لَهُمْ○

حریری نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پچھلے اللہ کے ظاہر فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

صاحب عرائس نے وَمَنْ يَطَّلِعُهٗ عَلَيْهَا مِنْ خَلِيْلٍ وَّحَبِيْبٍ فرما کر علم غیب ذاتی اور عطائی کی تقسیم بھی بیان فرمادی اور اپنا عقیدہ بھی ظاہر کردیا۔

دیگر مفسرین عظام نے ارشاد فرمایا ہے کہ مفاتیح الغیب سے مراد یا تو غیب کے خزانے ہیں یا سارے معلومات الٰہیہ کا جاننا یا اس سے مراد ہے غیب کو حاضر کرنے یعنی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہونا۔ کیونکہ کنجی کا کام یہی ہوتا ہے کہ اس سے تالا کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر رکھی جائے۔ اسی طرح حاضر کو غائب یعنی موجود کو معدوم اور غائب کو حاضر یعنی معدوم کو موجود کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت پروردگار ہی کو ہے۔

ماخوذ تفسیر کبیر، روح البیان، خازن۔

امام اہلسنّت، مجدد دین وملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس آیت عِنْدَهٗ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ اور دوسری آیت لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ایک نکتہ فضیلہ ارشاد فرمایا ہے۔ اہل ایمان کی تازگی کے لیے نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ساتوں آسمان، ساتوں زمین دنیا ہے اور ان سے ماورٰی سدرۃ المنتہٰی، عرش وکرسی دار آخرت ہے، دار دنیا، دار شہادت ہے، دار آخرت غیب، غیب کی کنجیوں کو مفاتیح اور شہادت کی کنجیوں کو مقالید کہتے ہیں۔ نام پاک سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں مفاتیح کا پہلا حرف "م" اور آخر حرف "ح" ہے اور مقالید کا پہلا حرف "م" اور آخری حرف "د" ہے۔ انہیں مرکب کرنے سے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بنتا ہے۔ اس سے یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ غیب وشہادت کی کنجیاں سب کی سب آقا ومولیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے دی گئی ہیں اور کوئی شے ان کے حکم سے باہر نہیں۔ ع

دو جہاں کی بہتریاں نہیں کہ امانی دل و جان نہیں
کہو کیا ہے وہ جو یہاں نہیں مگر اک نہیں کہ وہ ہاں نہیں

سبحان اللہ! یا تو اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے مَفَاتِيْحِ وَمَقَالِيْدِ، غیب وشہادت سب حجرۂ خفا یا عدم میں مقفل تھیں۔ وہ مفتاح ومقلاد جس سے ان کا قفل کھولا گیا اور میدان ظہور میں لایا گیا وہ ذات اقدس ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کہ اگر حضور تشریف نہ لاتے تو سب اسی طرح مقفل حجرۂ عدم یا خفا میں رہتے۔ ع

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہے وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

ماخوذ الملفوظ شریف، بہ تفسیرما، جلد چہارم ص ۶۳ مطبوعہ مکتبہ رضا ۳۱۹ گھیر شیخ مٹھو بریلی شریف۔

ضمنی طور پر بات آگئی تھی امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کے توضیح لطیف کی حقیقت یہ ہے کہ اہل دیابنہ جس علم غیب کو شیطان وملک الموت کے لیے ثابت مانتے ہیں، اسی طرح علم غیب کو باعث تخلیق کائنات چارہ ساز و مسیحا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شرک کہتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے ہیں۔ رسول دشمنی اور ابلیس دوستی کی اس سے ظاہر ظہور مثال اور

marfat.com

کیا مل سکتی ہے؟

آنکھ موند کر اپنے موقف کی تائید میں اس آیت کریمہ کو پیش کرنے والے فرقہ وہابیہ نجدیہ کے لوگ آیت کریمہ

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ○ یہ غیب کی خبریں ہیں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں۔

(پارہ ۱۲ رکوع ۳ کنز ص ۳۲۸) (ترجمہ رضویہ)

کا صرف اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ آیت ان کے موقف کو ھباء منثورا کردیتی ہے۔

(۵) الف: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا۔ تم سے قیامت تک پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوتی ہے۔ تمہیں اس کے بیان سے کیا تعلق؟ (ترجمہ رضویہ)

(پارہ ۳۰ رکوع ۳ سورۂ عبس، کنز ص ۸۵۲)

ب: یَسْئَلُوْنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے۔ تم فرماؤ، اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ (ترجمہ رضویہ)

(پارہ ۹ رکوع ۱۳ سورہ اعراف، کنزالایمان ص ۲۵۳)

ج: یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ، اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ (ترجمہ رضویہ)

(پارہ ۲۲ رکوع ۴ سورۂ احزاب، کنز ص ۶۱۸)

د: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ○ بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اوتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے، اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی۔ بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔ (ترجمہ رضویہ)

(پارہ ۲۱ رکوع ۱۲ سورۂ لقمان، ص ۶۰۱-۶۰۰)

ذکر کردہ آیات بینات کو فرقہ وہابیہ نجدیہ اپنے موقف کی سند میں پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عالم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیام قیامت کا قطعی علم نہ تھا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عالم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ ہوتے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ قرآن حکیم میں اس قدر وضاحت کے ساتھ منفی بیان موجود ہوتا۔

اہلسنت وجماعت کے افراد کو اس قدر صاف وصریح آیات پر ایمان لا کر ہمارے موقف کی تائید وتوثیق کرنی چاہیے۔ اولاً یہ ہے کہ جو بات وہابی، دیوبندی کہتے ہیں، اگر وہی بات حق صریح ہوتی تو اہلسنت وجماعت کو تسلیم کرنے میں کوئی دریغ نہ ہوتا اور ادوار ماضیہ میں علمائے راسخین اثبات علم غیب رسول اکرم اور منفیات پر مشتمل آیات کریمہ پر تطبیق دیتے ہوئے تاویل نہ فرماتے۔

علم غیب ذاتی اور عطائی کے ماخذ رسول اعظم کے وہ اقوال زریں ہیں جو کتب احادیث واخبار میں شرح وبسط کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں جن کے حسن وصحیح ہونے پر سلف وخلف سے جزم ہے۔ علم غیب مصطفیٰ اور علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے ثبوت پر ثقہ راویوں کی رواۃ آفتاب نصف النہار کی طرح تابناک نہ ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا کہ فرقہ وہابیہ نجدیہ کے مزعوم پر اہل سنت وجماعت ایمان نہ لاتے، مگر جبکہ دلائل وبراہین کے بحر وذخار موجود ہیں تو ان سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے مزعوم کی

marfat.com

تائید میں صرف ان ہی آیات کریمہ کو پیش کرنا جن کا ظاہر منفی پہلو پر دال ہو' یقیناً کفر و ارتداد اور طاغوت پر آمادگی کی دلیل ہے۔

لیجئے لگے ہاتھوں ذکر کردہ آیات کریمہ کے تحت معدود چند مفسرین کرام کے توضیحات و تنقیحات ملاحظہ فرمائیں جو ایمانی بصیرت کو دوبالا کرنے والی ہیں۔

آیت کریمہ الف کے تحت تفسیر صاوی میں مرقوم ہے کہ

وَهٰذَا قَبْلَ اِعْلَامِهٖ بِوَقْتِهَا فَلَا يُنَافِيْ اَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهُ اللّٰهُ بِجَمِيْعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

یہ آیت کریمہ عالم ما کان وما یکون علیہ الصلوۃ والتسلیمات کو قیامت کے وقت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے' لہٰذا اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کریمہ کے تحت ارقام ہے کہ

قَدْ ذَهَبَ بَعْضُ الْمَشَايِخِ اِلٰى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِفُ وَقْتَ السَّاعَةِ بِاِعْلَامِ اللّٰهِ وَهُوَ لَا يُنَافِي الْحَصْرَ فِي الْاٰيَةِ۔

بعض مشائخ کرام کا فرمان یہ ہے کہ نبی کریم رؤف و رحیم علیہ الصلوۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قیامت کے وقت کو بھی جانتے تھے اور یہ قول اس آیت کے حصر کے منافی نہیں ہے۔

آیت مشبہ بالف و ب کے تحت تفسیر روح البیان میں ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷۰ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیحہ سے ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔ تفسیر مدارک یہی آیت مذکورہ بالف کے تحت ہے کہ آپ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں اور کفار آپ سے قیام قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے آیا۔ پھر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب کہہ دو اِلٰی رَبِّکَ یعنی رب کی طرف سے آیا۔

تفسیر مدارک' روح البیان اور صاوی کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ تھے۔ اور ہر ذی فہم جانتا ہے کہ قیامت کب ہوگی اس کا علم ہونا اور ہے' خبر دینا اور نہ دینا اور ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے ہیں کہ بہت ساری باتوں کا علم ہر انسان کو ہوتا ہے لیکن مصلحت پیش نظر ہوتی ہے جس کی وجہ سے خبر نہیں دیتے ہیں بلکہ مضمر رکھتے ہیں۔ اسی طرح پیارے رسول اکرم نے مصلحت کے پیش نظر علم کے باوجود وقت قیامت کو واشگاف نہیں فرمایا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو معلوم ہی نہ تھا۔

تعجب ہے فرقہ وہابیہ نجدیہ کے متبعین پر جس رسول ہاشمی کے غیب کے منکر ہیں اپنے لیے اسی غیب کو ثابت کرتے ہیں۔ آپ ان سے استفسار تو کیجئے "چودہ سو سال کے بعد آپ کو یہ علم کیسے ہو گیا کہ سرکار ابد قرار کو معلوم نہ تھا کہ قیامت کب ہوگی جب کہ مفسرین عظام کی تفاسیر اس حقیقت پر شاہد و ناطق ہیں"۔ نیز نبی کے ارسال کا مقصود تبلیغ احیاء دین ہوتا ہے۔ فرائض نبوت میں سے ہرگز ہرگز وقت قیامت کی خبر دینا نہیں ہے تو پھر یہ الزام عائد کرنا کہ نبی نے خبر نہ دی' لہٰذا علم نہ تھا' حماقت پر مبنی ہے اور یہ مسئلہ ایسا نظری بھی نہیں کہ بسیار غور و خوض کے بعد بھی عقل سلیم میں نہ آسکے۔

نیز تفسیر صاوی میں يَسْئَلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا کے تحت یہ مفہوم بھی موجود ہے کہ

وَالَّذِيْ يَجِبُ الْاِيْمَانُ بِهٖ اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَنْتَقِلْ مِنَ الدُّنْيَا حَتّٰى اَعْلَمَهٗ

جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام دنیا سے منتقل نہ ہوئے اور آپ کو تمام وہ غائب چیزیں بتا دیں جو دنیا

marfat.com

اللّٰہُ بِجَمِیْعِ الْمُغِیْبَاتِ الَّتِیْ تَحْصُلُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَھُوَ یَعْلَمُ ھَا کَمَا ھِیَ عَیْنُ یَقِیْنٍ لِّمَا وَرَدَ رُفِعَتْ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ فِیْھَا کَمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ وَوَرَدَ اَنَّہٗ اُطْلِعَ لِیَ الْجَنَّۃُ وَمَا فِیْھَا وَالنَّارُ وَمَا فِیْھَا وَغَیْرُ ذٰلِکَ مِمَّا تَوَاتَرَتِ الْاَخْبَارُ وَلٰکِنْ اَمَرَ بِکِتْمَانِ بَعْضِھَا۔

و آخرت میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ بھی آیا ہے کہ ہم کو جنت اور وہاں کی نعمتوں اور دوزخ اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی۔ علاوہ ازیں اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔

ایسے ہی اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ آیت کریمہ کے تحت تفسیرات احمدیہ میں منقول ہے کہ

وَلَکَ اَنْ تَقُوْلَ اِنَّ عِلْمَ ھٰذِہِ الْخَمْسَۃِ وَاِنْ لَّا یَعْلَمُھَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰہُ لٰکِنْ یَجُوْزُ اَنْ یَعْلَمَھَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ مُّحِبِّیْہِ وَاَوْلِیَاءِہٖ بِقَرِیْنَۃِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ بِمَعْنَی الْمُخْبِرِ۔

اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن جائز ہے کہ خدائے پاک اپنے ولیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے۔ اس قول کے قرینہ سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خبیر بمعنی مخبر۔

تفسیر صاوی، تفسیر عرائس البیان، تفسیر روح البیان وغیرہا معتبر و معتمد تفاسیر کی کتب میں ان آیات باہرات کے تحت یہی مرقوم ہے کہ پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جمیع مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم عطائی ہے۔

اب اگر کوئی ہٹ دھرم اپنی ہٹ دھرمی کی بنا پر یہ کہتا پھرے کہ علم غیب ذاتی اور عطائی کی تقسیم مولانا احمد رضا خاں کی ایجاد کردہ ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے اپنی جہالت و سفاہت میں ابوجہل و ابولہب کو بھی مات کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات باہرات اور ان کے مابین تطبیق و توفیق ایمانی بصیرت رکھنے والوں کے لیے کافی و وافی ہے لیکن جن کا دین و مذہب ہی رسول دشمنی ہو۔ بغض صحابہ و عناد انبیاء و اولیاء ہو اس کے پاس آپ چاہے لاکھ عبارات مفسرین پیش کریں۔ ثقہ راویوں کی روایتیں بتائیں۔ صحابہ و تابعین کی روایتیں پیش کریں وہ ایمان لانے والے نہیں۔ موجودہ دور میں ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا دعویٰ کرنے والا فرقہ وہابیہ نجدیہ کج روی میں اپنی مثال آپ ہے، علم غیب ذاتی اور عطائی کی تفسیر قرآنی کا کھلم کھلا انکار کرتے ہوئے شرک تک کا فتویٰ ٹھوکتے ہیں--- معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ خدا و صحابہ تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین محدثین خلفاء صلحاء علماء صوفیاء سلف و خلف تک مشرک ٹھہراتے ہیں۔ وہابیہ نجدیہ، قلب کا مریض اور ایمانی ضیاؤں سے محروم فرقہ کا نام ہے لہٰذا صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ کا مصداق اور فہم و فراست کا فاقد یہ فرقہ لَا یَعُوْدُوْنَ کی منزل پر ہی رہے گا۔ اس کے لیے تمام براہین ساطعہ بے سود اور لاحاصل ہی ہیں۔

آپ حضرات کے سامنے جو بکھرا ہوا اجماعی عقیدہ ہے وہ یہی کہ حضور پرنور شافع یوم النشور ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب عطائی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جَمِیْعَ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے عالم ہیں۔

marfat.com

از قلم : مولانا محمد عبد المبین نعمانی دار العلوم قادریہ چریا کوٹ ۲۷۶۱۲۹

اولیاء اللہ کے فضائل اور ولایت کے مراتب

اولیاء اللہ کے فضائل میں خداوند قدوس ارشاد فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۔ الخ (پ ۱۱ ع ۱۲)

سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔ (ترجمہ رضویہ کنز الایمان)

ولی کی تعریف

ولی کی اصل ولا سے ہے جو قرب و محبت کے معنی میں ہے۔ ولی اللہ وہ ہے جو فرائض سے قرب الٰہی حاصل کرے اور اطاعت الٰہی میں مشغول رہے اور اس کا دل نور جلال الٰہی کی معرفت میں مستغرق ہو۔ جب دیکھے دلائل قدرت الٰہی کو دیکھے اور جب سنے اللہ کی آیتیں ہی سنے اور جب بولے تو اپنے رب کی ثناہی کے ساتھ بولے اور جب حرکت کرے طاعت الٰہی میں حرکت کرے اور جب کوشش کرے اسی امر میں کوشش کرے جو ذریعہ قرب الٰہی ہو۔ اللہ کے ذکر سے نہ تھکے اور چشم دل سے خدا کے سوا غیر کو نہ دیکھے۔ یہ صفت اولیاء کی ہے۔ بندہ جب اس حال کو پہنچتا ہے تو اللہ کا ولی و ناصر اور معین و مددگار ہوتا ہے۔

متکلمین کہتے ہیں ولی وہ ہے جو اعتقاد صحیح مبنی بر دلیل رکھتا ہو اور اعمال صالحہ شریعت کے مطابق بجالاتا ہو۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم رہتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ولی وہ ہے جس کو دیکھنے سے اللہ یاد آئے۔ یہی طبری کی حدیث میں بھی ہے۔

ابن زید نے کہا کہ ولی وہی ہے جس میں وہ صفت ہو جو اس آیت میں مذکور ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

یعنی ایمان و تقویٰ دونوں کا جامع ہو۔

بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ ہیں جو خالص اللہ کے لیے محبت کریں، اولیاء کی یہ صفت احادیث کثیرہ میں وارد ہوئی ہے۔

maarfat.com

بعض اکابر نے فرمایا: ولی وہ ہیں جو طاعت سے قرب الٰہی کی طلب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کرامت سے ان کی کارسازی فرماتا ہے۔ یا وہ جن کی ہدایت کا برہان کے ساتھ اللہ کفیل ہو اور وہ اس کا حق بندگی ادا کرنے اور اس کی خلق پر رحم کرنے کے لیے وقف ہو گئے۔

یہ معانی اور عبارات اگرچہ جداگانہ ہیں لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ ہر عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کر دی گئی ہے جسے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام صفات اس میں ہوتے ہیں۔ ولایت کے درجے اور مراتب میں ہر ایک اپنے درجے کے مطابق فضل و شرف رکھتا ہے۔ (خزائن العرفان مع اضافہ)

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ میں اللہ رب العزت نے اپنے اولیاء کرام کے لیے جس بشارت کی خبر دی ہے۔

اس کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۳۶۷ھ) اپنی تفسیر خزائن العرفان میں فرماتے ہیں:

اس خوشخبری سے یا تو وہ مراد ہے جو پرہیزگار ایمان داروں کو قرآن کریم میں جابجا دی گئی ہے یا بہترین خواب مراد ہے جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لیے دیکھا جاتا ہے۔ جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہوا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ ولی کا قلب اور اس کی روح دونوں ذکر الٰہی میں مستغرق ہوں تو وقت خواب اس کے دل میں سوائے ذکر و معرفت الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتا اس لیے جب ولی خواب دیکھتا ہے تو اس کا خواب حق ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں بشارت ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس بشارت سے دنیا کی نیک نامی بھی مراد لی ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا' اس شخص کے لیے کیا ارشاد فرماتے ہیں جو نیک عمل کرتا ہے اور لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ فرمایا یہ مومن کے لیے بشارت عاجلہ ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ بشارت عاجلہ رضائے الٰہی اور اللہ کے محبت فرمانے اور خلق کے دل میں محبت ڈال دینے کی دلیل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جس سے اللہ محبت کرتا ہے اس کو زمین میں مقبول کر دیا جاتا ہے"۔ (یہ حدیث تفصیل کے ساتھ بروایت مسلم مشکوۃ ص ۴۲۵ میں موجود ہے)

قتادہ کہتے ہیں اس سے وہ بشارت مراد ہے جو ملائکہ وقت موت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیتے ہیں۔ عطا کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت تو وہ ہے جو ملائکہ وقت موت سناتے ہیں اور آخرت کی بشارت وہ ہے جو مومن کو جان نکلنے کے بعد سنائی جاتی ہے کہ اس سے اللہ راضی ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ (۱۰۵۲ھ) تکمیل الایمان میں فرماتے ہیں:

"ولایت کے معنی فنافی اللہ اور بقاباللہ کے ہیں۔ یہ نسبت موت کے بعد اور زیادہ کامل اور مضبوط ہو جاتی ہے"۔

(ترجمہ تکمیل الایمان ص ۱۷۵)

دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں مگر ولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو معرفت خداوندی کا واقف ہو۔ طاعت خداوندی پر قائم رہے۔ عصیان و معصیت (نافرمانی) سے کنارہ کش رہے اور لذات شہوانیہ سے پرہیز کرتا رہے۔ اگر ایسے شخص سے کوئی خرق

marfat.com

عادت (خلاف عادت) ظاہر ہو تو اسے کرامت کہا جاتا ہے اور یہ جائز ہے۔ در اصل ولی کی کرامت اس نبی کے معجزات کا عکس ہوتا ہے جس کی کرامت میں ولی ہوتا ہے (الی ان قال) ولایت کے لیے ضروری نہیں کہ اظہار کرامت بھی ہو۔ ولی اللہ بغیر کرامت کے بھی ولی اللہ ہو سکتا ہے۔ اصل کرامت تو یہ ہے کہ دین پر استقامت دکھائی جائے۔

اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَتِ۔ استقامت کرامت سے بلند تر ہے۔

لیکن کرامت کے اظہار میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ سالک ابتدائے تربیت میں تکمیل یقین پالے' تاکہ سلوک کی جدوجہد میں نہایت تن دہی سے کام کرتا چلا جائے اور آخر عمر میں دوسرے لوگوں کی تربیت اور ان کے تردد و انکار کے شبہات کو دور کرنے کے لیے کرامت کا ہونا ضروری ہے"۔ (ص ۲۷۷-۲۷۵)

ولی نبی سے افضل نہیں ہو سکتا' ہاں! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء دیگر امتوں کے اولیاء سے افضل ہیں کیونکہ ولایت دیوار نبوت ہوتی ہے۔ دیوار گئی سایہ بھی گیا۔ اولیاء آفتاب نبوت کے ذرے ہوتے ہیں جب یہ آفتاب غروب ہو گیا تو ذروں کی چمک بھی جاتی رہی۔ چونکہ ہمارا مدینہ والا سورج کبھی غروب نہ ہو گا' لہٰذا دین محمدی کے اولیاء کی چمک کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ (تفسیر نعیمی حصہ دوم)

حدیث قدسی میں اولیاء اللہ کا یہ مقام بھی بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحْبِبْتُہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعُہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرُہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدُہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلُہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا لَاِنْ سَئَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ۔ (مشکوۃ شریف ص ۱۹۷ بخاری)

جب برابر میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے تو میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں--- تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے' اگر مجھ سے سوال کرتا ہے تو ضرور اس کو دیتا ہوں۔

اس حدیث میں خدا کا تقرب حاصل کرنے والوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ برابر نوافل ادا کرتے رہیں جس سے ان کو خدا کا تقرب اور محبوبیت حاصل ہو جاتی ہے اور پھر ان کے تمام اعمال' سننا' دیکھنا' پکڑنا' چلنا' پھرنا وغیرہ سب اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کے اشارے پر صادر ہوتے ہیں۔ یہ اولیاء اللہ کی ہی صفت ہے۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ کے بندوں میں بعض وہ لوگ ہیں جو انبیاء اور شہداء تو نہیں لیکن انبیاء اور شہداء قیامت کے دن ان کے مرتبوں پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا وہ وہی لوگ ہیں جو بغیر کسی قرابت داری اور دنیاوی مال و دولت کے آپس میں اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ پس اللہ کی قسم! بیشک ان کے چہرے منور ہوں گے اور وہ ایک ایسے نور پر ہوں گے کہ ان کو کچھ خوف اور غم نہ ہو گا جس دن لوگ خوف زدہ اور غمگین ہوں گے۔ اس کے بعد حضور نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

(مشکوۃ شریف ص ۴۲۶ بروایت ابو داؤد و شعب الایمان' اشعۃ اللمعات' جلد چہارم ص ۱۳۵ کتاب الاداب)

اولیاء اللہ چونکہ خدا کے محبوب ہیں اس لیے ان کی محبت خدا کی محبت ہے' لہٰذا ان سے بغض' خدا سے بغض کی علامت ہے۔ صحیح حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا کا قول ہے کہ

marfat.com

مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی میں نے اس سے اعلان جنگ کیا۔ (بخاری شریف، مشکوۃ شریف ص ۱۹۷)

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی شان میں گستاخی کرنے والے اور انہیں عام انسانوں جیسا تصور کرنے والے لوگ اس حدیث پاک سے اپنا انجام معلوم کریں اور خوف کھائیں۔

اولیاء اللہ میں ایک مرتبہ مجذوبین کا بھی ہوتا ہے جن کا ظاہری حال نہایت خراب اور معمولی ہوتا ہے مگر اللہ کے یہاں ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جس کی آرزو کرلیں خدا پوری کرے، جو کہہ دیں وہ ہو جائے۔ حدیث ذیل میں انہیں کی طرف اشارہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ اَغْبَرَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ

(مشکوۃ، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء بروایت صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول نقل فرماتے ہیں کہ بہت سے الجھے اور پریشاں زلف، گرد و غبار میں اٹے ہوئے دروازوں سے (بظاہر بدحالی کی وجہ سے) ہٹائے ہوئے (ایسے بھی اللہ کے نیک بندے) ہیں کہ اگر اللہ پر کسی کام کے لیے قسم کھالیں تو اللہ اس کو ضرور پورا کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو اولیاء اللہ فقراء کی شکل میں ژولیدہ بال و بدحال نظر آتے ہیں، ان کی ظاہری حالت پر نہ جانا چاہیے، بلکہ عنداللہ ان کے مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی عزت و توقیر ہی کرنی چاہیے، اگرچہ ہر بدحال اور گلیم پوش ولی ہی نہیں ہوتا مگر ان کی توہین و حقارت میں شدید نقصان کا خطرہ ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اللہ کا اغبر و اشعث ولی ہی ہو، لہٰذا ایسوں کا یا تو اعزاز کرے یا ان کو اپنے حال پر چھوڑ دے۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

------ O ------

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
(اقبال)

مراتب ولایت

مراتب اولیاء کے متعلق اعلیٰ حضرت کا ارشاد الملفوظ میں ہے۔

صلحا، فانبسین، واصلین، اب ان واصلوں کے مراتب ہیں نجباء، نقباء، ابدال، بدلا، اوتاد، امانین، غوث، صدیق، نبی، رسول، تین پہلے سیر الی اللہ کے ہیں، باقی سیر فی اللہ کے اور ولی ان سب کو شامل۔ (الملفوظ حصہ چہارم ص ۲۲ کلاں)

marfat.com

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے دریافت کیا گیا حضور افراد کون لوگ ہوتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

''اجلہ اولیاء کرام سے ہوتے ہیں۔ ولایت کے درجات ہیں' غوثیت کے بعد فردیت--- ایک صاحب اجلہ اولیائے کرام سے تھے کسی نے پوچھا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔ فرمایا: ابھی ابھی مجھ سے ملاقات ہوئی تھی۔ فرماتے تھے میں نے جنگل میں ٹیلے پر ایک نور دیکھا۔ جب میں قریب گیا تو معلوم ہوا کہ وہ کمبل کا نور ہے' ایک صاحب اسے اوڑھے سو رہے ہیں۔ میں نے پاؤں پکڑ کر ہلایا اور جگا کر کہا اٹھو مشغول بخدا ہو' کہا آپ اپنے کام میں مشغول رہیں' مجھے میری حالت پر رہنے دیجئے۔ میں نے کہا کہ میں مشہور کیے دیتا ہوں کہ یہ ولی اللہ ہے۔ کہا میں مشہور کردوں گا کہ یہ حضرت خضر ہیں۔ میں نے کہا میرے لیے دعا کرو' کہا دعا تو آپ ہی کا حق ہے۔ میں نے کہا تمہیں دعا کرنی ہوگی۔ تو فرمایا:

وَفَّرَ اللّٰهُ حَظَّكَ مِنْهُ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ زائد کرے۔

اور کہا اگر میں غائب ہو جاؤں تو آپ ملامت نہ فرمائیے گا اور فوراً نظر سے غائب ہو گئے' حالانکہ کسی ولی کی طاقت نہیں کہ میری نگاہ سے غائب ہو سکے۔ وہاں سے آگے بڑھا۔ اسی طرح کا ایک اور نور دیکھا جو نگاہ کو خیرہ کر رہا تھا۔ قریب گیا تو دیکھا ٹیلے پر ایک عورت کمبل اوڑھے سو رہی ہے۔ وہ اس کے کمبل کا نور ہے۔ میں نے پاؤں ہلا کر ہوشیار کرنا چاہا۔ غیب سے ندا آئی ''اے خضر احتیاط کیجئے''۔ اس بی بی نے آنکھ کھولی اور کہا حضرت نہ رکے یہاں تک کہ رو کے گئے۔ میں نے کہا اٹھ مشغول بخدا ہو۔ کہا حضرت اپنے کام میں مشغول رہیں' مجھے اپنی حالت پر رہنے دیں۔ میں نے کہا تو میں مشہور کیے دیتا ہوں کہ یہ ولی اللہ ہے۔ تو ان بی بی صاحبہ نے کہا میں مشہور کردوں گی کہ یہ حضرت خضر ہیں۔ میں نے کہا میرے لیے دعا کرو۔ کہا دعا تو آپ کا حق ہے۔ میں نے کہا تمہیں دعا کرنی ہوگی۔ کہا:

وَفَّرَ اللّٰهُ حَظَّكَ مِنْهُ۔ اللہ اپنی ذات میں آپ کا نصیبہ زائد کرے۔

پھر اگر میں غائب ہو جاؤں تو ملامت نہ فرمائیے گا۔ میں نے دیکھا یہ بھی جاتی ہے۔ کہا ہاں! یہاں ایک ولیہ کا انتقال ہو گیا تھا' اس کی تجہیز و تکفین کا ہمیں حکم تھا یہ کہا اور میری نگاہ سے غائب ہو گئی--- حضرت خضر علیہ السلام سے ان صاحب نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا: یہ لوگ افراد ہیں۔ میں نے کہا وہ بھی کوئی ہے جس کی طرف یہ لوگ رجوع لاتے ہیں۔ فرمایا: ہاں! شیخ عبد القادر جیلانی (غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں۔ (الملفوظ جلد اول ص ۱۰۲۔۱۰۳)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ غوث کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

بغیر غوث کے زمین و آسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ غوث کا لقب عبد اللہ اور وزیر دست راست عبد الرب اور وزیر دست چپ عبد الملک' اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیر دست راست سے اعلیٰ ہوتا ہے' بخلاف سلطنت دنیا اس لیے کہ یہ قلب ہے اور دل جانب چپ (ہوتا ہے) غوث اکبر اور غوث ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے وزیر دست چپ تھے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزیر دست راست۔ پھر امت میں سب سے پہلے درجہ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المومنین فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم وزیر ہوئے' پھر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت عنایت ہوئی اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ وزیر ہوئے۔ پھر حضرت مولیٰ علی کو دو امامین محترمین (امام حسن و حسین) رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے' پھر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام

marfat.com

حسن عسکری تک، یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب ان کے نائب ہوئے۔ ان کے بعد سیدنا غوث اعظم مستقل غوث۔ آپ تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔ آپ غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی۔ آپ کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی تک سب نائب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے، پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت کبریٰ عطا ہوگی۔

غوث کے انتقال کے بعد غوث کی جگہ امامین سے غوث کر دیا جاتا ہے اور امامین کی جگہ اوتاد اربعہ سے اور اوتاد کی جگہ بدلا سے، بدلا کی جگہ پر ابدال سبعین (ستر) سے، اور ان کی جگہ تین سو نقباء سے، پھر اولیاء سے، اولیاء کی جگہ عامہ مومنین سے کر دیا جاتا ہے اور کبھی بلالحاظ ترتیب کافر کو مسلمان کر کے مدل کر دیتے ہیں۔ ان کا مرتبہ ابدال سے زیادہ ہے۔

اولیاء کی پہچان

ولی کی سب سے بڑی پہچان حدیث میں یہ بتائی گئی ہے:

اِذَا رُأُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ۔ جب ان کو دیکھا جائے تو خدا یاد آئے۔

ایک اور حدیث میں جو اوپر گزری یہ بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام سے کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر آسمان میں اعلان کرتے ہیں کہ فلاں بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو--- پھر اس کی قبولیت و محبوبیت کا چرچا زمین والوں میں کر دیا جاتا ہے اور اہل زمین اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ (مشکوۃ ص ۴۲۵)

نگاہ ولایت

اولیاء اللہ کا علم اور ان کی نظر عام انسانوں کے علم و نظر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ کیوں نہ ہو جبکہ وہ خدا کی آنکھ سے دیکھتے ہیں جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا۔

حضرت امام غزالی "کیمیائے سعادت" میں منصب نبوت سمجھاتے ہوئے عوام و خواص میں تین فرق بیان فرماتے ہیں۔ اول یہ کہ عوام جو خواب میں دیکھتے ہیں خاصان خدا بیداری میں دیکھتے ہیں! دوم یہ کہ عوام کے علوم اسناد کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور خاصان خدا کو رب جلیل بلاواسطہ خود علم عطا فرماتا ہے۔ سوم یہ کہ عوام کا نفس صرف اپنے ہی اوپر اثر کرتا ہے خاصان خدا کا نفس دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے، دوسروں کے دل دنیا بدل دیتا ہے، سیاہ دلوں کو روشن کرتا ہے اور معرفت الٰہی کا گنجینہ بنادیتا ہے۔ حضرت آسی علیہ الرحمہ نے اپنے اس شعر میں اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

ہمت شیخ کی صیقل کی بدولت آسی
یہ ہی دل آئینہ روئے خدا ہوتا ہے

(از افادات حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ)

غرض! اولیاء اللہ کی نگاہیں بہت تیز اور دور بین ہوا کرتی ہیں۔ حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ خود ارشاد فرماتے ہیں:

marfat.com

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ اتِّصَالِ

(یعنی میں نے خدا کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھ لیا جیسے چند رائی کے دانے ملے ہوئے ہوں)

حضور اعلیٰ حضرت قدس سرہ اولیاء کی نگاہ کرامت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پہلی بار کی حاضری (مکہ و مدینہ طیبہ) میں منیٰ شریف کی مسجد میں مغرب کے وقت حاضر تھا۔ اس وقت میں وظیفہ بہت پڑھا کرتا تھا اب تو بہت کم کر دیا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ میں اپنی حالت وہ پاتا ہوں جس میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ سنتیں کبھی نہ چھوڑیں، نفل البتہ اسی روز سے چھوڑ دیئے ہیں۔ خیر جب سب لوگ مسجد سے چلے گئے تو مسجد کے اندرونی حصہ میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبلہ رو وظیفہ میں مشغول ہیں۔ میں صحن مسجد میں دروازہ کے پاس تھا اور کوئی تیسرا مسجد میں نہ تھا۔ یکایک ایک آواز گنگناہٹ کی سی مسجد کے اندر معلوم ہوئی جیسے کہ مکھی بولتی ہے۔ فوراً میرے قلب میں یہ حدیث آئی۔ اہل اللہ کے قلب سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسے شہد کی مکھی بولتی ہے۔ میں وظیفہ چھوڑ کر ان کی طرف چلا کہ ان سے دعائے مغفرت کراؤں۔ کبھی میں کسی بزرگ کے پاس بحمد اللہ تعالیٰ دنیاوی حاجت لے کر نہ گیا، جب گیا تو اسی خیال سے کہ ان سے دعائے مغفرت کراؤں گا۔ غرض دو ہی قدم ان کی طرف چلا تھا کہ ان بزرگ نے میری طرف منہ کر کے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ ھٰذَا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ ھٰذَا۔ اے اللہ میرے اس بھائی کی مغفرت فرما۔ (الخ)

میں نے سمجھ لیا کہ فرماتے ہیں ہم نے تیرا کام کر دیا اب تو ہمارے کام میں مخل نہ ہو، میں ویسے ہی لوٹ آیا۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ اسی قسم کا بیان فرمایا۔

بریلی میں ایک مجذوب، بشیر الدین صاحب اخوند زادہ کی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ جو کوئی ان کے پاس جاتا پچاس گالیاں کم سے کم سناتے۔ مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق ہوا۔ میرے والد ماجد (علامہ شاہ مفتی محمد تقی علی خاں صاحب قدس سرہ ۱۲۹۷ھ) کی ممانعت کہ کہیں باہر بغیر آدمی کے ساتھ لیے نہ جانا۔ ایک روز رات کو گیارہ بجے اکیلا ان کے پاس پہنچا اور فرش پر جا کر بیٹھ گیا۔ وہ حجرہ میں چارپائی پر بیٹھے تھے۔ مجھ کو بغور پندرہ بیس منٹ تک دیکھتے رہے، آخر مجھ سے پوچھا صاحبزادے تم مولوی رضا علی خاں صاحب کے کون ہو؟ میں نے کہا میں ان کا پوتا ہوں۔ فوراً وہاں سے جھپٹے اور مجھ کو اٹھا کر لے گئے اور چارپائی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: آپ یہاں تشریف رکھئے۔ پوچھا کس مقدمہ کے لیے آئے ہو۔ میں نے کہا مقدمہ تو ہے لیکن میں اس لیے نہیں آیا ہوں، میں تو صرف دعائے مغفرت کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ قریب آدھے گھنٹے تک برابر کہتے رہے "اللہ کرم کرے، اللہ رحم کرے، اللہ کرم کرے، اللہ رحم کرے"۔ اس کے بعد میرے منجھلے بھائی (مولانا حسن رضا خاں صاحب مرحوم ان کے پاس مقدمہ کی غرض سے حاضر ہوئے۔ ان سے خود ہی پوچھا کیا مقدمہ لے کر آئے ہو۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا مولوی صاحب سے کہنا قرآن شریف میں یہ بھی تو ہے "نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ" بس دوسرے ہی دن مقدمہ فتح ہو گیا۔ (الملفوظ شریف جلد چہارم ص ۵۰ تا ۵۱)

امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی نزع کا جب وقت آیا تو شیطان آیا کہ اس وقت شیطان پوری جان توڑ کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح اس کا ایمان سلب ہو جائے۔ اگر اس وقت پھر گیا تو پھر کبھی نہ لوٹے گا۔ اس نے ان سے پوچھا کہ تم نے عمر بھر مناظروں، مباحثوں میں گزارا، خدا کو بھی پہچانا۔ آپ نے فرمایا: بے شک خدا ایک ہے۔ اس نے کہا اس پر کیا دلیل؟ آپ نے

marfat.com

تصنیف : علامہ محمد زاہد الکوثری المصری ۱۲۹۶ھ / ۱۳۷۱ھ
ترجمہ : از ادارہ المجمع الاسلامی، مبارکپور

وسیلہ

دلائل کی روشنی میں

علامہ محمد زاہد الکوثری ماضی قریب کی وہ عظیم شخصیت ہیں جو محض اخلاص کی بنیاد پر دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ سلف صالحین کی ایک ایسی یادگار تھے جنہوں نے علم دین کو کبھی ذریعہ معاش نہ بنایا، بلکہ یہی علم دین ان کا اصل مقصد حیات رہا اور اس سے اعلیٰ مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱۲۹۶ھ میں ترکی کے مشہور شہر آستانہ میں آپ پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ ترکی الاصل ہوتے ہوئے بھی آپ کی تمام تر علمی سرگرمیاں عربی زبان میں ظہور پذیر ہوئیں---۲۸ سال کی عمر میں علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اس کے بعد ہی تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا اور بہت جلد میدان تدریس کے ایک ممتاز شہسوار کی حیثیت سے متعارف ہوئے۔ ترکی حکومت کے امور دینیہ کے صدر مقرر ہوئے اور اس منصب کی عظیم ذمہ داریوں کو ایک مدت تک انجام دیا۔

پھر ترکی سے مصر کی طرف ہجرت کی، مصر سے شام اور پھر شام سے قاہرہ واپس آ گئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ترکی، شام اور مصر میں جہاں بھی آپ کا قیام رہا آپ طلبہ اور خلائق کے مرجع رہے۔ قاہرہ یونیورسٹی کے "کلیتہ الحقوق" کی طرف سے استاذ کے منصب کے لیے آپ کو پیشکش ہوئی مگر آپ نے اپنی ناتوانی اور ضعف کے باعث قبول نہ فرمایا۔ اسی کلیہ کے ایک عظیم استاذ "محمد ابو زہرہ" علامہ محمد زاہد الکوثری کی علمی شخصیت سے بے پناہ متاثر تھے۔ استاذ ابو زہرہ نے اپنی ایک تعارفی تحریر میں علامہ محمد زاہد الکوثری کو ۱۲ مقامات پر "امام" سے یاد کیا ہے اور ایک مقام پر تو ان کو "مجدد" بھی لکھا ہے۔

۱۳۷۱ھ میں قاہرہ میں وفات پائی۔ متعدد علمی اور تحقیقی یادگاریں چھوڑیں۔ "مُحِقُّ التَّقَوُّلِ فِیْ مَسْئَلَةِ التَّوَسُّلِ" حضرت علامہ کوثری کا وہ بے نظیر رسالہ ہے جس میں پر زور دلائل کے ساتھ وسیلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے۔ اسے ایک عرب عالم شیخ محمد رشید نے ادارہ المجمع الاسلامی کو پیش کی اور ساتھ ہی اس کے ترجمہ کی فرمائش کی۔

marfat.com

اس موضوع پر ایک ایسے عالم کی تحقیق جس کی خدمات کا دائرہ کئی ملکوں پر پھیلا ہوا ہو اور جو علمی دنیا میں سند کی حیثیت رکھتا ہو ظاہر ہے کہ یہ غیر معمولی علمی افادیت کی حامل ہوگی۔ اسی مقصد کے پیش نظر یہ تحقیق پیش کی جارہی ہے۔

(ادارہ المجمع الاسلامی مبارکپور' اعظم گڑھ (یو پی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَصَلٰوتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلٰی سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ٥

مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ پایا جاتا ہے جو سارے مسلمانوں کو اس جرم میں کافر قرار دیتا ہے کہ وہ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور بزرگوں کا وسیلہ لاتے ہیں۔

اس طرح گویا جمہور مسلمین بت پرستی کا شکار ہیں۔ (معاذ اللہ) اس لیے میں نے مناسب خیال کیا کہ وسیلہ کے بارے میں ائمہ اسلام کی رائیں پیش کروں کیونکہ انہیں حضرات کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ توحید' شرک اور بت پرستی کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکیں اور ہر ایک کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر کے دکھادیں۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اس بات کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق کتاب و سنت کے دلائل پیش کر دیئے جائیں اس طرح یہ مختصر رسالہ تیار ہو گیا جسے "محق التقول فی مسئلة التوسل" کے نام سے شائع کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے ہم گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ وسیلہ کے بارے میں ایک طبقہ کا مزاج یہ ہے کہ اس کو وہ اتنا بڑا جرم سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کے سبب مشرک قرار دیتے ہیں۔

اس مسئلہ میں اس طبقہ نے جو دلیلیں پیش کی ہیں وہ حد درجہ لچر اور کمزور ہیں۔ اس کے برعکس وسیلہ کے حق ہونے کے جو دلائل ہیں وہ نہایت روشن اور واضح ہیں۔

ان لوگوں کی باتوں میں سچائی کہاں سے ہو سکتی ہے' ان کے خلاف کتاب و سنت کے بھی دلائل ہیں' عقلی دلیلیں بھی اور امت کا متوارث عمل بھی۔

کتاب اللہ

قرآن کہتا ہے:

وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ (مائدہ: ۳۵) خدا کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

وسیلہ شخصیتوں کا بھی ہو سکتا ہے اور عمل صالح کا بھی اور لفظ وسیلہ اپنے عموم کے باعث دونوں کو شامل ہے' بلکہ شریعت میں اس سے شخصیتوں ہی کا وسیلہ پہلے سمجھ میں آتا ہے پھر اس سلسلے میں یہ کہنا کہ صرف زندہ شخصیت کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے' یہ اس کا عقیدہ ہو سکتا ہے جس کا خیال ہو کہ روحیں جسموں سے جدا ہونے کے بعد فنا ہو جاتی ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حشر و نشر

marfat.com

بھی کوئی چیز نہیں اور روحوں کے جسموں سے جدا ہو جانے کے بعد ان کے احساسات وادراکات بھی فنا ہو جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات شرعی دلیلوں کے سراسر خلاف ہے۔

یہ جو کہا گیا کہ آیت مذکورہ میں لفظ وسیلہ شخصیتوں سے وسیلہ لینے کو بھی شامل ہے' یہ محض کسی عامی کی رائے نہیں اور نہ ہی ایسا ہے کہ صرف وسیلہ کے لغوی عموم سے اسے اخذ کر لیا گیا ہے بلکہ یہ معنی حضرت فاروق اعظم سے بھی منقول ہے۔ بارش کے لیے دعا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ لیا اور یہ الفاظ استعمال کیے۔

هٰذَا وَاللّٰهِ الْوَسِيْلَةُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔

بخدا! یہ عباس رضی اللہ عنہ کے حضور وسیلہ ہیں۔

سنت

(۱) حضرت عثمان بن حنیف سے مروی ہے۔

يَا مُحَمَّدُ! اِنِّيْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ۔

اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو بذات خود یہ الفاظ بتائے۔۔۔ ظاہر ہے اس میں شخصیت کا وسیلہ ہے عمل کا نہیں۔ اس حدیث کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر کوئی دوسرا معنی نکالنا ہوائے نفس کی پیروی میں تحریف کلمات کا ارتکاب کہلائے گا۔

رہی یہ بات کہ نابینا صحابی کی دعا کی مقبولیت حضور کے دعا کر دینے سے ہوئی (جس کا روایت میں کوئی ذکر نہیں) یا خود انہیں صحابی کے دعا کرنے سے ہوئی۔ یہ ہماری بحث سے الگ بات ہے۔ ہماری دلیل تو صرف حضور سے مروی یہ دعا ہے۔ اس روایت پر کوئی نقد بھی نہیں کر سکتا' کیونکہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل ہم آگے دے رہے ہیں۔

(۲) حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْاَنْبِيَاءِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِيْ۔

اے رب! یہ دعا قبول فرما' اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے۔

اس حدیث کے سارے راوی علاوہ روح بن صلاح کے ثقہ اور معتبر ہیں۔ روح بن صلاح کے بارے میں حاکم نے فرمایا ہے۔۔۔ "یہ معتبر اور ثقہ ہیں"۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقہ و معتبر راویوں میں شمار کیا ہے۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ وسیلہ میں زندوں اور مردوں کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اس روایت میں صاف لفظوں میں انبیاء کے جاہ و منزلت سے وسیلہ موجود ہے۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ آئے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِيْنَ عَلَيْكَ۔

اے اللہ! سوال کرنے والوں کا تیرے یہاں جو حق ہے اس کے وسیلہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

اس میں سارے ہی مسلمانوں کا وسیلہ ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن موفق ابن مرزوق سے روایت کرتے ہیں اپنی سند کے اندر منفرد نہیں۔ ساتھ ہی ابن مرزوق صحیح مسلم کے راویوں میں سے ایک ہیں اور

marfat.com

دوسرے راوی عطیہ کی کئی روایتوں کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

انبیاء و صلحاء خواہ زندہ ہوں یا وصال کر چکے ہوں' ان کا وسیلہ لانا ہر دور میں امت مسلمہ کا وطیرہ اور طریقہ رہا ہے۔

(۴) استسقاء (بارش کی دعا) کے سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ ہیں۔

وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا۔ اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔

یہ الفاظ واضح کرتے ہیں کہ صحابہ نے خود صحابہ کا وسیلہ لیا ہے۔ اس روایت میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت کا وسیلہ عیاں ہے۔

یہ جملہ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے لیکن انشائے توسل کے لیے لایا گیا ہے اور یہ توسل حضرت عباس سے ہے۔ جملہ خبریہ کا دو ہی مقصد ہوا کرتا ہے' ایک تو یہ کہ مخاطب کو علم نہیں' مخبر اسے باخبر کرنا چاہتا ہے جیسے کوئی کہے میں کل تمہارے گھر گیا تھا مگر تم موجود نہ تھے--- دوسرے یہ کہ مخاطب تو جانتا ہے مگر مخبر اسے یہ بتانا چاہتا ہے کہ میں بھی جانتا ہوں' جیسے کوئی کہے کل تم میرے یہاں آئے تھے مگر مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی اور حضرت عمر کے قول (اے خدا! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں) میں خبر کے دونوں ہی معنی ممکن ہیں۔ اس لیے کہ رب تعالیٰ ان کے وسیلہ لانے کو بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ اپنے توسل سے واقف ہیں۔ اس لیے حضرت عمر کی اس دعاء سے انشائے توسل اور حضرت عباس کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ لانا ہی مقصود ہے۔

اور حدیث کے ٹکڑے کُنَّا نَتَوَسَّلُ میں بھی وہی کچھ ہے جو پہلے جملہ میں ہے۔ اس کے علاوہ صحابی کا قول "کُنَّا نَفْعَلُ کَذَا"--- ہم ایسا ہی کرتے ہیں--- اس مذکورہ قول کے زمانہ سے پہلے زمانہ میں کسی فعل کے ہونے کو بتاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کرام' حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں بھی اور رفیق اعلیٰ سے جاملنے کے بعد بھی عام رمادہ تک آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے--- اس لیے کسی کا یہ کہنا کہ یہ وسیلہ حضور کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا' یہ خواہشات نفسانی کی پیروی اور الفاظ حدیث کی تحریف اور تاویل بلادلیل ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد میں استسقاء کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بجائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ لیا' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے نزدیک انبیاء سے ان کی وفات کے بعد وسیلہ لینا جائز نہیں' تو ہم یہ کہیں گے کہ یہ مطلب کسی طرح اس حدیث سے اخذ نہیں ہوتا--- بلکہ یہ ایک ناکام کوشش اور ناممکن خیال ہے۔ اس قائل نے حضرت عمر کی طرف ایسی چیز منسوب کر دی ہے جو ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں' ان کی زبان سے ایسے خیال کا اظہار تو بہت دور کی بات ہے۔

ایسا مطلب بتانا اپنی رائے سے ایک صحیح اور صریح حدیث کو لغو اور باطل ٹھہرانے کا مصداق ہوگا۔

ہاں! حضرت عمر کے اس عمل سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لایا جا سکتا ہے اسی طرح آپ کے زندہ رشتہ داروں کا بھی وسیلہ لانا جائز اور درست ہے۔ استیعاب از ابن عبد البر میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ---

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں عام رمادہ ۱۷ھ کے اندر سخت قحط سالی ہوئی۔ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر سے عرض کیا' امیر المومنین! بنی اسرائیل جب اس طرح کی قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کے رشتہ داروں کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا کرتے۔ حضرت عمر نے فرمایا--- اچھا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

marfat.com

وسلم کے چچا' آپ کے والد کے بھائی اور بنو ہاشم کے سردار حضرت عباس موجود ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت عمر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے قحط سالی کا شکوہ کیا۔

کیا اب بھی واضح نہ ہوا کہ حضرت عمر کا حضرت عباس کی شخصیت کا وسیلہ لانا' اس لیے نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (معاذ اللہ) مردہ ہیں' پکار کو سنتے نہیں اور خدا کے یہاں ان کا کوئی مرتبہ نہیں؟ معاذ اللہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ ایک بڑا بہتان ہوگا۔

(۵) مالک دار سے مروی حدیث ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک مرتبہ قحط پڑا۔ حضرت بلال بن حارث نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور اس طرح عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کریں۔ لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ حضرت بلال بن حارث کو خواب میں زیارت نصیب ہوئی۔ حضور نے ان سے فرمایا عمر کے پاس جاؤ۔ ان سے سلام کہو اور بشارت دے دو کہ اب بارش ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد آپ کا وسیلہ لانا اس حدیث سے اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ابن ابو شیبہ نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری' ابن حجر عسقلانی ص ۹)

(۶) حضرت عثمان بن حنیف کی مذکورہ حدیث' جس میں خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دعائے حاجت کی تعلیم فرمائی--- حضرت عثمان بن حنیف کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک کام تھا۔ اس روایت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا وسیلہ لایا گیا ہے' جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کو طبرانی نے صحیح قرار دیا ہے اور ابو الحسن ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کیا ہے' جس کی قدرے تفصیل آگے آ رہی ہے۔

محدث کبیر محمد عابد سندی نے وسیلہ سے متعلق روایات و احادیث کو ایک خاص جزء میں جمع کیا ہے۔ یہ مجموعہ بہت جامع اور کافی و شافی ہے۔

امت کا دستور عمل

آغاز اسلام سے اب تک ہر زمانہ میں انبیاء و صلحاء کا وسیلہ لینا امت مسلمہ کا دستور رہا ہے۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں اتنا کچھ موجود ہے' جس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) "مناسک امام احمد" میں خدا کی بارگاہ میں' نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وسیلہ لینے سے متعلق ابو بکر مروزی کی روایت موجود ہے۔

(۲) شیخ حنابلہ ابو الوفا ابن عقیل نے "تذکرہ" میں مذہب حنابلہ کے مطابق سرکار سے توسل کا طویل الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

(۳) ہم نے "السیف الصقیل" کے تکملہ میں ان کے الفاظ بیان کر دیئے ہیں۔

(۴) امام شافعی کا امام ابو حنیفہ کا وسیلہ لانا صحیح سند کے ساتھ تاریخ خطیب کے شروع میں مذکور ہے۔

(۵) حافظ عبد الغنی مقدسی حنبلی نے اپنے لاعلاج پھوڑے سے شفایابی کے لیے امام احمد کی قبر پر ہاتھ پھیرا۔

حافظ ضیا مقدسی نے اپنے استاذ موصوف سے سن کر اپنی کتاب "الحکایات المنثورہ" میں یہ واقعہ قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب آج بھی "ظاہریہ" دمشق میں موجود ہے اور لطف یہ کہ خود مولف کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔

marfat.com

کیا یہ اکابر اسلام قبر پرست تھے۔

عقل

امام فخرالدین رازی' علامہ سعدالدین تفتازانی' علامہ سید شریف جرجانی اور ان جیسے بڑے بڑے ائمہ اسلام جن سے مشکل مسائل کا حل لیا جاتا ہے' یہ حضرات انبیاء و صلحاء خواہ زندہ ہوں یا دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں' ان سے وسیلہ لینا جائز قرار دیتے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد کون ہو گا جو ان حضرات کو شرک کا داعی اور قبر کا پجاری قرار دے گا' جبکہ واقعہ یہ ہے کہ امت مسلمہ نے ایمان و کفر اور توحید و دین کو انہیں حضرات سے سیکھا ہے۔ یہ بھی سب کے نزدیک مسلم ہے کہ دراصل ساری مدد مسبب الاسباب ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

اب اس مسئلہ میں ان عظیم شخصیتوں کے اقوال انہیں کے الفاظ میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

جو روحیں جسمانیات سے پاک ہو چکی ہیں اور جسموں کی تاریکی سے آزاد ہونے کے بعد عالم بالا سے مل جانے کا شوق رکھتی ہیں' وہ روحیں عالم قدس اور عالم ملائکہ میں پہنچتی ہیں۔ ایسی روحوں کے اثرات اس دنیا کے حالات کے سلسلہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ مدبرات امر (کاروبار عالم) کی تدبیر کرنے والی ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک شخص اپنے استاذ کو خواب میں دیکھتا ہے اور اپنی کوئی مشکل اس کے سامنے رکھتا ہے اور وہ استاذ اس کی مشکل کا حل پیش کر دیتا ہے۔

(۲) نیز امام رازی "المطالب العالیہ"--- یہ کتاب 'اصول دین کی اہم اور مفید ترین کتاب ہے' کے مقدمہ ثالثہ کتاب سابع کی دسویں فصل میں فرماتے ہیں--- انسان کبھی کبھی اپنے ماں باپ کو خواب میں دیکھتا ہے اور ان سے بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہے اور وہ لوگ اس کو صحیح جوابات دیتے ہیں اور کبھی تو وہ ایسے دفینہ کی خبر دیتے ہیں جس کا کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔

(۳) پھر آگے فرماتے ہیں--- اپنے بچپن میں جب میں زیر تعلیم تھا' اس وقت یہ بحث پڑھتا "حوادث لا اول لھا" واقعات جن کا آغاز نہیں۔ میں اس بحث کو سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں--- اس بحث کی بہترین دلیل یہ ہے کہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کو حرکت کہتے ہیں۔ اس طرح حرکت کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہو اور ازل کا تقاضا ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود نہ ہو۔ اس طرح دونوں کا ایک ساتھ وجود میں آنا لازماً محال ہو گا۔

پھر مصنف اس دلیل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اب تک جو کچھ بھی کہا گیا ہے ان میں سب سے بہتر یہ دلیل ہے۔

(۴) میں نے سنا ہے کہ فردوسی نے جب سلطان محمود سبکتگین کے نام پر اپنا مشہور شاہ نامہ مرتب کیا اور سلطان نے اس کا صلہ ادا نہ کیا' تو اس کے اندر ایک طرح کی بددلی پیدا ہو گئی۔ وہ اس کشمکش میں تھا کہ اس نے "رستم" کو خواب میں دیکھا۔ رستم اس سے کہہ رہا ہے تم نے اس کتاب میں میری بڑی تعریف کی ہے اور میں مردہ ہوں تم کو صلہ نہیں دے سکتا۔ ہاں! میں تمہیں ایک جگہ دفینہ کی نشاندہی کرتا ہوں' تم وہاں جا کر وہ خزانہ لے لینا--- اس کے بعد فردوسی کہا کرتا تھا "مردہ رستم زندہ محمود سے کہیں زیادہ کریم ہے"۔

marfat.com

(۵) امام رازی اسی مقالہ ثالثہ کی پندرہویں فصل میں دلیلیں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں--- اس سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس میں چیزوں کے معلوم کرنے کی قوت باقی رہتی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم اصول ہے جس سے علم المعاد' حشر و نشر کے بارے میں استفادہ کیا جاسکتا ہے---

(٦) امام رازی اسی مقالہ کی اٹھارہویں فصل میں فرماتے ہیں--- یہ اٹھارہویں فصل اموات و قبور کی زیارت سے استفادہ کے بیان میں ہے۔

پھر فرماتے ہیں--- اس مسئلہ کے بارے میں ایک عظیم سلطان بادشاہ محمد بن سام بن حسین غوری نے مجھ سے پوچھا' یہ بادشاہ اچھے اخلاق و سیرت کا حامل تھا۔ اہل علم اور اہل دین و دانش سے اس کو گہرا لگاؤ تھا۔ اس نیک دل بادشاہ کے جواب میں میں نے ایک رسالہ لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

اس بحث کے چند مقدمات ہیں۔

پہلا مقدمہ

اس کی دلیل ہم قائم کر چکے کہ جسموں کے مرنے کے بعد ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں--- اور یہ روحیں ان روحوں سے جو ابھی جسموں میں ہیں' بعض حیثیتوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں اور بعض چیزوں میں یہ جسموں والی روحیں زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ جسموں سے آزاد روحیں اس طرح زیادہ طاقتور ہوتی ہیں کہ یہ روحیں جب اپنے جسموں سے جدا ہوگئیں تو ان کا پردہ ہٹ گیا۔ اور ان کے لیے عالم غیب اور منازل آخرت کے سربستہ راز کھل گئے اور ایسے بہت سے علوم جو دلائل سے معلوم ہوتے تھے اب ان روحوں کو یہ علوم بداہت اور مشاہدہ سے معلوم ہونے لگے کیونکہ یہ روحیں جب تک جسموں میں تھیں' تو وہ گویا ایک برتن میں بند تھیں' جب بدن کی قید سے آزاد ہوگئیں تو ان میں ایک خاص قسم کی چمک اور درخشندگی پیدا ہوگئی۔ اس طرح ان آزاد ہونے والی روحوں کے اندر ایک خوبی اور کمال پیدا ہوگیا اور جسموں سے وابستہ روحیں اس اعتبار سے زیادہ طاقتور ہیں کہ فکر و نظر کے ذریعہ اکتساب و طلب کے آلات ان روحوں کے ساتھ وابستہ ہیں اور وہ روحیں ہر روز ایک نیا تجربہ حاصل کرتی ہیں اور جسموں سے آزاد روحوں کو یہ چیزیں میسر نہیں۔

دوسرا مقدمہ

روحوں کا اپنے جسموں سے شدید عشق اور کامل محبت جیسا تعلق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جو چیز بھی حاصل کی جاتی ہے وہ صرف اس لیے حاصل کی جاتی ہے کہ اس سے جسم کو آرام' راحت اور فائدہ حاصل ہوگا--- جب انسان مرجاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو یہ میلان و رجحان اپنی جگہ باقی رہتا ہے اور روح کا جسم سے جو عشق تھا وہ بھی بحال رہتا ہے اور پھر اس روح کا اپنے بدن کی طرف میلان اور جھکاؤ اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی بنیاد ہمارا ثابت کردہ وہ نظریہ ہے جس میں وضاحت کی گئی ہے کہ نفس ناطقہ جزئیات کا ادراک کرتا ہے اور نفس ناطقہ اپنے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد بھی اپنے اندر ادراک کی قوت باقی رکھتا ہے۔

ان مقدمات کی وضاحت کے بعد عرض ہے کہ جب انسان ایک طاقتور اور باا ثر روح والے انسان کی قبر پر جاتا ہے اور وہاں تھوڑی دیر کے لیے رکتا ہے تو اس کا نفس اس تربت سے اثر پذیر ہوتا ہے--- اور پہلے بتایا جاچکا کہ اس میت کی روح کا اس تربت

marfat.com

سے ہمیشہ تعلق قائم رہتا ہے۔ ایسے میں ان دونوں کے یکجا جمع ہونے سے اس زیارت کرنے والے شخص کو اس صاحب قبر سے ایک طرح کی ملاقات ہوتی ہے اور یہ دونوں روحیں ان دو صاف وشفاف آئینے کی طرح ہو جاتی ہیں' جو اس طرح رکھے گئے ہوں کہ شعاعیں چھن کر ایک دوسرے کو پہنچ رہی ہوں۔ اللہ کے لیے خشوع وخضوع اور اس کے فیصلے پر راضی ہونے کے باعث جو علوم و معارف اور اخلاق فاضلہ اس زائر کو ملتے ہیں' اس سے ایک نور نکل کر اس میت کی روح تک پہنچتا ہے اور اسی طرح اس میت کو جو روشن علوم حاصل ہوتے ہیں ان سے ایک نور نکل کر اس زائر کی روح تک پہنچتا ہے اور اس طرح زیارت کرنے والے اور صاحب قبر کی روحوں کو اس زیارت سے ایک عظیم نفع اور زبردست سرور نصیب ہوتا ہے۔ یہی زیارت قبر کے مشروع ہونے کا اصلی سبب ہے۔

اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس سے بھی کچھ زیادہ رازہائے سربستہ حاصل ہوتے ہوں' جن کا صحیح علم صرف وحدہ لاشریک کے پاس ہے۔

یہ امام فخرالدین رازی کا نظریہ ہے' جس میں انہوں نے واضح فرمایا کہ زیارت میں زائر اور صاحب قبر کے مراتب کے تناسب سے اخذ واستفادہ اور عطاوافادہ کا سلسلہ باہم پایا جاتا ہے۔

(۷) علامہ محقق سعد الدین تفتازانی "شرح المقاصد" کی دوسری جلد ص ۴۳ پر فلاسفہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں (یہ کتاب اصول عقائد کی بنیادی کتابوں میں ہے)

فلاسفہ کے یہاں جزئیات کے ادراک کے لیے آلات وذرائع میں صورت کا حاصل ہونا شرط ہے۔

جب بات یہ ٹھہری تو روح کے جسم سے جدا ہو جانے اور ذرائع و آلات کے ناپید ہو جانے کے بعد نفس میں جزئیات کے لیے قوت ادراک باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا۔

ہم جواب دیں گے ہمارے یہاں جزئیات کے ادراک کے لیے آلات وذرائع شرط نہیں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ادراک نفس میں یا حواس میں حصول صورت کا نام نہیں یا پھر اس لیے کہ جزئی کی صورت کا نفس میں مرتسم ہونا محال نہیں--- بلکہ اسلامی اصول سے تو یہی ظاہر ہے کہ جسم کے روح سے جدا ہو جانے کے بعد بھی روح کو جزئی قسم کے ادراکات اور زندوں کے حالات کے جزئیات پر اطلاع ہوتی ہے۔ خصوصاً میت کا جن سے تعارف اور لگاؤ ہوتا ہے ان کے حالات سے اس میت کو آگاہی ہوتی ہے اسی لیے زیارت قبور سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے اور بھلائیوں کے حصول اور مصیبتوں کے ازالہ کے سلسلے میں وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے مدد بھی لی جاتی ہے۔ اس لیے روح کے جسم سے جدا ہو جانے کے بعد اس جسم اور خاک سے جہاں یہ جسم مدفون ہوا ہے' ایک طرح کا تعلق باقی رہتا ہے۔

جب یہ زیارت کرنے والا اس خاک پر آتا ہے اور اس کی روح اس صاحب قبر کی روح کے قریب آتی ہے' تو دونوں روحوں کے درمیان ایک قسم کی ملاقات اور فائدہ رسانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس مسئلہ میں علامہ تفتازانی کی یہ تحقیق ہے۔ کیا علامہ تفتازانی بھی ان لوگوں میں سے ہو سکتے ہیں جو توحید اور شرک کے درمیان تمیز نہیں رکھتے؟ ایسا خیال رکھنے والے ذہن کا برا ہو۔

(۸) مزید علامہ تفتازانی اسی جلد کے ص ۱۵۰ پر رقم طراز ہیں۔

الحاصل! اولیائے کرام سے کرامات کا ظہور تقریباً اسی قدر ہے جتنا کہ انبیائے کرام سے معجزات کا ظہور ہوا ہے۔

بدمذہب اگر اس کا انکار کرتے ہیں تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں' کیونکہ انہوں نے عبادت کے کاموں کی بجاآوری اور

marfat.com

برائیوں سے اجتناب میں سرگرمی و کوشش کے باوجود نہ تو اپنے اندر کسی کرامت کا مشاہدہ کیا' نہ اپنے کو برتر و بالا سمجھنے والے اپنے پیشواؤں کے بارے میں ایسا کچھ سنا اس لیے سرے سے کرامات اولیاء ہی کا انکار کر بیٹھے اور ان کی بدگوئی اور غیبت پر اتر آئے۔ صالحین کی کھال چاک چاک کرنا اور ان کا گوشت چبانا ہی مشغلہ بن گیا۔ ان کو جاہل صوفیہ کے لقب سے یاد کرنا اور ان کو اہل بدعت میں شمار کرنا ہی شیوہ ٹھہرا۔ یہ اپنی مسلسل غیبت گوئی کی وجہ سے اس مثل کے مصداق ہیں او سعتھم ستا واودوا بالابل ۔ انہیں پتہ نہیں کہ حصول کرامت کی بنیاد' عقیدہ کی درستی' باطن کی صفائی' طریقت کی پیروی اور حقیقت کی برگزیدگی پر قائم ہے۔

اولیائے کرام کے سلسلہ میں یہ اس محقق کا ارشاد ہے جن کا تصوف سے تعلق نہ تھا--- اولیائے کرام کی آبروریزی کرنے والوں کے لیے اس بیان میں عبرت کا سامان موجود ہے۔

(۹) علامہ سید شریف جرجانی حاشیہ "مطالع" میں فرماتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کتابوں کے شروع میں درود لکھنے اور فیض یابی کے لیے عظیم ہستیوں کا وسیلہ لینے کی وجہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں--- اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ بڑی شخصیتوں کا وسیلہ بس ان کی ظاہری زندگی ہی تک محدود ہے' ان کے جسموں سے روحوں کے رخصت ہونے کے بعد توسل کی گنجائش نہیں۔

تو ہم جواب دیں گے توسل اور فیض یابی کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ پاکیزہ ہستیاں اس دنیا کے اندر اپنے جسموں سے تعلق قائم رکھتے ہوئے اپنی زبردست ہمت و عزیمت کے ساتھ ناقص افراد کی تکمیل میں مصروف رہ چکی ہوں۔ بعد وفات بھی ان کے اندر اس کا اثر باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مزارات کی زیارت زائرین کے لیے منبع انوار ثابت ہوتی ہے--- جس کا اصحاب نظر مشاہدہ بھی کرتے ہیں۔

غرض! اس مسئلہ میں کتاب و سنت' عمل امت' دستور مسلمین اور ائمہ دین سب متفق و متحد ہیں۔ اس کے باوجود جو انکار و عناد پر آمادہ ہو وہ راہ حق سے منحرف ہے۔

اب ہم ذیل میں اس سلسلہ کی احادیث و روایات پیش کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے آیات وسیلہ کا مفہوم واضح کرتے چلیں۔

(۱) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ۝ (مائدہ: ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو' اور اس کی بارگاہ کے لیے وسیلہ لاؤ۔

اس میں شخصیت اور عمل دونوں کا وسیلہ مطلوب ہے اس لیے کہ وسیلہ ان دونوں چیزوں کو شامل ہے--- یہ استدلال نہ تو محض رائے سے ہے' نہ صرف عموم لغوی کے تحت ہے' بلکہ اس کے حق میں واضح روایتیں بھی موجود ہیں۔

ابن عبدالبر نے "استیعاب" میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ حضرت عمر نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بارش ہونے کے لیے وسیلہ لیا تھا اور ان کے وسیلہ سے بارش ہوئی تھی۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا تھا۔

هٰذَا وَاللّٰهِ الْوَسِيلَةُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَالْمَكَانُ مِنْهُ۔

حضرت عباس اللہ کی بارگاہ کے وسیلہ اور صاحب مرتبہ ہیں۔

حضرت عمر کے ارشاد کا ایک حصہ اور "فتح الباری" میں اس طرح آیا ہے۔

حضرت عمر نے فرمایا:

marfat.com

وَاتَّخِذُوْهُ (يَعْنِي الْعَبَّاسَ) وَسِيْلَةً اِلَى اللّٰهِ۔ لوگو! ان (حضرت عباس) کو خدا کی بارگاہ کے لیے وسیلہ بناؤ۔

اگر کہا جائے کہ فاروق اعظم کے ارشاد "اِتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عباس سے دعا کراؤ تو ہم کہتے ہیں کہ یہاں اس معنی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ حضرت عمران سے دعا کی درخواست تو پہلے ہی کر چکے تھے۔ جس پر انہوں نے آگے بڑھ کر دعا بھی کی۔ اس کے بعد حضرت عمر کے فرمان "اِتَّخِذُوْهُ وَسِيْلَةً" کا یہی معنی ہو گا کہ ان کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ جیسا کہ خود حضرت عمر نے اپنے عمل سے لوگوں پر اسے واضح کیا تھا۔ وَلٰكِنَّ الْهَوٰى يُعْمِيْ وَيُصِمُّ۔

فتح الباری میں منقول ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ "لوگ آپ کا وسیلہ لایا کرتے تھے"۔ اس میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ انہوں نے حضور سے درخواست کی ہو کہ حضور ان کے لیے بارش طلب کریں۔ اس لیے کہ دونوں شکلوں میں اس کا امکان ہے کہ خود صحابہ کرام نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ لا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دعا کرتے تھے۔ ابن رشید نے تو اپنے اس قول سے ساری بحث ہی کا خاتمہ کر دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ عنوان باب:

بَابُ سُؤَالِ النَّاسِ الْاِمَامَ الْاِسْتِسْقَاءَ۔ لوگوں کا امام سے استقاء کے لیے درخواست کرنے کا باب۔

کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جب لوگ حضور کو وسیلہ بنا کر خود اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور بارش نازل فرماتا تو اگر خود حضور ہی کو دعا کے لیے آگے بڑھائیں تو یہ بدرجہ اولیٰ درست اور مناسب ہو گا۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسیلہ ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دعا کرائی جائے۔ ایسے لوگوں کا خیال ان دونوں محققین کے قول سے غلط ہو کر رہ جاتا ہے کہاں وسیلہ لینا' اور کہاں دعا کرانا۔

ہاں! کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس کا وسیلہ لیا جاتا ہے وہ وسیلہ لینے والے کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن یہ توسل کا لغوی یا شرعی معنی ہرگز نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ حق ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ کے تحت تفسیر علامہ بغوی وغیرہ میں یہ روایت آئی ہے۔

(۲) وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ۔ (البقرۃ: ۸۹)

یعنی اہل کتاب یہود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اہل کفر کے مقابلہ میں فتح مانگا کرتے مگر جب یہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے تو یہ انکار کر بیٹھے۔

یہود پر جب کوئی دشمن حملہ آور ہوتا' تو یہ دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ فَكَانُوْا يُنْصَرُوْنَ۝

اے اللہ! دشمن پر ہماری مدد فرما اس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے ہیں۔ جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں۔ چنانچہ یہود اس طرح دعا کرتے تو ان کو فتح و نصرت حاصل ہوتی۔

marfat.com

اس سلسلہ کی مکمل روایتیں "الدر المنثور" از سیوطی میں مرقوم ہیں۔

درج ذیل آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ بالکل واضح ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء: ۹)

اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کریں، پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے مغفرت کا سوال کریں، اور آپ بھی ان کے لیے بخشش مانگیں تو یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ حضور کا یہ وسیلہ آپ کی ظاہری زندگی ہی تک محدود تھا تو یہ بات بلادلیل، بلکہ خواہش نفس کی پیروی ہوگی۔

مطلق اپنے اطلاق پر ہی ہوگا۔ اس پر اہل حق کا اتفاق ہے۔ مطلق کسی دلیل ہی سے مقید ہوگا اور اس جگہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو اس مطلق کو مقید بنا سکے۔

اس آیت کے سلسلے میں سارے مذاہب کے فقہاء حتیٰ کہ حنبلی حضرات بھی اس بات کے قائل ہیں کہ آیت بعد وفات کے زمانہ کو بھی شامل ہے اور انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

حنبلی حضرات کے نزدیک زیارت قبرانور کے وقت توسل کے الفاظ کیا ہیں؟--- یہ قدیم حنبلی بزرگ ابوالوفاء بن عقیل کی کتاب "التذکرہ" سے ہم نے ابن قیم کے قصیدۂ نونیہ کے رد "السیف الصقیل" کے تکملہ میں ذکر کیا ہے۔ ان کے الفاظ توسل میں مذکورہ آیت کریمہ اور سرکار سے توسل دونوں موجود ہیں--- جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی آیت بالا سے توسل کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

عتبی کی حدیث میں بھی اس آیت کریمہ کو ذکر کر کے سرکار سے توسل کا واقعہ موجود ہے۔ اس روایت کو محض زور قلم سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

اب ہم وہ روایات و احادیث پیش کر رہے ہیں، جن میں وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے۔ سابقہ صفحات میں احادیث کی جانب جو اجمالی اشارہ کیا گیا ہے اب اس کی تفصیل کے لیے ہم یہاں کچھ احادیث اور آثار پیش کر رہے ہیں جن سے واضح طور پر وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۱) بخاری نے استسقاء کے بیان میں روایت کی ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ جب قحط پڑتا تو آپ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش کا سوال کرتے--- ان کے الفاظ یہ ہوتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ ۝

اے اللہ! ہم پہلے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے بارش کا سوال کرتے تھے، اور تو ہم پر بارش نازل کرتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش کا سوال کر رہے ہیں، اے رب! ہم پر اس وسیلہ سے بارش نازل فرما، راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد بارش ہوا کرتی۔

اس حدیث میں شخصیت کا وسیلہ واضح الفاظ میں موجود ہے۔ اس روایت کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ عبارت اصل میں یہ ہے

marfat.com

"بِدُعَاءِ عَمِّ نَبِيِّنَا" یہ مطلب غلط اور بے بنیاد ہے اس کی کوئی دلیل نہیں۔

اسی طرح یہ کہنا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے باعث آپ کا وسیلہ ترک کیا گیا اور حضرت عباس کا وسیلہ لیا گیا۔۔۔ یہ ایک ایسی بات ہوگی جو حضرت عمر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزری ہوگی بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برتر کے ہوتے ہوئے بھی کمتر سے وسیلہ لیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح "بِعَمِّ نَبِيِّنَا" کے الفاظ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو وسیلہ لیا گیا ہے وہ حضرت عباس کے رشتہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہی وسیلہ ہے اور حضور کے یہاں جو ان کا رتبہ تھا' اس کا وسیلہ ہے جو درحقیقت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا وسیلہ ہے۔

حدیث کا دوسرا لفظ "كُنَّا" یہ صرف عہد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہیں' بلکہ اس کے بعد عام رمادہ تک کے زمانہ کو بھی شامل ہے' اس لیے اس کو عہد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مقید کرنا بلا دلیل ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بخاری کی روایت کے مطابق ابو طالب کا یہ شعر بھی سنایا کرتے تھے۔

وَاَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ۔ آپ روشن و سفید رو ہیں آپ کے چہرۂ انور کے وسیلہ سے بارش مانگی جاتی ہے۔

بلکہ فتح الباری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود یہ شعر پڑھنے کی فرمائش کی ہے۔

اسی طرح حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس شعر میں وسیلہ سے کون انکار کر سکتا ہے۔

"فَسَقَى الْغَمَامُ بِغُرَّةِ الْعَبَّاسِ" (استیعاب)

ان سب روایات و اشعار میں یہ حقیقت بالکل آشکار ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت اور رب تعالیٰ کے یہاں ان کا جو رتبہ ہے اس کے وسیلہ سے خدا سے بارش کا سوال کیا گیا۔

(۲) بیہقی نے مالک الدار سے روایت کی ہے اس روایت میں صاف ہے کہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا وسیلہ لیا تھا۔

مالک الدار اضافت کے ساتھ' حضرت عمر کے مولیٰ اور خازن تھے۔ حضرت عمر نے ان کو بے سہار الوگوں کا انتظام سونپا تھا۔ حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو تقسیم کی ذمہ داری عطا کی تھی' اس لیے ان کا نام مالک الدار ہو گیا۔ (طبقات سعد و اصابہ)

معارف بن قتیبہ میں ہے' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خدام میں ایک مالک الدار بھی تھے۔ حضرت عمر نے ان کو ایک گھر سونپا تھا' جس میں وہ لوگوں کو کچھ بانٹا کرتے تھے۔ وسیلہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

اَصَابَ النَّاسُ قَحْطٌ فِیْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَجَآءَ رَجُلٌ اِلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ اللّٰہَ لِاُمَّتِکَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا فَاَتَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ فَقَالَ ائْتِ عُمَرَ

عہد عمر میں لوگ قحط کے شکار ہوئے۔ ایک شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے رب تعالیٰ سے بارش کی دعا فرما دیں' لوگ تباہ ہو رہے ہیں۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خواب میں اس شخص کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: تم عمر کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کہو اور خبر کر دو کہ اب بارش ہوگی۔

marfat.com

فَاَقْرِئْهُ السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُ اِنَّهُمْ يُسْقَوْنَ۔

(الحدیث)

اس حدیث سے یہ چند باتیں ثابت ہوتی ہیں---!

(۱) نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان کی برزخی زندگی میں بارش کے لیے سوال کیا جاسکتا ہے۔

(۲) رب تعالٰی سے آپ دعا کرسکتے ہیں۔

(۳) آپ سے اگر کوئی ایسی گزارش کرتا ہے تو آپ کو اس کا علم ہوتا ہے۔

(۴) اس شخص کے اس طرز عمل پر کسی صحابی نے کوئی اعتراض نہ کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

یہ حدیث بخاری نے اپنی تاریخ میں مختصراً ابو صالح ذکوان کے واسطے سے روایت کی ہے--- "اصابہ" کی تصریح کے مطابق یہ حدیث ابن ابو خیثمہ نے اسی واسطے سے تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے ابن حجر نے وضاحت کی ہے کہ ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث ابو صالح سمان کے واسطہ سے مالک الدار سے روایت کی ہے۔

ابن حجر نے مزید وضاحت کی ہے کہ مذکورہ خواب ایک دوسرے صحابی بلال بن حارث مزنی نے دیکھا تھا جیسا کہ سیف نے "فتوح" میں روایت کی ہے۔

پیارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رحلت فرمانے کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعائے بارش کے سلسلے میں یہ حدیث عمل صحابہ پر کھلی ہوئی دلیل ہے کیونکہ اس پر کسی صحابی کو کوئی اعتراض نہ ہوا جب کہ صحابہ اس سے باخبر اور آگاہ تھے' اس لیے کہ جو معاملہ امیر المومنین تک پہنچ جاتا ہے' وہ ڈھکا چھپا نہیں رہ جاتا' معروف و مشہور ہو جاتا ہے--- اس طرح یہ حدیث منکرین وسیلہ کی مکمل طور سے زبان بند کردیتی ہے۔

اس سلسلہ کی ایک اور روایت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بذات خود ان کو ایک دعا بتائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِیْ حَاجَتِیْ۔

اے اللہ! میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اور تیرے نبی محمد رحمت کے نبی کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں--- یارسول اللہ میں آپ کا وسیلہ لا کر اپنی اس ضرورت کو لے کر اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوا تاکہ میری ضرورت پوری ہو جائے۔

اس حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اور آپ کے جاہ عالی کا وسیلہ حق ہے۔

(۲) آپ کو دور سے پکارنا اور ندا دینا بھی حق ہے۔

منکرین وسیلہ کے لیے یہ روایت بھی تازیانہ عبرت ہے۔ یہ حدیث بخاری نے "تاریخ کبیر" میں' ترمذی نے "جامع دعوات" میں' ابن ماجہ نے "سنن" صلاۃ الحاجۃ میں روایت کی ہے--- اور ساتھ ہی ابن ماجہ نے اس روایت کے صحیح ہونے کی تصریح بھی کی ہے۔ نسائی نے "عمل الیوم واللیلہ" میں' ابو نعیم نے "معرفۃ الصحابہ" میں' بیہقی نے "دلائل النبوۃ" میں اور ان کے سوا اور بھی کئی محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں یہ روایت نقل کی ہے--- اس کے علاوہ تقریباً پندرہ حفاظ و محدثین نے اس

marfat.com

حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ متاخرین کے علاوہ ان محدثین میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں: ترمذی' ابن حبان' حاکم' طبرانی' ابو نعیم' بیہقی اور منذری--- ترمذی کی سند اس طرح ہے۔ (ج ۲ ص ۱۹۷ مطبوعہ رشیدیہ' دہلی)

حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ عَنْ عَمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ- (الحدیث)

ترمذی نے اس حدیث کو صحیح حسن غریب بتایا ہے۔ مزید فرماتے ہیں' یہ حدیث ہمیں صرف ابو جعفر خطمی کے واسطے سے پہنچی ہے۔ ابو جعفر کے بارے میں ترمذی کے کسی نسخہ میں "وَهُوَ غَيْرُ الْخَطْمِيِّ" اور کسی میں "لَيْسَ هُوَ الْخَطْمِيُّ" کے الفاظ بھی ملتے ہیں اور یہ سب ناقلوں کے تصرفات ہیں' کیونکہ امام ترمذی کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کے بارے میں یہ کہیں کہ فلاں نہیں اور اس کی تفصیل سے وضاحت نہ کریں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ابو جعفر جنہوں نے عمارہ سے روایت کی ہے یہ عمیر بن یزید خطمی ہی ہیں جو اصلاً مدنی ثانیاً بصری ہیں جیسا کہ رجال کی مشہور مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں سے ظاہر ہے۔

اور ابو جعفر رازی متوفی ۱۶۰ھ جو شعبہ کے مشائخ میں سے ایک ہیں' انہوں نے عمارہ متوفی ۱۰۵ھ کا زمانہ قطعاً نہیں پایا--- اس لیے کہ ابو جعفر رازی کا سفر حجاز' عمارہ کی وفات کے ۹ سال بعد وقوع پذیر ہوا اور شعبہ اپنی روایتوں میں قوی اور قابل اعتبار ہیں۔

ساتھ ہی طبرانی وغیرہ کے نزدیک حدیث کے دیگر واسطے بھی اصل سند سے ہی اس کی تائید کردیتے ہیں کہ یہ ابو جعفر وہی خطمی ہیں جو متفقہ طور پر ثقہ ہیں' اس حدیث کی سند بحوالہ طبرانی "شفاء السقام" از تقی سبکی میں مذکور ہے۔

ترمذی کی سند کے سارے ہی راوی ثقہ اور معتبر ہیں اور ترمذی کی اس حدیث کو غریب کہنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ سند میں عثمان بن عمر بروایت شعبہ منفرد ہیں--- اور ابو جعفر بروایت عمارہ بھی منفرد ہیں' حالانکہ یہ دونوں ہی راوی بالاتفاق ثقہ ہیں اور ایسی کتنی ہی صحیح حدیثیں ہیں' جن کے سلسلہ رواۃ میں کہیں کوئی راوی منفرد ہوتا ہے جیسا کہ حدیث "إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" میں بھی یہ انفراد پایا جاتا ہے--- اسی حدیث کو امام ترمذی نے "حسن" بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو جعفر اور عثمان بن عمر کے بعد اس کے واسطے متعدد ہیں۔ اسی کو ترمذی نے صحیح بھی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے راویوں میں صحت کے اوصاف مکمل طور پر موجود ہیں۔

(۴) حضرت عثمان بن حنیف کی حدیث جس میں ایک شخص کو نماز حاجت کے ساتھ مذکورہ دعا کی تعلیم دی گئی ہے اس شخص کو امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک کام تھا۔ اس نے وہی دعا کی اور اس کا کام ہو گیا۔

اس مقام پر جس نکتہ کی نشاندہی کرنی ہے' وہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا صحابی نے دعائے حاجت کی حدیث سے یہی سمجھا کہ یہ دعا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ یہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اور یہ ہے حضور کی رحلت کے بعد آپ کو پکارنا اور ندا کرنا--- اور یہ ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل--- طبرانی نے "معجم کبیر" میں یہ حدیث روایت کی ہے اور کئی واسطوں سے اس کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اسی طرح ابو الحسن ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں اس کا ذکر کرنے کے بعد اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ان سے پہلے منذری "الترغیب" میں اور ان سے پہلے ابو الحسن مقدسی' اسی حدیث کے صحیح ہونے کی تصریح کر چکے ہیں۔ ابو نعیم نے بھی "المعرفۃ" میں اور بیہقی نے بھی دو واسطوں سے یہ حدیث روایت کی ہے اور ان کی دونوں ہی سندیں صحیح ہیں۔

marfat.com

(۵) وسیلہ کی احادیث میں فاطمہ بنت اسد کی حدیث بھی ہے جس میں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ موجود ہیں۔

بِحَقِّ نَبِیِّکَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ۔ تیرے نبی کے اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے۔

ابن حبان اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ طبرانی نے "کبیر" اور "اوسط" میں یہ حدیث روایت کی ہے۔ اس کی سند میں روح بن صلاح ہیں جن کو ابن حبان اور حاکم نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ان کے علاوہ سارے ہی راوی صحیح بخاری کے رواۃ سے ہیں۔

اس حدیث میں وفات پانے والے انبیائے سابقین علیہم السلام کا وسیلہ کھلے الفاظ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

لَمَّا اقْتَرَنَ اٰدَمُ الْخَطِیْئَةَ قَالَ یَارَبِّ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ۔ حضرت آدم علیہم السلام نے لغزش کے بعد بارگاہ خدا میں عرض کیا، اے میرے پروردگار! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مجھے بخش دے۔

حاکم نے "مستدرک" میں یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا ہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے مزید فرمایا: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے مروی یہ پہلی حدیث میں نے ذکر کی ہے--- تقی سبکی نے "شفاء السقام" میں اس کی پوری سند ذکر کی ہے۔ طبرانی نے "اوسط" اور "صغیر" میں اس روایت کی تخریج کی ہے اور ان کی دونوں روایتوں میں بعض ایسے راوی پائے جاتے ہیں جن سے ہیثمی واقف نہیں۔

ہاں! عبدالرحمٰن بن زید کو امام مالک نے اور ان کی متابعت میں کچھ اور حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر بھی ان پر کذب کی تہمت نہیں، بلکہ ان پر صرف وہم کا الزام ہے۔

اور ایسے راویوں کی روایتیں چھان بین کے بعد قبول کرلی جاتی ہیں۔ حاکم نے ایسا ہی کیا ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ اس حدیث کو امام مالک نے خود قبول فرمایا جیسا کہ ابن حمید امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک نے ابو جعفر منصور سے فرمایا۔

هُوَ وَسِیْلَتُکَ وَوَسِیْلَةُ اَبِیْکَ اٰدَمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارا بھی وسیلہ ہیں، اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔

اب جب امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس کو بطور دلیل پیش کردیا تو عبدالرحمٰن راوی کے اوپر سے وہم اور قلت حفظ کا الزام ختم ہوگیا--- کیونکہ دوسرے الزام دینے والوں نے امام مالک کی تبعیت ہی میں الزام دیا ہے۔ اس کے علاوہ عبدالرحمٰن بن زید ایسے محدث نہیں جن کی روایت مطلقاً مسترد کردی جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر امام نے "الام" اور مسند میں ان کی روایت کردہ حدیث سے (فضائل میں نہیں) بلکہ احکام میں استدلال کیا ہے--- ایسی صورت میں حاکم نے مذکورہ حدیث کو اگر صحیح قرار دیا تو وہ باعث ملامت نہیں۔ یہ حدیث بلاشک وشبہ صحیح ہے۔ ہاں! جن کے سینے فضائل مصطفیٰ سے تنگ ہوں وہ تو اس کی صحت سے انکار ہی کرتے رہیں گے۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذکورہ ارشاد قاضی عیاض نے "الشفا بتعریف حقوق المصطفی" میں عمدہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱) اس روایت کی سند میں جو ابن حمید مذکور ہیں وہ محمد بن حمید رازی ہیں، یہی راجح ہے، وہ نہیں جو امام تقی الدین سبکی کا گمان

marfat.com

ہے لیکن ان رازی کا حال ایسا نہیں جیسا کہ شمس بن عبدالہادی نے تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔ شمس بن عبدالہادی نے ان کے ساتھ ناروا سلوک یہ کیا ہے کہ ان پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب جمع کر دی ہیں اور ان کی تعریفوں کو نظرانداز کر دیا ہے۔

ابن عبدالہادی ان تین میں سے ایک ہیں جو عالم شباب میں ابن تیمیہ سے ملے اور ان سے فریب خوردہ ہو کر راہ مستقیم سے ہٹ گئے۔ جو دلائل ان کے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف پڑتے ہیں' ان میں یہ صاحب "جرح" کا ذکر کرتے ہیں اور "تعدیل" کو گول کر جاتے ہیں۔

یہ محمد بن حمید وہ ہیں جن سے ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ' احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسے ائمہ حدیث نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ ابن ابوخیثمہ بیان کرتے ہیں' رازی کے بارے میں ابن معین سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا' ثقہ اور دانشمند ہیں۔ ان سے استناد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

امام احمد نے فرمایا "ری" میں اس وقت تک علم ہو گا جب تک محمد بن حمید ہوں گے۔ ابن حمید وہ ہیں جن کی صاغانی اور ذہلی نے بھی تعریفیں کی ہیں--- خلیلی "الارشاد" میں رقمطراز ہیں ابن حمید علم حدیث کے عالم اور حافظ ہیں۔ احمد اور یحییٰ نے ان کو پسند کیا۔ امام بخاری نے فرمایا "فِيهِ نَظَر"--- لیکن اس جیسی حدیث کے سلسلے میں وہ متہم نہیں۔ لمبی عمر پا کر ۲۴۸ھ میں رحلت فرمائی۔ امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے وقت ان کی عمر پندرہ سال سے کم نہ تھی' جبکہ یہ لوگ اپنے امام کی "مسند" میں پانچ سال کے راوی کی روایت بھی قبول کرتے نظر آتے ہیں۔

(۲) یعقوب بن اسحاق کے بارے میں خطیب نے تاریخ میں کہا "لَا بَأْسَ بِهِ" ان میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) ابوالحسن عبداللہ بن محمد بن منتاب' اسماعیل قاضی کے بڑے اصحاب میں سے ایک ہیں۔ ان کو تقریباً ۳۰۰ھ میں مقتدر نے مدینہ کا قاضی مقرر کیا تھا اور اس زمانہ میں غیر ثقہ عالم مدینہ منورہ کا قاضی نہیں ہو سکتا تھا۔

(۴) اور ان کے شاگرد محمد بن احمد بن فرج کی سمعانی نے "الانساب" میں ذکر جزاء ری کے تحت توثیق کی ہے۔ ابن اثیر نے "اللباب" میں اس توثیق کو برقرار رکھا ہے۔

(۵) ابوالحسن فہری بھی یقیناً ثقہ ہیں۔ "العبر" از ذہبی میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔

(۶) ابن دلہاث ابن عبدالبر کے ثقہ مشائخ میں سے ایک ہیں۔ "صلہ" ابن بسکوال مطبوعہ مادریہ میں ان کا تذکرہ مرقوم ہے۔

راویوں کے جو تذکرے ہم نے اوپر پیش کیے ہیں' تقریباً اسی انداز سے سبکی نے "شفاء السقام" میں قلمبند کیا ہے۔

ابن عبدالہادی اس حدیث کے قبول کرنے سے صرف اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ روایت ان کے شیخ ابن تیمیہ کے تفردات کے خلاف پڑتی ہے۔

ابن منتاب کے اس حدیث کے لانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ اپنے شیخ قاضی اسماعیل مالکی کی "مبسوط" میں جو کچھ ہے اس کی تردید کر سکیں' جو ابن وہب بروایت مالک کے خلاف ہے۔ شیخ اسماعیل عراق کے ہیں اور اہل مدینہ اور اہل مصر عراقیوں سے زیادہ امام مالک کے مسائل سے آگاہ ہیں۔ ساتھ ہی اسماعیل نے امام مالک تک کی سند کا ذکر بھی نہ کیا' بلکہ اسے مرسلاً بیان کر دیا ہے مگر چونکہ یہ ابن عبدالہادی کی خواہش کے مطابق ہے اس لیے انہوں نے بلاچون وچرا قبول کر لیا ہے اور ابن عبدالہادی ان کی مدح سرائی میں اس قدر رطب اللسان ہیں' جیسے ان کی تعریف سند سے بے نیاز کر دے گی۔ ایسا لگتا ہے قاضی اسماعیل کے بارے میں داؤد اصفہانی نے جو ریمارک پیش کیا ہے اس پر ان کی نگاہ نہیں پڑی۔

ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ہے کہ وسیلہ آدم کے سلسلہ کی ایک ہی روایت نہیں' بلکہ اس سلسلہ کی متعدد روایتیں اور بھی

marfat.com

موجود ہیں جو ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ ہم یہاں ان کی تفصیلات میں اس لیے جانا مناسب نہیں سمجھتے کہ مذکورہ احادیث سنجیدہ اور غیر متعصب ذہن کے لیے کافی ہیں۔

(۷) ابن ماجہ نے اپنی سنن کے "باب المشی الی الصلاۃ" میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَیْتِہٖ اِلَی الصَّلَاۃِ فَقَالَ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ۔(الحدیث)

جو شخص نماز کے ارادے سے گھر سے نکلے پھر یہ کہے اے اللہ! سوال کرنے والوں کا جو تیرے اوپر حق ہے' اس کے وسیلے سے میں سوال کرتا ہوں۔

شہاب بوصیری "مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ" میں فرماتے ہیں۔ اس سند کے راوی ضعیف ہیں--- مثلاً عطیہ' عوفی' فضیل بن مرزوق اور فضل بن موفق' یہ تینوں (یا چاروں؟) ضعیف ہیں' لیکن ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں فضیل بن مرزوق کے واسطے سے حدیث روایت کی ہے تو ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن رزین نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن منیع نے بھی اپنی "مسند" میں اس طرح یہ حدیث بیان کی ہے۔ حَدَّثَنَا فُضَیْلُ بْنُ مَرْزُوْقٍ۔

اس کے بعد پوری سند اور پوری روایت ذکر کی ہے---

علاء الدین مغلطائی "الاعلام شرح ابن ماجہ" میں فرماتے ہیں' یہ حدیث ابو نعیم' فضل ابن دکین نے "کتاب الصلوۃ" میں فضیل بن مرزوق سے' انہوں نے عطیہ سے' عطیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے۔ عطیہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس روایت میں تنہا نہیں' بلکہ ابو الصدیق بھی عبد الحکم بن ذکوان کی روایت میں ان کے ساتھ ہیں۔ اور وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ اگر چہ ابو الفرج نے اپنی "علل" میں ان پر تنقید کی ہے اور ابن سنی نے "عمل الیوم واللیلہ" میں ایک ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے جس میں وازع نے بلال سے اس طرح روایت کی ہے--- اَللّٰھُمَّ بِحَقِّ السَّائِلِیْنَ عَلَیْکَ۔

اس سند میں نہ عطیہ ہیں' نہ ابن مرزوق اور نہ ہی ابن موفق ہیں--- جس سے ظاہر ہو گیا کہ عطیہ ابن مرزوق' اور ابن موفق کو اگر ضعیف تسلیم بھی کر لیا جائے تو مذکورہ سندوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ تینوں حضرات اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اس کی دوسری تائیدات بھی موجود ہیں--- علاوہ ازیں احمد بن منیع کے شیخ یزید بن ہارون بھی ابن مرزوق سے روایت کرنے میں ابن موفق کے شریک ہیں--- اسی طرح فضل بن دکین' ابن فضیل اور سلیمان بن حبان وغیرہم نے بھی ابن مرزوق سے روایت کی ہے۔ عطیہ پر تشیع کا الزام ہے لیکن امام ترمذی نے ان کی کئی روایتوں کو حسن قرار دیا ہے--- ابن معین سے منقول ہے کہ وہ صالح ہیں۔ ابن سعد سے مروی ہے کہ ثقہ ہیں--- ابن عدی نے فرمایا ہے ان کی روایتیں صالح ہیں اور حضرت ابو سعید خدری کے نام کی صراحت کے بعد تدلیس کا احتمال نہیں' خصوصاً جبکہ اس روایت میں متابعت بھی ہے اور امام مسلم کے نزدیک ابن مرزوق کی توثیق کا پلہ بھاری ہے' کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مذکورہ حدیث بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے بھی وارد ہوئی ہے--- اس لیے یہ حدیث تمام تر تنقیدات کے باوجود پایہ اعتبار اور درجہ استدلال سے فروتر ہرگز نہیں ہو سکتی' بلکہ اس کا معاملہ صحیح اور حسن کے درمیان ہو گا' کیونکہ یہاں متابعات اور شواہد کثرت سے پائے جا رہے ہیں۔

ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ بعض حضرات کا قول ہے کہ جرح کو تعدیل پر ترجیح ہوتی ہے--- اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو یہ قول ضعیف ہے' ثانیاً وہ بھی جرح کو تعدیل پر اس وقت ترجیح دیتے ہیں جب دونوں میں اس طرح تعارض ہو کہ دونوں کا پلہ بالکل برابر ہو۔ اس لیے جرح کی ترجیح کا معاملہ ثابت کرنے کے لیے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ یہاں جرح و

marfat.com

تعدیل دونوں بالکل ہم پلہ ہیں--- اس کے بغیر مطلقاً جرح کی تقدیم کا فیصلہ صادر کرنا بہت دور کی بات ہے اور زیر بحث حدیث کو تو حافظ عراقی نے تخریج احادیث احیاء اور حافظ ابن حجر نے "امالی الاذکار" میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔ اس لیے اہل بدعت کے لیے یہ گنجائش نہیں کہ وہ مذکورہ اصول کا سہارا لے کر ان ثابت شدہ احادیث کو مسترد کرنے کی جسارت کریں' جو ایسے راویوں سے مروی ہوں جن کو محدثین کرام نے معتبر اور ثقہ قرار دیا ہے کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ان راویوں کے ثقہ ہونے ہی کے فیصلہ کو ترجیح حاصل تھی۔ زیر بحث حدیث کو محدث عراقی نے "تخریج احیاء العلوم" میں اور محدث ابن حجر نے "امالی الاذکار" میں حدیث حسن قرار دیا ہے۔

حدیث مذکورہ میں حق سائلین کے وسیلہ سے دعا کی تعلیم دی گئی ہے اور خدا سے سوال کرنے والوں میں خاص مقبول بندے بھی ہیں اور عام مسلمان بھی' اس لیے اس حدیث پاک سے عام مسلمین اور خاص مقبولان بارگاہ دونوں ہی سے وسیلہ لینے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

وسیلہ کے بعض منکرین اس حدیث سے متعلق یہ کہتے ہیں کہ "اَسْأَلُکَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ" کے اندر "بِحَقِّ" میں جو "با" ہے وہ توسل کے معنی میں نہیں' بلکہ یہ وہ "با" ہے جو "سال" کے مفعول ثانی پر آتی ہے۔

ان کے جواب میں عرض ہے کہ سوال دو معنی میں آتا ہے۔ (۱) پوچھنا' دریافت کرنا (۲) مانگنا طلب کرنا' عطاء و بخشش چاہنا--- سوال کے دو مفعولوں میں سے ایک پر جو "با" آتی ہے وہ اس وقت ہوا کرتی ہے جب سوال پوچھنے اور دریافت کرنے کے معنی میں ہو--- جیسے قرآن میں ہے۔

(۱) فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا○ تو اس کے بارے میں کسی خبر رکھنے والے سے پوچھ۔

سوال جب مانگنے اور دعا کرنے کے معنی میں ہو تو "با" متوسل بہ پر (اس پر جس سے وسیلہ لیا جائے) داخل ہوتی ہے جیسا کہ خود ماثورہ دعاؤں سے اس کی شہادت فراہم ہوتی ہے اور اگر خواہی نخواہی یہاں بھی یہی کہا جائے کہ "با" مفعول ثانی پر داخل ہے تو حدیث کے الفاظ مذکورہ کا معنی کیا ہوگا؟ "اَسْأَلُکَ بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ" کا معنی اگر یہ لیں کہ "اَسْأَلُکَ اَجَابَةَ الْمُسْلِمِیْنَ" یعنی میں تجھ سے سائلوں کی اجابت اور قبول دعا کا سوال کرتا ہوں--- تو عرض یہ ہے کہ "حق" کا معنی اجابت اور قبولیت ہو ہی نہیں سکتا' بلکہ "حق سائلین" سے مراد مَا یَسْتَحِقُّهٗ الخ۔

مَا یَسْتَحِقُّهُ السَّآئِلُوْنَ الْمُتَضَرِّعُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَسُبْحَانَهٗ۔ خدا کے فضل و کرم سے یہ فروتنی و عاجزی کرنے والے سائل جس چیز کے مستحق ہوں وہی حق سائلین ہے۔

جب یہ ثابت ہے کہ حق کا معنی قبول و اجابت نہیں تو "بِحَقِّ السَّآئِلِیْنَ" "اَسْأَلُکَ" کا مفعول ثانی ہو ہی نہیں سکتا اور کون حواس باختہ یہ بکواس کر سکتا ہے کہ نماز کو جانے والا یہ شخص سارے عام و خاص سائلان بارگاہ الٰہی کا حق خود وصول کرنا چاہتا ہے' اور اللہ سے اس کا سوال کر رہا ہے۔ منکرین وسیلہ کے خیال فاسد کی حقیقت اس وقت اور واضح ہو جاتی ہے جب بعد کے الفاظ بھی پیش نظر ہوں' اس جملہ کے بعد اس پر یہ جملہ معطوف ہے "وَاَسْأَلُکَ بِحَقِّ مَمْشَایَ هٰذَا الخ۔ کیا یہاں بھی وہ کہیں گے کہ بندہ دعا کر رہا ہے کہ میں اپنے اس چلنے کا حق مانگتا ہوں؟

منکرین اپنے خیال فاسد کی تائید کے لیے مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ سوال ہے تو کوئی مسئول و مطلوب ہونا ضروری ہے اور حق سائلین کے علاوہ حدیث میں اور کچھ مذکور ہی نہیں' جسے سوال کا مطلوب بنایا جا سکے' اس لیے وہی مطلوب ہے۔

ان کی یہ بات سخت مضحکہ خیز اور نہایت خندہ انگیز ہے گویا ان کو اَنْ تُعِیْذَنِیْ مِنَ النَّارِ نظر ہی نہیں آتا۔ حق سائلین

marfat.com

اور اپنی پیادہ روی کے وسیلہ سے وہ یہی تو سوال کر رہا ہے کہ "مجھے دوزخ سے پناہ دے' میرے گناہوں کو بخش دے"--- بہ صراحت حدیث میں موجود ہے اور "اَسْاَلُکَ" کی تکرار تاکید کے لیے ہے اور تاکید کے لیے فعل کی تکرار کوئی نادر چیز نہیں۔ کلام عرب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں--- تو فعل اخیر سے جو مطلوب ہے وہی پہلی دونوں فعلوں سے بھی مطلوب ہے بالفرض! یہ افعال تاکید والے نہ ہوتے تو بھی یہی مفعول اخیر سب کا مفعول بن جاتا۔ اور تمام افعال کا اسے معمول بنانے میں تنازع ہوتا' جو نحو اور زبان کا معروف قاعدہ ہے--- الحاصل اس مفعول اخیر سے سابقہ افعال کا تعلق بہر تقدیر معتبر اور ملحوظ ہے۔

وسیلہ لینے کو ناجائز بنانے کے لیے کچھ لوگ یہ خیال فاسد قائم کرتے ہیں کہ غیر خدا کو بارگاہ خدا کے لیے وسیلہ بنانا غیر اللہ کی قسم کھانے کے مترادف ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے' اس لیے توسل بھی حرام ہے۔

اس خیال کے تحت توسل کی تردید کرنے والے در حقیقت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تردید کرنا چاہتے ہیں' اس لیے کہ خود سرکار مصطفیٰ علیہ التحیتہ والثناء نے ہی تو توسل کے یہ الفاظ اور صیغے تعلیم فرمائے ہیں اور غیر خدا سے وسیلہ لیتے ہوئے دعا اپنی امت کو بتائی ہے۔ سرکار کے بتائے ہوئے کلمات اور دعاؤں میں اشخاص کا وسیلہ موجود ہے--- افسوس کہ ان منکرین کو توسل اور قسم کے عظیم تفاوت کی بھی تمیز نہیں۔ کہاں غیر خدا کو بارگاہ خدا میں وسیلہ بنانا اور کہاں غیر خدا کی قسم کھانا؟

اس مقام پر ہم استعانت اور استغاثہ کے موضوع پر بھی مختصر گفتگو کرتے چلیں' تو کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ موضوع بھی وسیلہ سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ بخاری کی حدیث شفاعت کے الفاظ یہ ہیں۔

اِسْتَغَاثُوْا بِاٰدَمَ ثُمَّ بِمُوْسٰی ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

محشر کے دن لوگ حضرت آدم سے مدد مانگیں گے' پھر حضرت موسیٰ سے' پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فریاد کریں گے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ توسل کے سلسلہ میں استغاثہ (فریاد خواہی) کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

رہی طبرانی کی روایت لا یستغاث بی کے الفاظ' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہیں۔ ہم نے "الاشفاق" میں ان کا حال تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ روایت صحیح حدیث کے مقابل نہیں ہو سکتی۔

اب رہی یہ حدیث "وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ" ایک تو اس حدیث کی تمام سندوں میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے' دوسرے یہ کہ اس کا حقیقی اور مجازی معنی یہ ہوگا۔

عِنْدَ اِسْتِعَانَتِکَ بِاَیِّ مُسْتَعَانٍ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ۔

کسی بھی مستعان سے مدد لینے کے وقت' خدا سے مدد طلب کرو۔

اس معنی کے تحت حدیث پاک سے استعانت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی سے بھی استعانت کی جائے تو مستعان حقیقی کو فراموش نہیں کرنا چاہیے اور صاحب ایمان کی شان یہی تو ہوتی ہے کہ وہ اسباب سے مدد لینے کے وقت مسبب الاسباب کو نہیں بھولتا۔

یہ دیکھیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب انہوں نے بارش کے لیے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وسیلہ لیا تو "اَللّٰھُمَّ فَاسْقِنَا" کے الفاظ کہنا نہ بھولے' اور یہی اسلامی ادب ہے۔ اگر حدیث کا یہ معنی نہ لیا جائے تو معنی مجازی لینا ہوگا اور متعدد آیات و احادیث کے خلاف ہوگا' ساتھ ہی حدیث کا لفظ اِذَا (جب) کُلَّمَا (جب جب) کے معنی میں نہیں' بلکہ اہل منطق کے نزدیک یہ شرطیہ مہملہ کے الفاظ سے ہے۔ اس کے مطابق خصم کے لیے اس سے دلیل قائم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اس پر مزید یہ کہ خطاب بھی واحد کے لیے ہے' یعنی ایک صحابی خاص کو مخاطب کر کے سرکار نے یہ فرمایا ہے' جس سے اس

marfat.com

طرف اشارہ ہے کہ یہ خاص لوگوں کے لیے ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایک خاص بندے ہیں' ایسے مقربان بارگاہ الٰہی کے لیے بہتر یہی ہے کہ یہ حضرات مسبب الاسباب اللہ سے مدد مانگا کریں۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ ہم تجھ سے ہی مدد مانگیں۔

یہ استعانت آیت کے سیاق و سباق کے مطابق عبادت اور ہدایت کے سلسلہ میں ہے۔ رب تعالیٰ سے مناجات کے دوران یہی مناسب بھی ہے اگر اس کا عام اور مطلق معنی لیا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ بندہ کسی بھی کام میں کسی بھی غیر خدا سے مدد نہ لے' جب کہ ہر شخص ہزارہا دنیاوی معاملات میں برابر کسی نہ کسی سے مدد لیا کرتا ہے' اس لیے آیت کے معنی مطلق کو لے کر اگر مطلقاً استعانت کو شرک کہیں تو تقریباً سارے بندگان خدا کو مشرک قرار دینا اور اسباب دنیا کو معطل و بیکار کرنا لازم آئے گا۔

ہمارے ایک مخلص دوست صاحب تصانیف مفیدہ علامہ شیخ محمد حسنین عدوی مالکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے زیر بحث موضوع وسیلہ پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں اور ان میں فکر ابن تیمیہ سے متاثر افراد کے شبہات کا ازالہ کردیا ہے۔ ان کا انداز بیان بھی خوب ہے اور تحقیق بھی خوب ہے۔ ان کا مقام علم بالاتفاق ان لوگوں کے شیوخ المشائخ سے بھی درجوں بلند ہے۔

اصحاب قبور میں قوت سماعت قوت ادراک پائی جاتی ہے۔ اس سلسلے کی خاصی تفصیل محدث عبدالحیٔ لکھنوی نے "تذکرۃ الراشد" میں رقم کی ہے۔

رہی یہ روایت "وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ" محققین کے نزدیک اس آیت میں اصحاب قبور سے مراد مشرکین ہیں--- اس مقام پر بعض دیگر تحقیقات بھی ہیں' لہٰذا کسی کو کسی طرح کے مغالطے میں نہ آنا چاہیے۔

مذکورہ آیات و احادیث سے بالکل روشن ہو گیا کہ انبیاء' اولیاء اور صلحاء کے وسیلہ کا انکار کرنے والوں کے پاس کوئی معمولی دلیل بھی نہیں اور وسیلہ کو جائز ماننے والے اہل ایمان کو مشرک گرداننا گمراہی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رہے بعض عوام جو توسل و زیارت کے آداب کماحقہ ملحوظ نہیں رکھتے' ایسوں کے لیے اہل علم پر فرض ہے کہ ان کو متانت و سنجیدگی سے سمجھائیں۔ صدیوں سے امت توسل و زیارت پر کاربند رہی۔ اس کے انکار کی بدعت ابن تیمیہ حرانی نے پھیلائی۔ اس وقت کے علماء نے اس بدعت کا قلع قمع کر دیا تھا' اس پر بھرپور نکیر کی اور متعدد تحقیقی رد بھی لکھے--- لیکن ابن تیمیہ کی بلاؤں سے بے خبر اس سے متاثر افراد میں آج بھی یہ فتنہ پایا جا رہا ہے--- تفسیر روح المعانی میں آلوسی نے اور اس تفسیر میں تصرف کرنے والے ان کے بیٹے نے اس موضوع پر بعض غلط بحثیں لکھ ڈالی ہیں۔ مذکورہ دلائل ان کی تردید کے لیے کافی ہیں۔

یہ دونوں ہی باپ بیٹے بعض مسائل میں اضطراب و انتشار کا شکار نظر آتے ہیں۔ یہ ان کے اپنے پڑوسیوں اور اپنے بعض اساتذہ سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے' یہاں ان سب باتوں کی تفصیل کا موقع نہیں۔

خیر الخلق محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وسیلہ لینے میں امت مسلمہ کا دستور کیا رہا ہے' اس کی تفصیل کے لیے امام ابو عبداللہ بن نعمان محمد بن موسیٰ تلمسانی مالکی متوفی ۶۸۳ھ کی کتاب "مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِی الْمُسْتَغِيْثِيْنَ بِخَيْرِ الْاَنَامِ" کا مطالعہ کیا جائے--- یہ کتاب "دار الکتب المصریہ" کے نوادرات سے ہے۔

یہ تحریر انصاف پسندوں کے لیے کافی ہے۔

marfat.com

پاسبان ملت مولانا مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ

وسیلہ

نسبت ... تعظیم

مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (قرآن)

رسول اللہ جو عطا فرمائیں اسے لے لو۔ اور جن چیزوں سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

کچھ نام نہاد مدعیان اسلام کا یہ کھوکھلا نعرہ ہے کہ ہمیں جو لینا ہو گا خدا سے لیں گے اور خدا یہ فرماتا ہے کہ تمہیں وہی لینا پڑے گا جو میرے مصطفیٰ تمہیں دیں گے۔

گویا جو آیت میں نے پیش کی ہے وہ ان کی برہنہ پشت پر تازیانہ عبرت ہے اور مکروہ چہرے پر غیبی طمانچہ۔

معلوم ہوا میرے سرکار خدا اور بندوں کے درمیان ایک وسیلہ ہیں اب اسی کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

خدائے قدیر ارشاد فرماتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میرے مصطفیٰ جو کچھ تم لوگوں کو دیں اسے لے لو اور جن چیزوں سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

کہنے کے لیے بظاہر کتاب اللہ کا ایک مختصر ٹکڑا ہے لیکن خداوند قدوس نے اسی مختصر سے ٹکڑے میں ہمارے قانون زندگی کو سمو دیا ہے اور اسی اتنے ہی حصے میں ہمارے دستور حیات کو سمیٹ دیا ہے۔

یہ انسانی کتاب نہیں آسمانی اور منزل من السماء کتاب ہے۔ اس میں امثال و نظائر کا پھیلاؤ بھی ہے اور قانون کا ایجاز و اختصار بھی۔ ویسے ہم اور آپ بھی کسی کی تعریف میں بولتے ہیں کہ فلاں خطیب کا کیا کہنا' ایسا جادو بیان مقرر کہ اس نے سمندر کو کوزہ میں بھر دیا' لیکن یہ اردو زبان کی کہاوت اور ضرب المثل ہے مگر میں نے جو آیت پیش کی ہے وہ اس کہاوت کی منہ بولتی مثال ہے۔ ہم اس کی تفصیل آگے عرض کریں گے سب سے پہلے اس بات کو ذہن نشین کر لیجئے کہ میرے مصطفیٰ جو دیں اسے ہم لے لیں اور وہ جن چیزوں سے روک دیں ہم اس سے رک جائیں۔

اگر مسلمان کو یہ قانون یاد رہ جائے تو اس کا قدم کبھی ڈگمگا نہیں سکتا' نہ ہی وہ پھسلے اور نہ وہ گرے۔ مثلاً اگر وہ کسی چیز کو پینا چاہتا ہے اور ہونٹوں کے قریب آتے آتے اسے یاد آجائے کہ میں اسے پینے تو جا رہا ہوں' کہیں رسول خدا نے اسے حرام تو نہیں فرمایا۔ اب اسے وہ پی نہیں سکتا۔ اس کا ضمیر نفرت و ملامت کرے گا۔ ہاتھوں سے پھینک دے گا۔ اگر وہ کسی چیز کو کھانے جا رہا

marfat.com

ہے مگر اسے یہ خیال آ جائے کہ میں اسے کھانے تو جا رہا ہوں کہیں میرے سرکار نے اسے حرام تو نہیں کہا؟ بس وہ نوالہ اب حلق سے نیچے نہیں اتر سکتا' اسے اگل دے گا پھینک دے گا۔ ایسے ہی وہ اگر کسی طرف بڑھتا جا رہا ہے' کہیں آقائے دوجہاں نے وہاں جانے سے روکا تو نہیں۔ اب یہ قانون اس کے پاؤں کی بیڑی بن جائے گا۔ قانون کا احترام اور اس کی عظمت آہنی زنجیروں میں جکڑ دیں گے۔ اب وہ ایک قدم بھی آگے نہیں کھسک سکتا۔

بس معلوم ہوا ہمیں وہ لینا ہے جو میرے سرکار ہمیں دیں اور ان چیزوں سے آنکھیں پھیر لینی ہے' دامن سمیٹ لینا ہے' کترا کے گزر جانا ہے جن چیزوں سے سرکار نے ہمیں روک دیا ہے۔

میں نے ابھی ایک بات آپ سے عرض کی تھی کہ اردو ادیب تو صرف بولتا ہے کہ سمندر کو کوزے میں بھر دیا لیکن اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے خواجہ نے عملاً اسے کر کے بھی دکھا دیا۔ آپ کو یاد ہو گا جب سلطان ہند غریب نواز اجمیر شریف لائے تو انہیں اہلاً و سہلاً نہیں کہا گیا۔ ان کا پرتپاک خیر مقدم نہیں ہوا بلکہ طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں اور نوع بنوع امتحانات لیے گئے لیکن میرے غریب نواز کو ہر میدان میں فتح و نصرت اور بالادستی حاصل رہی۔

عہد جاہلیت کے فراعنہ اپنی نت نئی ترکیبوں سے زیر کرنا چاہتے تھے مگر اللہ کا برگزیدہ بندہ اپنی حکمت عملی اور قوت باطنی سے اس کی ایسی کاٹ کر دیتا کہ ان کا ہر طلسم تار عنکبوت سے کمتر ثابت ہوتا۔

اس عہد کے راجپوت اسے برداشت نہیں کر پا رہے تھے کہ ہم صنم پرستوں کے بیچ یہ نماز' روزے اور مصلی و تسبیح والا کیسے آ گیا۔ ایک مقدس دروازہ کے قدسی صفات مہمان کے ساتھ ظالموں سے جو کچھ بھی ہو سکا وہ سب کر دکھایا لیکن غریب نواز کے پائے استقامت میں جنبش تک نہ آئی' وہ ایسے ہی جمے رہے جیسے کوہ ہمالہ اور تاراگڑھ کا پہاڑ زمین کی چھاتی پر جما ہوا ہے۔ آلام و مصائب کے پہاڑ توڑے گئے' ہر چند کوشش کی گئی کہ یہ پردیسی یہاں سے بھاگ کھڑا ہو لیکن غریب نواز بہت خاموشی سے عملاً انہیں بتاتے رہے کہ اگر بھاگنا ہی مقصود ہوتا تو یہاں میں آتا ہی کیوں؟ اسے مستقبل ہی بتائے گا کہ ہمارا بوریا بستر گول ہوتا ہے یا تمہارا۔

دریا کوزے میں

چنانچہ اس نے ترکش کا آخری تیر پھینکا اور غریب نواز و معتقدین پر "اناساگر" کا پانی بند کر دیا۔ متوسلین نے عرض کیا اب تو جور و جفا اور ظلم و ستم کی حد ہو گئی' ظالموں نے اناساگر کے پانی پر پہرہ بٹھا دیا ہے' ہم اب اس کی ایک بوند تک نہیں پا سکتے۔ گویا میدان کربلا اپنی تاریخ کو پھر دہرانا چاہتا ہے۔ اللہ کے ولی سلطان ہند نے فرمایا یہ چھاگل لو اور اناساگر کا پانی اس میں بھر لاؤ۔

اگر آج کا مرید ہوتا تو جاتا نہیں' پیر سے مناظرہ کرتا۔ حضور! کہاں اناساگر' جو کہنے میں ساگر اور دیکھنے میں جھیل معلوم ہوتا ہے بھلا اس کا پانی اس میں کیسے آ سکتا ہے لیکن وہ پندرہویں صدی کا مرید نہیں تھا بلکہ نگاہ خواجہ کا پروردہ تھا' اس نے درگاہ خواجہ میں تربیت پائی تھی جن کی ایک نگاہ کرم چور کو سلطان' محکوم کو حاکم اور وہی نگاہ عتاب راجہ کو پرجا بنا دے۔ جو آن کی آن میں انسانیت کی کایا پلٹ دے۔ حکم پاتے ہی مرید نے چھاگل اٹھائی۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ بھیجنے والا چھاگل بھی دیکھ رہا ہے اور ساگر بھی۔

لہٰذا وہ اناساگر کے قریب پہنچا اور اناساگر کی بوند' بوند قطرہ' قطرہ چھاگل میں بھر لایا۔ اب ساگر ساگر نہ رہا بلکہ چٹیل میدان بن گیا۔

marfat.com

اب اجمیر والوں کی آنکھ کھلی' دن میں تارے نظر آنے لگے' پاؤں تلے کی زمین کھسک گئی۔ تب غریب نواز نے اپنی خاموش اداؤں میں سمجھایا کہ ہمارا تمہارا تو یہی فرق ہے کہ تم پانی کو تلاش کرتے ہو اور پانی مجھے تلاش کرتا ہے۔ آنکھیں کھولو' ہوش میں آؤ' دیکھو کہ تم کس سے آنکھیں ملانا چاہتے ہو۔

میں نے یہی تو عرض کیا تھا کہ اردو ادیب صرف بولتا ہے کہ سمندر کو کوزے میں بھر دیا مگر میرے غریب نواز نے اسے عملاً کر کے دکھا دیا۔

مجھے معاً ایک بات سطح زمین پر ابھر آئی کہ کوئی نیا تخیل' نیا نکتہ اور نئی دریافت ہو' لہٰذا مجھے اجازت دیجئے کہ وہ بات عرض کی جائے۔

اناساگر کو کوزے میں بھر تو لیا گیا مگر یہ صرف چلتا پھرتا واقعہ ہی نہیں ہے بلکہ معاندین کے ایک اہم سوال کا مسکت اور دنداں شکن جواب ہے۔ بہت ہی گوش سے سن لیجئے کہ سوال کربلا پر تھا اور جواب اجمیر سے مل رہا ہے۔

اب میں آپ کی توجہ چاہتا ہوں' ذہن و فکر کی بھرپور توانائیوں سے آنے والی گفتگو کو سماعت فرمائیں۔

حسین مظلوم تھے مجبور نہیں

ہمارا یہ کہنا ہے کہ سید الشہداء' نواسہ رسول' جگر گوشہ بتول' سیدی سرکار امام عالی مقام میدان کربلا میں "مظلوم" تھے مگر مجبور نہیں تھے' اگر پانی کے ارادے سے کربلا کی زمین پر اپنی ایڑیوں کی ٹھوکر مار دیتے تو ندیاں بہہ جاتیں' چشمے ابل پڑتے' میدان نینوا جل تھل ہو جاتا' ہر طرف پانی ہی پانی نظر آتا۔ وہ محض ولی نہیں ولی گر تھے' اگر وہ کسی مرد مسلمان پر اپنی نگاہ کرم و نظر عنایت اٹھا دیتے تو ولی بنا دیتے۔ اسی لیے تو حضرت نیاز بریلوی نے فرمایا ہے۔

اے دل بگیر دامن سلطان اولیاء
یعنی حسین ابن علی جان اولیاء

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ درسگاہ نبوت میں حسین کو صرف پڑھایا ہی نہیں گیا پلایا بھی گیا ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ میرے سرکار پڑھاتے بھی تھے اور پلاتے بھی تھے۔ اس عنوان پر میری ایک مستقل تقریر ہے۔ "درسگاہ اور خانقاہ" درسگاہ میں پڑھایا جاتا ہے اور خانقاہ میں پلایا جاتا ہے یعنی ایک عالم ظاہر کسی طالب علم کو جو علم پندرہ برس میں دیتا ہے اللہ کا ولی اگر اسی علم کو کسی کو دینا چاہے تو آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے اور کلیجے میں انڈیل دیتا ہے چونکہ درس گاہ میں پڑھایا جاتا ہے اور خانقاہ میں پلایا جاتا ہے۔

میں عرض کر رہا تھا کہ حسین کو صرف پڑھایا نہیں گیا بلکہ علم ظاہر و علم باطن پلایا بھی گیا ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کا یہ واقعہ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک بار آقائے دو جہاں نے چند صحابہ کرام کو تبلیغ اسلام کے لیے فرمایا کہ تم فلاں جگہ جاؤ تم فلاں جگہ جاؤ وغیرہ وغیرہ۔ صحابہ کرام نے انتہائی ادب و احترام سے عرض کیا یا رسول اللہ! حکم سر آنکھوں پر' لیکن سرکار ہمیں جہاں بھیج رہے ہیں ہم وہاں کی زبان نہیں جانتے' اس جانے کا حاصل کیا ہوگا۔ ع

زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم

مگر یہ حضرات رات کو سوئے اور صبح جب اٹھے تو جسے جہاں جانا تھا اسے وہاں کی زبان معلوم ہو چکی تھی۔ اس پر وہ قابو پا چکے تھے۔

marfat.com

یہی میرا مدعا ہے کہ سرکار پڑھاتے بھی تھے اور پلاتے بھی تھے۔ اس کو پڑھانا نہیں کہا جاتا اس کو پلانا کہتے ہیں۔

اب آیئے اصل مقصد پر، میں یہی تو کہہ رہا تھا کہ سرکار امام حسین ولی بھی تھے اور ولی گر بھی تھے۔ انہیں صرف پڑھایا ہی نہیں گیا بلکہ پلایا بھی گیا۔ صرف درس گاہ نبوت ہی میں نہیں درسگاہ مرتضیٰ اور تربیت گاہ فاطمہ ان سبھوں میں بھی ان کی تعلیم ہوئی ہے۔ متن درسگاہ مصطفےٰ ہے اور مرتضیٰ و بتول زہرا اس کے شروح و حواشی ہیں۔ ایسے متن کے لیے ایسے ہی حاشیہ نگاروں کی ضرورت تھی، پھر کیا کہنا اس متعلم کا جس کے معلم مصطفےٰ ہوں اور حاشیہ نگار مرتضیٰ و فاطمہ ہوں۔

اسے علم سفینہ نہیں بلکہ علم سینہ کہا جاتا ہے گویا حسین کو پڑھایا ہی نہیں جا رہا ہے بلکہ پلایا بھی جا رہا ہے۔ پھر کیا کہنا ان پلانے والوں کا جس نے اپنے کو علم کا شہر کہا اور علی کو اس کا دروازہ۔ خیال تو فرمایئے بات کہاں سے کہاں تک پہنچی۔ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ اب خیال فرمایئے بات کہاں سے کہاں پہنچی جو خود براہ راست مصطفیٰ، مرتضیٰ اور سیدہ فاطمہ سے لے رہا ہو اس کی وسعت علم کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے۔ نہ تو دینے والے میں کوئی کمی اور نہ ہی لینے والوں میں۔ کوئی پڑھا رہا ہے اور کوئی پڑھ رہا ہے۔ کوئی پلا رہا ہے کوئی سیراب ہو رہا ہے۔

ذرا غور تو فرمایئے جس کی ایک نگاہ نبوت نے سیدنا ابوبکر کو 'صدیق'... سیدنا عمر کو 'فاروق'... سیدنا عثمان کو 'غنی و سخی اور سیدنا علی کو ولی بنایا ہو، آج کیا کچھ حسین کو دیا ہوگا۔ ہم سوچتے سوچتے ختم ہو جائیں مگر اس لینے اور دینے کی تہہ تک نہ پہنچ سکیں۔

اللہ اکبر! کیا کہنا حسین کے علو مرتبت کا جس نے مصطفےٰ کی گود میں معرفت حق حاصل کی ہو اور سیدنا علی کے کاندھوں سے کائنات کی بلندی کو دیکھا اور چھوا ہو اور حضرت سیدہ فاطمہ کی چادر میں سمٹی ہوئی پوری کائنات کا مطالعہ کیا ہو۔

کوئی بدباطن اور آنکھ کا اندھا ہی کہہ سکے گا کہ حسین ولی نہیں تھے یا پھر وہ کربلا میں مجبور تھے۔

آؤ دیکھو کہ حسین کو کیسے پلایا جاتا تھا کبھی کبھی انتہائے محبت و پیار میں سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبان مبارک کو ہونٹوں سے باہر کر دیتے اور حسین اس کو چوسا کرتے۔

مجھے کہہ لینے دیجئے کہ ایک ظاہر بیں آنکھ تو صرف یہ دیکھ رہی ہے کہ نواسہ رسول، نانا کی زبان چوس رہا ہے مگر ایک حق نگر، حق شناس آنکھ اس کے سوا یہ بھی دیکھ رہی ہے زبان کون چوس رہا ہے کس کی زبان اور کون سی زبان چوس رہا ہے۔

ذہن و فکر پر دباؤ ڈالیے اور میرے جملے پر غور کیجئے کس کی زبان اور کون سی زبان ہے۔ کبھی بولے تو قرآن بن جائے اور کبھی گویا ہو تو حدیث کا سرمایہ مل جائے۔ گویا اسی ایک زبان سے دونوں چشمے پھوٹ رہے ہیں۔ اسی نوک زبان سے قرآن بھی ہے اور اسی زبان سے حدیث بھی۔ لہٰذا اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ خالی زبان نہیں چوسی جا رہی ہے، بلکہ اس کے پردے میں حکمت قرآن اور رموز احادیث پلائے جا رہے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

اب تو یقین ہو گیا ہوگا کہ امام حسین صرف ولی نہیں ولی گر تھے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ کربلا میں حسین مظلوم تھے مجبور نہیں تھے اگر وہ چاہتے تو ایڑیوں کی ٹھوکر سے میدان کربلا کو جل تھل کر دیتے۔

سوال کربلا کا جواب اجمیر سے

اس تفصیل میں کہیں میرا عنوان بھول نہ جایئے گا کہ سوال کربلا پر ہے اور جواب اجمیر سے مل رہا ہے، لہٰذا پھر اسی نقطہ آغاز پر آجایئے کہ امام کربلا میں مظلوم تھے مجبور نہیں تھے۔

ایک سوال: جب میں یہ کہتا ہوں کہ حسین مجبور نہیں تھے بلکہ مظلوم تھے تو ہمارا معاند دشمن حسین سوال کرتا ہے کہ اگر

marfat.com

حسین مجبور نہیں تھے تو علی اصغر کے لیے پانی کیوں نہ منگوایا۔ چھ مہینے کے بچے کا چہرہ اترا ہوا ہے ہونٹوں پر خشکی اور پپڑی ہے' آنکھ کے ڈھیلے ابھر رہے ہیں' گلے میں کانٹے پڑ گئے ہیں اور مجبور نہ ہوتے ہوئے بھی حسین پانی نہ منگا سکے۔

جواب: یہی تو وہ مقام ہے جہاں پہنچانے جا رہے ہیں۔ چونکہ امام حقیقت آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ میں یہاں کرامت کا مظاہرہ کرنے نہیں آیا۔ اگر کوئی کرامت دکھائی اور اس کی مدد سے کام لیا تو بات ہی کیا رہ گئی۔ زیادہ سے زیادہ باب کرامت میں دو چار کرامتوں کا مزید اضافہ ہو جائے گا۔

امام حسین کو یقین تھا کہ نانا جان کی امت پر تو یہ پہلی کربلا ہے ابھی نہ جانے کہاں کہاں دانہ پانی بند کیا جائے گا۔ اگر آج میں نے کرامت سے کام لیا اور پھر کہیں یہی حالات پیدا ہوئے تو یہ امت مسلمہ کلیجہ مسوس کر رہ جائے گی اور یہ سوچ کر اس کی ہمت پست ہو جائے گی کہ ہم میں کوئی حسین کرامت والا نہیں' لہٰذا یہ معرکہ کیسے سر کیا جائے؟

حسین اس یقین واثق کے ساتھ میدان کربلا میں ڈٹے ہوئے ہیں مادی طاقتوں کے سامنے مادی جنگ کی جائے گی۔ لہٰذا علی الرغم کھلے بند یہ کہہ دیا۔

ادھر آؤ پیارے ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

حسین کرامت والے ہیں مگر آپ کرامت دکھا نہیں رہے ہیں کہ انہیں قوم کو دستور حیات اور اصول زندگی دینا ہے۔ یعنی اے لوگو! اگر تم جینے کا ڈھنگ سیکھنا چاہتے ہو تو حسین کو فاطمہ کے آنگن میں دیکھنا اور اگر مرنے کا سلیقہ سیکھنا ہے تو حسین کو کربلا میں دیکھنا۔ میں تمہیں موت و زندگی دونوں کا سبق پڑھانے آیا ہوں۔

لیکن ہمارا معاند بہت ہی ضدی اور ہٹ دھرم ہے' ہماری اس بات پر مطمئن نہیں ہوتا۔ گلے کی رگیں پھلا کر کہتا ہے ہم یہ نہیں جانتے ہم تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اگر امام حسین کرامت والے تھے تو علی اصغر اور خیمہ کے دوسرے اعزاء و اقرباء کے لیے "پانی" کیوں نہ منگایا۔

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ میں نے یہی تو کہا تھا کہ سوال کربلا پر ہے اور جواب اجمیر سے دیا جا رہا ہے۔

اے نادانو! میرے غریب نواز نے انا ساگر کا پانی منگا کر کیا بتایا۔ یہی تو بتایا کہ اولاد حسین میں ہوں' وہ میرے باپ دادا ہی تو ہیں اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ لہٰذا تم کربلا ہی کو مت دیکھو! اجمیر بھی دیکھو کہ جب ان کا بیٹا پوتا ایسی کرامت والا ہو سکتا ہے تو ان کے اجداد و امجاد کی کرامتوں کا کیا عالم ہو گا لیکن ہمارا حریف نہ ماننے کی قسم کھائے بیٹھا ہے۔ وہ کہتا ہے ہمیں منطق و فلسفہ کی بھول بھلیاں نہیں چاہئیں' ہم تو آنکھوں کا مشاہدہ چاہتے ہیں' لہٰذا بات وہ کہو جو کلیجے میں اتر جائے۔

لہٰذا اے دوستو! ہمارے حریف کو آواز دو میں اب وہ بات کہنے جا رہا ہوں کہ ذہنوں کے زنگ آلود تالے ٹوٹ جائیں گے۔

اب میں آپ کے انصاف کا طلب گار ہوں۔ ہمارے حریف سے کہہ دیجئے کہ وہ پانی منگانا ہی مت دیکھے بلکہ یہ بھی دیکھے کہ حسین کے سامنے کون ہے اور خواجہ کے سامنے کون؟ تو اب مجھے عرض کر لینے دیجئے کہ حسین کے سامنے یہ (داڑھی پر ہاتھ پھیر کے) یعنی داڑھی والے اور خواجہ کے سامنے وہ ہیں (سر پر ہاتھ پھیر کے) یعنی اریل والے لہٰذا معلوم ہونا چاہیے کہ کرامت اریل والوں کو دکھائی جاتی ہے داڑھی والوں کو نہیں۔

سیدنا حسین پر تو یہی جلال طاری تھا کہ نانا کا کلمہ بھی پڑھتا ہے اور کرامت بھی دیکھنا چاہتا ہے' اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ سوال کربلا پر تھا اور جواب اجمیر سے مل رہا ہے۔ معذرت کے ساتھ۔

marfat.com

بات بہت پھیل گئی' میں یہ عرض کر رہا تھا کہ رسول اللہ جو دیں اسے لے لو اور سرکار جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔ اب ہمیں غور یہ کرنا ہے کہ رسول خدا نے ہمیں کیا دیا اور ہم نے کیا لیا۔ وہ کیا دیں اور ہم کیا لیں۔ کیا وہ درہم و دینار دیں تو ہم لے لیں۔ وہ زر' زمین دیں تو ہم لے لیں' باغ باغیچہ دیں تو ہم لے لیں وغیرہ وغیرہ۔

اس لیے دینے سے پہلے یہ سوچنا پڑے گا کہ منصب نبوت کیا ہے' منصب رسالت کیا ہے؟ کیا دے رسول اپنی قوم کو' اور کیا دینے آیا ہے نبی اس لیے مبعوث نہیں کیا جاتا۔ پھر وہی سوال باقی رہ گیا پھر ہم کیا لیں۔

اب مجھے کہہ لینے دیجئے کہ نبی جس چیز کو فرض کہے تم اسے فرض کہو' جسے واجب کہیں اسے واجب کہو' جسے حلال کہیں اسے حلال کہو' جسے حرام کہیں اسے حرام کہو' جسے جائز کہیں اسے جائز کہو' جسے ناجائز کہیں اسے ناجائز کہو' جسے مکروہ کہیں اسے مکروہ کہو' جسے تنزیہی کہیں اسے تنزیہی کہو' جسے تحریمی کہیں اسے تحریمی کہو' جسے مباح کہیں اسے مباح کہو' جسے مستحب و مستحسن کہیں اسے مستحب و مستحسن کہو' جسے شرک کہیں اسے شرک کہو' جسے بدعت کہیں اسے بدعت کہو۔

اس طرح کے احکام اوامر و نواہی' اصول و ضوابط خواہ وہ معاش سے متعلق ہوں یا معاد سے' کسی سے بھی متعلق ہوں ہم اس میں رسول اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ گویا شریعت محمدی کے ٹکسال کے یہ وہ کھنکھناتے سکے ہیں جسے تم من مانی استعمال نہیں کر سکتے' شرک وہیں بولو جہاں مصطفےٰ بلوانا چاہیں اور بدعت ضلالت اسے کہو جسے مصطفےٰ کہلوانا چاہیں۔ اب آپ اس اجمال کی تفصیل میں آجایئے۔

مزارات کی حاضری اعتراض و جواب

یعنی اگر کوئی خواجہ غریب نواز کی قبر اطہر پر نہیں جانا چاہتا تو اپنے نہ جانے کی دلیل میں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے آقاؤں نے مجھے روکا ہے' میری کتابوں نے مجھ پر پابندی لگائی' میرے مولویوں نے مجھے منع کیا ہے' میرا نفس اور میرا ضمیر انکار کرتا ہے۔ نہ جانے کی دلیل میں یہ ساری باتیں کہہ سکتے ہیں مگر شرک و بدعت نہیں بول سکتے یعنی شرک وہیں بولو جہاں رسول خدا بلوانا چاہیں اور بدعت وہیں کہو جہاں مصطفےٰ کہلوانا چاہیں۔ یہ تمہاری تجوری کا خانہ ساز سکہ نہیں ہے کہ اسے جہاں چاہو استعمال کر لو۔

کچھ آج ایسے لوگ بھی ہیں جو اولیائے کرام کے مزاروں پر نہ تو خود جاتے ہیں اور نہ ہی کسی کو جانے دینا چاہتے ہیں۔ جہاں دیکھئے وہ شرک و بدعت کا پٹارہ لیے بیٹھے ہیں۔ شرک و بدعت کی تفصیلی بحث تو آپ اسی عنوان کے تحت سماعت فرمایئے گا آج میں ان گرہوں کو کھول دینا چاہتا ہوں جو مزارات کی حاضری سے متعلق ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ یہ ذہن نشین کر لیں کہ مزارات پر جاتے تو ہم لوگ ہیں مگر حاشیہ یہ لگاتے ہیں۔ گویا کتاب ہماری اور ترجمہ آنجناب کر رہے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ تم ہوٹلوں میں ہمارے خلاف بولتے ہو' قہوہ خانوں میں ہماری غیبت کرتے ہو' چوراہے پر ہمارے خلاف زہر افشانی کرتے ہو' کوچہ و بازار میں ہمارے اوپر طعنے کستے ہو' اٹھتے بیٹھتے ہمیں قبر پجوا کہتے ہو' اس کے باوجود تمہارا کہنا ہے کہ ہم تو کچھ بھی نہیں کہتے۔ آخر اس الزام تراشی' بہتان بندی' غلط بیانی اور بد زبانی کے بعد تم اور کیا کرنا چاہتے ہو؟ کیا چوراہے کی جنگ لڑنا چاہتے ہو یا ہاتھا پائی کرنا چاہتے ہو؟ اور جہاں تمہارا بس چلتا ہے وہاں یہ بھی ہو رہا ہے' تمہیں شرم و غیرت آنی چاہیے۔ خالص عقیدے اور علمی مسائل کو تم نے اپنی چرب زبانی اور قوت بازو کی آزمائش گاہ میں ڈال دیا ہے۔

علاوہ ازیں یہ فرائض و واجبات کی حیثیت نہیں رکھتے۔ بعض فروعی مسائل ہیں اور تم نے انہیں اس قدر اچھال دیا کہ قوم

marfat.com

دو دھڑوں میں بٹ گئی اور ہماری اکائی دوئی سے بدل گئی' آج ان ہی مسائل کا ہر جگہ رونا رویا جارہا ہے۔

اے چشم اشک بازو ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

اے نادانو! انصاف و دیانت کا گلا مت گھوٹو' ان تمام خرافات اور الزام تراشیوں کے بعد تم یہ کہہ کر گزر جانا چاہتے ہو کہ ہم تو کچھ نہیں کہتے۔

بڑے پاک دامن بڑے نیک طینت
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

ہمارا مطالبہ : ہمارا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم تمہاری نظر میں "قبر پجوا" ہیں تو اسے گلی کوچے میں کہنے کے بجائے خود ہم سے کیوں نہیں کہتے۔ ایک بہت ہی سادہ شعر سطح ذہن پر ابھر آیا ہے سماعت فرمائیں۔

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کہا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

یہ کیا بات ہوئی کہ ہماری بات غیروں سے کہو اور ہم سے نہ کہو' لہٰذا جب بات آ ہی گئی ہے تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان کی شکایات و اعتراضات پر ایک فیصلہ کن گفتگو کر لی جائے تاکہ ذہن میں کوئی چبھتا ہوا کانٹا نہ رہ جائے۔ اب ہم تدریجاً اپنے معمولات کا سرسری جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

ایک نئی بحث کا آغاز (قبر کی حاضری اور دیگر مراسم)

قبر کی حاضری' ایصال ثواب' چادر اور پھول ڈالنا' مدد مانگنا' چادر چومنا وغیرہ وغیرہ۔

جہاں تک قبروں کی حاضری کا مسئلہ ہے "یادیں مٹائی نہ جائیں بلکہ انہیں برقرار رکھا جائے" یہ اسی گفتگو کی تفصیل ہے جو اس عنوان کے تحت آ چکی ہے۔

آپ اسے ملاحظہ فرمائیں اس میں اچھے خاصے اشارات ملیں گے جس میں' میں نے یہ واضح کیا ہے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت آمنہ کی قبر پر دیکھا۔ ہم نے سرکار دو عالم کو شہدائے احد کی قبروں پر دیکھا۔ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دیکھا کہ رسول اللہ کی قبر انور' صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی قبر اطہر پر حاضری دی۔ سید احمد کبیر رفاعی نے حاضری دی۔ حضرت امام شافعی نے حضرت امام اعظم کی قبر پر حاضری دی۔ سرکار خواجہ غریب نواز نے داتا گنج بخش لاہوری کی قبر پر حاضری دی۔ خود سرکار نے فرمایا جس نے حج کیا اور میری قبر پر حاضری نہ دی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔ سرکار نے یہ بھی فرمایا جس نے میری قبر اطہر پر حاضری دی اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی۔

لہٰذا اس مقام پر سمجھنے کے لیے یہ اشارات کافی ہیں۔ اب اس پر ہمیں گفتگو کرنا نہیں ہے۔

مغالطہ (چومنا اور پوجنا)

ان کا سب سے بڑا فریب اور مغالطہ یہ ہے کہ یہ "چومنے" کو "پوجنا" کہتے ہیں۔ خود میرا معمول ہے کہ جب میں غریب نواز کے آستانہ پر حاضری دیتا ہوں تو میں حاضری میں بلند دروازہ جو نظام حیدر آباد دکن کی غلامی کی نشانی ہے' میں اس کا پہلا زینہ

marfat.com

چومتا ہوں اور یہ رات کے اندھیرے اور کالی کوٹھڑی میں نہیں' بلکہ لاکھوں لاکھ کے مجمع میں' میں نے چوما۔ اور انہوں نے کہا پوجا۔

اب ان سے دریافت کیجئے اگر اس طرح کے چومنے کا نام پوجنا رکھ دیا جائے تو اس دنیا میں کوئی مسلمان مل سکے گا؟

واحسرتا مسلمانوں کو کافرو مشرک بنانے کا جذبہ اس قدر اپنے حدود سے متجاوز کر چکا ہے کہ اس نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی کہ حق و ناحق کا امتیاز جاتا رہا۔ اس لیے مجھے کہہ لینے دیجئے کہ پوجنا اور ہے چومنا اور ہے۔ پوجنا وہاں بولا جاتا ہے جہاں کسی کو معبود سمجھ کر حاضری دی جائے۔ خوش عقیدہ سنی مسلمان ہرچند کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتا ہے مگر وہ صاحب مزار کو اللہ نہیں کہتا بلکہ محبوب خدا کہتا ہے۔ وہ بزرگان دین کے کشف و کرامات اور ریاضت و مجاہدات کا قائل ہے مگر وہ ان کو اللہ کی مخلوق اور بندہ ہی کہتا ہے۔ وہ انہیں ہرگز ہرگز اللہ اور خدا نہیں کہتا۔ عقیدے کی اس صراحت کے باوجود چومنے کو پوجنا کہنا اسے تعصب' تنگ نظری' دلی دشمنی' الزام تراشی اور حقائق سے چشم پوشی نہ کہا جائے تو کہا کیا جائے؟

ع آواز دو انصاف کو انصاف کہاں ہے؟

یہ تو ایسا کوئی سرپھرا ہی ہو گا جو یہ کہے کہ بندہ نہیں خدا لیٹا ہوا ہے۔ یہ عقیدہ تو مسلمانوں کو ماں کی گود میں ہی مل جاتا ہے کہ اللہ حی و قیوم ہے۔ ہمیشہ سے ہے' آج ہے اور ہمیشہ کے لیے ہے۔ اللہ کی موت نہیں' جب موت نہیں تو اس کی قبر نہیں۔ جب قبر نہیں تو اس کی چادر نہیں۔ معلوم ہوا قبر اور چادر یہ خدا کے لیے ہی نہیں' بلکہ ہے تو یہ محبوب خدا کے لیے ہے۔

اتنی واضح صراحت کے بعد بھی پوجنے اور چومنے کا فرق نہ سمجھا جائے تو اس کے علاوہ اور کیا کہئے۔

یارب نہ وہ سمجھیں ہیں نہ سمجھیں گے مری بات

دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

میں نے دہلیز کو چوما' چوکھٹ کو چوما' چادر کو چوما' اس کو انہوں نے پوجنے سے تعبیر کیا۔ میں انصاف کا طلب گار ہوں اگر اس چومنے کا نام پوجنا رکھ دیا جائے تو حجر اسود بھی چوما جاتا ہے' غلاف کعبہ بھی چوما جاتا ہے' قرآن کا جزدان بھی چوما جاتا ہے' ان میں کے چومنے والے سب کے سب پجاری ہیں اور مشرک ہیں؟ بتلائیں؟؟

ایک بات یہیں واضح کردی جائے' تاکہ پوجنے اور چومنے کا فرق نمایاں ہو جائے۔

اسلام کا دور آغاز دیکھئے کہ رسول خدا نے اللہ کے گھر سے تین سو ساٹھ پتھروں کو نکال پھینکا۔ یہ سب پتھر ہی تو تھے لیکن اسی گھر میں ایک پتھر کو نصب کر دیا جسے چوما جاتا ہے۔ اب اس فرق کو واضح کیجئے کہ دونوں پتھر ہی تو ہیں مگر ایک کو نکالا گیا اور دوسرے کو جمایا گیا' نصب کر دیا گیا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو پتھر پوجا جاتا تھا اسے نکال دیا گیا اور جو چوما جاتا تھا اسے جما دیا گیا۔ جب اللہ کے گھر میں پتھر چوما جائے اور اسے پوجنا نہ کہا جائے تو غریب نواز کی چوکھٹ اور دہلیز پر چومنے کو پوجنا کیوں کر کہا جا سکتا ہے؟

چادر چومنا

خوش عقیدہ مسلمان نماز فجر کی ادائیگی کے بعد قرآن کی تلاوت کرنا چاہتا ہے تو پہلے تلاوت نہیں کرتا بلکہ اسے چومتا ہے۔ جب وہ چومتا ہے تو ہونٹ کس پر پڑتا ہے۔ آخر جزدان ہی پر تو؟ یہ کپڑا ہی تو ہے؟ تو کیا مسلمانوں کو کپڑا چومنے کا ہیضہ ہو گیا ہے؟

اگر ایسی بات ہوتی کہ ہمارا مزاج کپڑا ہی چومنے کا ہوتا تو کلاتھ مرچنٹ کے یہاں آتے اور خوب کپڑے چومتے' اپنی شیروانی

marfat.com

چومی جاتی' اپنا دامن چوما جاتا مگر ایسا نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ جزدان کو کپڑا سمجھ کر نہیں چوم رہا ہے بلکہ نسبت قرآن کو چوم رہا ہے۔ بس ایسے ہی جو مسلمان اللہ کے ولی کی قبر کی چادر چوم رہا ہے اس لیے نہیں کہ کم خواب و مخمل سمجھ کر چوم رہا ہے' بلکہ نسبت ولایت اور نسبت خواص کو چوم رہا ہے کسی کمتر اور چھوٹی شے کو جب کسی بڑی شے سے نسبت ہو جاتی ہے تو اس میں بھی بڑائی آ جاتی ہے۔

نسبت کی بحث (تعظیم' نسبت' بوسہ)

نسبت بذات خود نہ تو حسن ہے نہ قبح۔ نسبت کی اچھائی' برائی منسوب الیہ کے اعتبار سے ہے جیسے زمان' مکان نہ فی نفسہ حسن ہیں اور نہ قبیح۔ مثلاً جمعہ کا دن افضل ہے چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا دن ہے اور دوشنبہ سب سے افضل ہے چونکہ سرکار کی ولادت باسعادت کا دن ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا کہ حضور ہم دوشنبہ کو روزہ رکھیں۔ حضور نے فرمایا ہاں' چونکہ وُلِدْتُ فِیْہِ میں اسی دن پیدا ہوا ہوں۔ ایسے ہی زمین کا وہ حصہ جس سے سرکار کا جسد اطہر لگا ہے وہ کائنات کے ہر حصہ سے افضل و اعلیٰ ہے۔

(۲) سیدنا امام مالک جو اکابر محدثین سے ہیں جن کو حضور نے بطور پیشین گوئی اعلم مدینہ فرمایا ہے۔ وہ ایک مرتبہ علماء و فضلاء کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ ایک کچی اور پرانی دیوار کو دیکھ کر آپ نے بوسہ دیا۔ لوگوں کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ اس دیوار کی قدامت اور پرانا پن یہ بتلاتا ہے کہ ممکن ہے ادھر سے میرے سرکار کا گزر ہوا ہو اور سرکار نے اپنا دست کرم اس پر رکھ دیا ہو۔ اس لیے اس کو نسبت ہے میرے سرکار سے۔

(۳) حضرت علامہ جامی علیہ الرحمہ کا مدینہ کی سرزمین پر پیشاب و پاخانہ نہ کرنا اور جواب میں یہ فرمانا کہ کہیں اس مقام پر میری سرکار کا قدم ناز' زندگی مبارک میں نہ پڑ گیا ہو۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاں سرکار کا قدم ناز پڑ جائے وہاں پیشاب پاخانہ کیا جائے۔ حضرت جامی نے سرکار کا قدم نہ دیکھا تھا پھر بھی تعظیم کی یعنی صرف قدم کا تصور تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی تعظیم کے لیے دیکھنا ضروری نہیں ہے' بلکہ تصور بھی انسان کو واجب التعظیم بنا دیتا ہے مثلاً کعبہ کی تعظیم ہر شخص پر واجب ہے خواہ دیکھے یا نہ دیکھے اس لیے کہ سرکار نے فرمایا ہے کہ کوئی بول و براز کے وقت نہ استقبال قبلہ کرے اور نہ تو استدبار قبلہ۔ یہ حکم دیکھنے یا نہ دیکھنے سے متعلق نہیں ہے۔ جو لوگ تعظیم کا دار و مدار دیکھنے پر کرتے ہیں ان کی بنا پر وہی تعظیم کرے جو دیکھے صرف مکہ کے وہ لوگ جو کعبہ کی چہار دیواری دیکھیں لہٰذا قیام' میلاد میں یہ کہنا کہ کیا تم رسول کو دیکھتے ہو؟ یہ بے عقلی کی دلیل اور خلاف اصول بات ہے۔

(۴) حضرت سیدنا ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ قاضی القضاۃ نے ایک شخص کو قتل کا حکم دے دیا۔ صرف اس لیے کہ آپ دستر خوان پر بیٹھے تھے اور کدو شریف تناول فرما رہے تھے جو سرکار کی محبوب ترین غذا ہے۔ آنے والے نے کہا

لَا اُحِبُّ الْقَرْعَ۔

میں کدو کو پسند نہیں کرتا۔

کدو کے محبوب و پسندیدہ نہ ہونے پر قتل کا حکم کیوں دیا گیا۔ صرف اس لیے کہ کدو حضور کو پسند ہے۔ کدو کو سرکار سے نسبت ہے۔ "قرع" عربی زبان میں لمبے سفید کدو کو کہتے ہیں جس کو ہماری زبان میں لوکی اور کدو دونوں کہتے ہیں۔

(۵) ہدایہ جلد ثالث باب الکراہیتہ کے حاشیہ پر عبد اللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ عرب کے بدو یعنی صحرا نشین جنگل کے رہنے والے جس وقت مدینہ پاک کی طرف سفر کرتے جہاں سے سرحد مدینہ شروع ہو جاتی وہاں کی کنکریوں کو لے کر چومتے اور

marfat.com

بوسہ دیتے۔

بدویوں سے لوگوں نے دریافت کیا یہ تم کیا کر رہے ہو۔ کنکر اور پتھر چوم رہے ہو۔ فوراً ان جنگل کے رہنے والوں نے جواب دیا یہ کنکر، کنکر سمجھ کر نہیں چوما جا رہا ہے بلکہ یہاں سے مدینہ کی سرحد شروع ہو گئی ہے۔ یہاں کے ایک ایک ذرہ کو نسبت ہے میرے سرکار سے' اس لیے یہاں کا ایک ایک ذرہ اس قابل ہے کہ بوسہ دیا جائے' چوما جائے۔

(۶) سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت بیت اللہ شریف کا طواف کرنے آئے تو حجراسود کے مقابل کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تو پتھر ہے اور پتھر چوما نہیں جاتا مگر ذرا ہی دیر کے بعد حجراسود سے لپٹ گئے' بوسہ دیا۔ فرمایا کیا کروں تجھے نسبت ہے میرے سرکار سے۔

(۷) سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ وعظ فرما رہے تھے۔ درمیان وعظ میں متعدد بار کھڑے ہو گئے۔ وعظ کے بعد لوگوں نے دریافت کیا کہ کھڑے ہونے کی کیا وجہ تھی۔ تو آپ نے فرمایا: خاندان اہل بیت کا ایک چھوٹا سا بچہ کھیل رہا تھا' جب وہ ادھر سے گزرتا تھا تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا۔ یہ کیوں صرف اس لیے کہ نسبت ہے سرکار سے۔

(۸) جزدان میں لپٹا ہوا قرآن کریم جب ہاتھوں میں لیا جاتا ہے فوراً ہماری نگاہ عقیدت بوسہ دیتی ہے۔ کیوں؟ کیا اس لیے کہ ٹیری کاٹ جرمن کے کارخانہ سے بن کر آیا ہے یا اس لیے کہ یہ چھینٹ احمد آباد کے کارخانہ کی بنی ہوئی ہے یا اس لیے کہ یہ سوت بنارس میں تیار ہوا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ کپڑا اس قرآن سے لپٹ گیا ہے جو لایا ہوا ہے محمد رسول اللہ کا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)۔ نسبت پیدا کرلی ہے قرآن نے مصطفےٰ کریم سے۔

(۹) جزدان ہٹا کر دفتی چومتے ہیں صرف اس لیے کہ لپٹ گئی ہے قرآن مصطفےٰ سے۔

(۱۰) ایسے ہی ایک انسان خواجہ غریب نواز و شہنشاہ بغداد کے دربار اقدس میں حاضر ہوتا ہے تو مزار مبارک کی چادر کو چومتا ہے' بوسہ دیتا ہے۔ حسین و خوبصورت و قیمتی کپڑا سمجھ کر نہیں صرف اس لیے کہ اس کو شہنشاہ بغداد و سلطان الہند سے تعلق ہو گیا ہے۔ یہ ثمرہ ہے نسبت کا۔

نکتہ: یہ تو دو نگاہوں کا فرق ہے کہ کس کی نگاہ صرف خواجہ کے روضہ مبارک کی اینٹ اور پتھر دیکھتی ہے اور کس کی حقیقت شناس نگاہ کنکر و پتھر کو چوم کر خواجہ کی روحانیت کو دیکھتی ہے۔ یہ تو نگاہ کا فرق ہے۔

(۱۱) ادائیگی مستحب کے لیے محبت کی ضرورت ہے۔ محبت خود ایک مستقل قانون ہے اس کو دوسرے قانون کی حاجت نہیں ہے۔ فرائض و واجبات اور سنن کے لیے مار پیٹ دھمکی کی ضرورت پڑی ہے مگر مستحب کے لیے صرف محبت کی ضرورت ہے۔

یہ قصہ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیاں ہوا وہ آغاز باب تھا

marfat.com

حضرت مولانا حضور احمد منظری خطیب جامع مسجد شاہجہانپور

عقیدۂ توسل

قرآن و حدیث کی روشنی میں

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات احکم الحاکمین ہے۔ تمام تر حاکیت اور کبریائی اسی کے لیے زیبا ہے۔ ایک تنہا اسی کی حکومت ہے جو کائنات کے ایک ایک ذرے پر جاری و ساری ہے۔ وہی ایک ایسا ازلی و ابدی آقا ہے جس کا دربار تمام درباروں سے زیادہ پروقار' بارعب اور جاہ و حشمت والا ہے۔ وہ ایسا رحیم و کریم ہے جس کے رحم و کرم کی بارش سے پرستاران معبودان باطل بھی محروم نہیں۔ ہاں اس رحیمی و کریمی کے ساتھ ہی ایسا قہار و جبار بھی ہے کہ اس کی شان حاکیت کے آگے اس سرائے فانی کے جلیل القدر شہنشاہوں کو بھی چون و چرا کی جرات نہیں۔ جس کے قہر و غضب کا تصور اقلیم روحانیت کے تاجداروں کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ ایسے حاکم مطلق ایسے لافانی اور ابدی آقا ایسے خدائے قہار و جبار کی بارگاہ میں باریابی کی سعادت کے لیے' عرض مدعا کے لیے' حاجات کی برآری کے لیے ایک بندۂ ناچیز' ایک عبد خاطی' ایک غلام ناتواں "وسیلہ" نہ تلاش کرے تو پھر چارۂ کار ہی کیا ہے اور یہ تلاش وسیلہ تو خود اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کے حکم کی عملی شکل ہے۔ اسی تعمیل حکم کا نام تو اطاعت خداوندی اور توحید پرستی ہے۔

رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی' عرض مدعا اور حوائج و مقاصد کے حصول کی غرض سے اعمال انبیاء و مرسلین اور صالحین علیہم السلام کو وسیلہ بنانا عقلاً قیاساً اور نقلاً تو ثابت ہے ہی۔۔۔ اس پر خلافت راشدہ سے لے کر اب تک صحابہ کرام' تابعین عظام' ائمہ و فقہاء' علماء و مشائخ اور تمام خوش عقیدہ مسلمانوں کا عمل بھی رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب بھی مسلمانوں پر خشک سالی یا ایسی کوئی بھی آسمانی بلا نازل ہوئی ہے' تو انہوں نے انبیاء و مرسلین و صالحین علیہم السلام کے وسیلہ سے دعائیں مانگی ہیں اور انہیں کامیابی ملی ہے۔

مگر اب ایک طبقہ مصر ہے کہ صرف "اعمال صالحہ" کو وسیلہ بنایا جائے۔ کسی نبی یا ولی کی ذات کو وسیلہ بنانا (نعوذ باللہ) شرک اور بنانے والا مشرک ہے۔

زیر نظر مضمون جو وسیلہ کے جواز و اثبات میں ہے' اہل نظر کے لیے انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا اور وہ بڑی ہی آسانی کے ساتھ یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔۔۔ توسل کی دو قسمیں ہیں:

marfat.com

(۱) توسل بالعمل
(۲) توسل بالذات

توسل بالعمل

یعنی حاجات و مقاصد کی بر آری کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا بالاتفاق جائز اور مشروع ہے اور اس کے ثبوت میں دونوں ہی فریق "حدیث الغار" کو بطور سند پیش کرتے ہیں--- جب قسم اول کا جواز ہر دو فریق کو مسلم ہے تو پھر اس پر بحث و مذاکرہ سعی لاحاصل ہوگا۔ اس لیے توسل بالعمل سے صرف نظر کرتے ہوئے ساری توجہ توسل بالذات کے بحث و جواز کی طرف مرکوز کی جارہی ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت کر دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ زیر نظر مضمون حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم صاحب ہزاروی مدظلہ العالی کے رسالہ نافعہ "التوسل" مطبوعہ ترکی سے استفادہ کر کے سپرد قلم کیا گیا ہے۔ لیکن اہل نظر سے ملتجیانہ درخواست ہے کہ اگر اس میں کہیں کوئی لغزش نظر آئے تو میری طرف سے جانیں اور اس کی تصحیح فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

توسل کی لغوی تعریف

اَلتَّوَسُّلُ لُغَةً جَعْلُ الشَّیْءِ وَسِیْلَةً وَتَسَبُّبًا لِحُصُوْلِ الْمَقْصَدِ۔

لغت میں توسل کے معنی ہیں کسی چیز کو مقصد کے حصول کے لیے وسیلہ اور سبب بنانا۔

توسل کی اصطلاحی تعریف

فِیْ اِصْطِلَاحِ الشَّرْعِ جَعْلُ الشَّیْءِ الَّذِیْ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ قَدْرٌ وَّمَنْزِلَةٌ وَسِیْلَةَ الْاِجَابَةِ الدُّعَاءِ فَمَا لَهٗ قَدْرٌ وَّ مَنْزِلَةٌ عِنْدَ اللّٰهِ فَالتَّوَسُّلُ بِهٖ جَائِزٌ وَّحَسَنٌ ذَاتًا كَانَ اَوْعَمَلًا صَالِحًا○

اصطلاح شرع میں توسل کے معنی ہیں اجابت دعاء کے لیے اس چیز کو وسیلہ بنانا جو اللہ کے نزدیک قدر و مرتبہ والی ہو۔ پس ہر وہ چیز جو اللہ کے نزدیک قدر و منزلت والی ہو اس کو وسیلہ بنانا جائز اور مستحسن ہے خواہ وہ چیز ذات ہو یا عمل صالح۔

اس اصطلاحی تعریف سے ہی اس امر کی بخوبی صراحت ہو جاتی ہے کہ توسل صرف عمل صالح ہی سے جائز نہیں بلکہ ذات سے بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ ذات اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت والی ہو اور ظاہر بات ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے بڑھ کر کون لوگ بلند درجات و مراتب والے ہیں اور ان سارے انبیاء و مرسلین علیہم السلام میں ہمارے آقا و مولیٰ سرور کائنات فخر موجودات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے زیادہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت اور عظمت و فضیلت والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ آپ پر سلسلہ نبوت کو ختم کیا۔ آپ کے سر اقدس پر تاج شفاعت رکھا۔ عرش کی بلندیوں پر آپ کو ہم کلامی اور قربت خاص کا شرف بخشا۔ آپ کی تعظیم و توقیر اور اطاعت و اتباع کو ساری امت مسلمہ کے لیے لازم قرار دیا۔ طٰہٰ و یٰسین اور مدثر و مزمل کے القاب حمیدہ سے نوازا۔ بلکہ آپ کو ساری کائنات کا ملجا و ماویٰ اور جامع الصفات بنایا۔ جب سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبوبیت و افضلیت مسلم الثبوت ہے تو پھر حصول مقاصد کے لیے بارگاہ خداوندی میں آپ کو بالخصوص اور دیگر انبیاء و مرسلین علیہم السلام، اولیاء کرام اور

marfat.com

صالحین امت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو وسیلہ بنانا بلاشبہ جائز، مشروع اور عین اسلامی فعل ہے۔

وسیلہ اور قرآن

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔ (مائدہ)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ (کنز الایمان)

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کی تفسیر یوں فرمائی ہے۔

وَهِيَ شَامِلَةٌ لِلذَّوَاتِ وَالْأَعْمَالِ لِأَنَّ الْوَسِيلَةَ كُلُّ مَا يُتَوَسَّلُ بِهِ أَيْ يُتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى اللّٰهِ۔ (تفسیر کشاف، زمخشری م ۵۳۸ھ)

یعنی وسیلہ ذات اور اعمال دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ وسیلہ ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوسکے۔

بالعموم مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ وسیلہ سے مراد قربت ہے، اور قربت، یا تو مقرب اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی قریب کرنے والا۔ ہے، اور مقرب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے جو یہاں مراد نہیں، لہٰذا لامحالہ قربت بہ معنی مقرب کی نسبت اس سب کی طرف جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی کا ذریعہ بن سکے اور یا تو قربت، مقرب اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی وہ چیز جسے اللہ کی بارگاہ میں قرب نصیب ہو چکا ہے۔ پس قربت دونوں معنیٰ میں ذات اور عمل دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ دونوں ہی قرب الی اللہ کا سبب اور مقرب بارگاہ خداوندی ہوتے ہیں۔ یوں بھی زیر نظر آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو مطلقاً وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم دیا ہے۔ پھر اس کو بغیر کسی مستند اور قابل قبول دلیل کے محض عمل صالح کے ساتھ مقید کرنا، توسل بالذات کے اعتقاد کو کفر و شرک بتلانا، نیز اس کے معتقد کو کافر و مشرک قرار دینا کہاں تک روا، درست اور مبنی بر انصاف ہے؟

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔

اور وہ (یہود) اس سے پہلے اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔ (کنز الایمان)

تفسیر: سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول سے قبل یہود اپنی حاجتوں کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے۔ دعا اس طرح کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْأُمِّيِّ۔

یعنی یارب! ہمیں نبی امی کے صدقے میں فتح و نصرت عطا فرما۔ (خزائن العرفان)

حاکم نے مستدرک میں، ابو نعیم نے دلائل النبوت میں، ابن جریر نے تفسیر ابن جریر میں، مجاہد نے تفسیر مجاہد میں، زمخشری نے تفسیر کشاف میں، فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں، حافظ ابن کثیر نے تفسیر ابن کثیر میں اور سید محمود آلوسی نے روح المعانی میں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) زیر نظر آیت مبارکہ کی الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ یوں تفسیر کی ہے۔

كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ بِرَسُولِ اللّٰهِ قَبْلَ مَبْعَثِهِ۔

یہود اوس و خزرج پر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ان کی بعثت سے قبل فتح کی دعا مانگتے تھے۔

زیر نظر آیت کو سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات اقدس و اطہر کو ان کی بعثت سے قبل وسیلہ بنانے کے باب میں ناقابل تردید ثبوت اور دلیل کا درجہ حاصل ہے۔ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ تفاسیر مذکورہ سے ظاہر ہے۔ یہود اپنی حاجتوں کے لیے جنگوں میں دشمن پر فتح یابی کے لیے، و جملہ مقاصد جلیلہ کے حصول کے لیے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

marfat.com

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے اور اس وسیلہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے دامن مراد کو گوہر مراد سے بھر دیا کرتا تھا۔ یہود کا یہ فعل اس وقت کا ہے جبکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث نہ فرمائے گئے تھے اور نہ ہی قرآن حکیم نازل کیا گیا تھا۔

اس سے پتہ چلا کہ اگلی امتیں بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو اجابت دعا اور حصول مقاصد و حاجات کے لیے وسیلہ بنایا کرتی تھیں اور اس کو جائز، مشروع اور عین اسلامی فعل تصور کرتے تھے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ۔ (بنی اسرائیل)

وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں، وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں حضرت عزیر علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان مقبول بندوں کی طرف اشارہ ہے جنہیں کفار و مشرکین پوجتے تھے۔ چنانچہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی جہالت و ضلالت کا راز طشت از بام فرمایا کہ تم انہیں پوجتے ہو جو خود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ کے متلاشی ہیں۔ خوب اچھی طرح جان لو کہ وہ ہستیاں ہرگز عبادت اور پرستش کے لائق نہیں جو خود بارگاہ خداوندی میں باریابی و رسائی کے لیے نیز مقاصد و حاجات کی برآری کے لیے وسیلہ ڈھونڈیں؟ لائق عبادت تو صرف وحدہ لاشریک ہے جو بندوں کی دعاؤں کو سننے اور قبول فرمانے والا ہے۔

زیر نظر آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ خود اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی بھی یہ سنت رہی ہے کہ وہ کرامت و فضیلت، زہد و اتقاء اور فضل و کمال میں اپنے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے محبوب و مقرب بندوں کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔

احکم الحاکمین کے ان ارشادات عالیہ سے روز روشن سے بھی زیادہ عیاں ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک طرف جہاں اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے، وہیں انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے۔

وسیلہ اور حدیث

اجابت دعاء، حصول مقاصد، آفات سماوی سے نجات اور بارگاہ رب العزت میں تقرب و رسائی کے لیے اللہ کے محبوب حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وسیلہ بنانا جس طرح قرآن حکیم سے ثابت ہے اسی طرح حدیث سنت اور اجماع صحابہ و تابعین سے بھی ثابت ہے اور ایسا ثابت ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی چون و چرا، قیل و قال اور اگر مگر کی گنجائش نہیں۔

حدیث اعمیٰ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا ایسا تیر بہدف نسخہ ہے کہ جس کے استعمال سے چشم زدن میں مرادیں پوری ہو جاتی ہیں، چنانچہ عہد رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ایک نابینا صحابی کو آپ کے وسیلہ سے دعا کرنے سے فوراً بینائی کی دولت نصیب ہو گئی۔ مکمل حدیث پیش خدمت ہے۔

marfat.com

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ملتجیانہ عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ میری عافیت و بینائی کے واسطے دعا فرمادیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو دعا کر دوں اور تم چاہو تو صبر کرو--- یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا کہ دعا فرمادیجئے۔ اس پر آپ نے اسے حکم دیا کہ خوب اچھی طرح وضو کرو--- دو رکعت نماز ادا کرو اور پھر اس طرح دعا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِمُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ تُقْضٰی اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ۔

(سنن ابن ماجہ باب صلوۃ الجمعۃ ص۹۹)

اے اللہ! بیشک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تیری طرف متوجہ ہوں۔ اے محمد! بیشک میں اپنی اس حاجت میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔ تاکہ وہ حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ! تو میرے لیے انہیں شفیع بنادے۔

"طبرانی کی روایت میں ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پس خدا کی قسم! ہم جدا نہیں ہوئے اور نہ حدیث بیان ہوئے زیادہ عرصہ گزرا کہ وہ نابینا شخص داخل ہوا، اس حالت میں کہ اس کی بینائی واپس آچکی تھی۔ گویا وہ کبھی نابینا تھا ہی نہیں"۔

اس حدیث کو پندرہ سے زائد محدثین کرام نے اپنی اپنی مستند کتابوں میں جگہ دی ہے اور تقریباً سبھی محدثین کرام نے اس حدیث کو حسن و صحیح بتایا ہے۔ جن میں امام ترمذی، امام بخاری، امام مسلم اور امام اسحٰق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ اگر بالفرض اس حدیث میں کسی قسم کا ضعف اور سقم ہوتا تو اتنے سارے محدثین کرام اس حدیث کو بغیر جرح و تنقید کے نقل کر دیتے؟ قطعاً ایسا ممکن نہ تھا--- بہرکیف! اس حدیث پاک سے واضح طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ توسل بالذات جائز ہے۔ اس لیے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نابینا صحابی کو دعائے حاجت میں اپنی ذات شریفہ کو وسیلہ بنانے کا حکم فرمایا۔ اگر ذات کو وسیلہ بنانا مشروع نہ ہوتا بلکہ کفر و شرک ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اس دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لیے تشریف لائے تھے، نابینا صحابی کو اپنی ذات شریفہ کو وسیلہ بنانے کا حکم کیوں فرماتے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہاں اس امر کی صراحت بھی ضروری ہے کہ نابینا صحابی کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو دعا تعلیم فرمائی ایسا نہیں ہے کہ اس کی تاثیر صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری ہی کے ساتھ مخصوص تھی جیسا کہ بعض منکرین وسیلہ کا گمان ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد اس پر عمل پیرا نہ ہوتے۔

قصہ حضرت عثمان بن حنیف

مشہور محدث علامہ طبرانی نے اپنی کتاب معجم میں روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں آپ کے پاس ایک ضرورت لے کر حاضر ہوتا تھا لیکن آپ امور خلافت میں اس درجہ منہمک ہوتے تھے کہ اس کے حال کی طرف متوجہ نہ ہو پاتے تھے۔ خلیفہ وقت کی اس بے التفاتی سے وہ شخص کبیدہ خاطر ہو کر ایک روز

marfat.com

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گیا اور ان سے شکایت کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے اس سے فرمایا کہ خوب اچھی طرح وضو کرو اور مسجد میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرو' پھر اس طرح دعا مانگو:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیۡکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ نَبِیِّ الرَّحۡمَۃِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیۡ تَوَجَّھۡتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیۡ فَیَقۡضِیۡ۔

اور پھر اپنی حاجت ذکر کرو۔ اس شخص نے جاکر آپ کی تعلیم پر عمل کیا اور پھر شام کو دارالخلافہ کی طرف چل پڑا۔ جب وہ شخص خلیفہ سوم کے دروازے پر پہنچا تو دربان نے اس کا ہاتھ تھام کر بلا تاخیر خلیفہ وقت کے روبرو پیش کر دیا۔ آپ نے اسے اپنے روبرو فرش پر بٹھایا اور اس سے اس کا حال دریافت کیا۔ اس شخص نے اپنی حاجت پوری فرمادی اور فرمایا کہ تو نے اپنی حاجت بیان کرنے میں کافی تاخیر کی۔ آئندہ جب بھی کوئی حاجت پیش آئے میرے پاس لے کر آؤ۔ وہ شخص ہنسی خوشی وہاں سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور بولا "اللہ آپ کو جزائے خیر دے جب تک آپ نے امیرالمومنین سے گفتگو نہ فرمائی' میری طرف توجہ نہ فرمائی اور نہ میری ضرورت پوری کی"۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا "میں نے ان سے تمہارے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی ہے"۔

اس واقعہ کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں' منذری نے الترغیب والترہیب میں' حافظ نورالدین ہیثمی نے مجمع الزوائد میں' امام تقی الدین سبکی نے شفاء السقام میں' محمد عبدالرحمٰن نے تحفۃ الاحوذی میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے الجامع الصغیر و خصائص الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔ اتنے سارے مستند و معتمد محدثین و مفسرین کا اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں نقل کرنا اس کی صداقت کا کھلا ہوا ثبوت ہے' لہٰذا اس واقعہ سے یہ بات سامنے آگئی کہ اعمیٰ کو تعلیم دی گئی' دعائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاثیر صرف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری تک مخصوص نہ تھی۔ اگر مخصوص ہوتی پھر حضرت عثمان بن حنیف حاجتی شخص کو اسی راز میں دعا کی تلقین نہ کرتے اور نہ ہی اس کا خاطر خواہ فائدہ ظاہر ہوتا۔

حضرت عباس کا وسیلہ

اوپر ذکر کی گئی حدیث اعمیٰ اور قصہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تو یہ ثابت ہوا کہ وسیلہ بنانا جس طرح آپ کی حیات ظاہری میں موثر اور جائز تھا' اسی طرح آپ کے وصال فرما جانے کے بعد بھی موثر اور جائز ہے۔ اب ذیل میں ایک ایسی حدیث پاک تحریر کی جارہی ہے جس میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعائے استسقاء میں وسیلہ دیا گیا ہے۔ حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تھے تو حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے دعا مانگا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیۡکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسۡقِیۡنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسۡقِنَا فَیُسۡقَوۡنَ۔ (بخاری باب الاستسقاء ص ۱۳۷)

یعنی اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اس وقت تو ہم کو بارش سے سیراب فرماتا تھا اور اب ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں لہٰذا تو ہم کو سیراب فرمادے۔ تو لوگ سیراب کر دیئے جاتے تھے۔

حضرت علامہ عینی نے تحریر فرمایا ہے کہ ابوصالح کی روایت کردہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

marfat.com

نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ منبر پر کھڑا کیا اور پہلے خود اس طرح دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا تَوَجَّھْنَا اِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّکَ فَاسْقِنَا الْغَیْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِتِیْنَ۔

اے اللہ! ہم سب تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں' لہٰذا تو ہم لوگوں کو بارش سے سیراب فرمادے اور ہم کو ناامید نہ فرما۔

اس کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے ابوالفضل! آپ بھی دعا مانگیے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ لَمْ یُنْزَلْ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَمْ یُکْشَفْ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَقَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْکَ بِمَکَانِیْ مِنْ نَبِیِّکَ وَھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْکَ بِالذُّنُوْبِ وَنَوَاصِیْنَا بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا۔

یااللہ! ہر بلا گناہوں کے باعث ہی اتاری جاتی ہے اور بغیر توبہ کے کوئی بلا دفع نہیں کی جاتی۔ ساری قوم میرے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوئی ہے 'کیونکہ مجھ کو تیرے نبی سے ایک خاص تعلق ہے۔ یہ ہمارے گناہگار ہاتھ اور ہمارے توبہ کرنے والی پیشانیاں تیرے حضور میں حاضر ہیں لہٰذا تو ہم لوگوں کو سیراب فرمادے۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا کے بعد پہاڑوں کی طرح بدلیاں ہر چہار طرف سے آگئیں اور خوب بارش ہوئی یہاں تک کہ زمین سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہو گئی۔ (حاشیہ بخاری ص ۱۳۷)

حضرت یزید بن اسود جرشی کا وسیلہ

ابن سعد نے طبقات میں جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۴۴۴ پر ابو الیمانی سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل دمشق استسقاء کے واسطے نکلے۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر چڑھے تو کہا کہ یزید بن اسود جرشی کہاں ہیں؟ راوی نے کہا کہ پس لوگوں نے انہیں آواز دی تو وہ آگے تشریف لائے اور امیر معاویہ نے انہیں منبر پر چڑھنے کے لیے کہا۔ وہ منبر پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا مانگی:

اَللّٰھُمَّ نَسْتَشْفِعُ اِلَیْکَ الْیَوْمَ بِخَیْرِنَا وَاَفْضَلِنَا اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَشْفِعُ اِلَیْکَ بِیَزِیْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ الْجُرَشِیِّ۔

یااللہ ہم تیری بارگاہ میں سب سے افضل اور بہتر کو شفیع بنا رہے ہیں۔ یااللہ! ہم تیری بارگاہ میں یزید بن اسود جرشی کو شفیع بنا رہے ہیں۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یزید بن اسود جرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے یزید! آپ اپنے ہاتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند کیجئے۔ پس یزید بن اسود جرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور حاضرین نے اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور دعا کی۔ دعا کرتے ہی مغرب سے بادل اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر چھا گئے۔ پھر ہم ایسا سیراب ہوئے کہ قریب تھا کہ لوگ (جل تھل ہو جانے کے باعث) اپنے گھروں کو نہ پہنچتے۔

اس واقعہ کو ابو اسحاق ابراہیم بن محمد شیرازی نے المھذب میں' امام نووی نے تہذیب الاسلامۃ واللغات اور شرح مھذب میں' محمد بن عبدالرحمٰن نے تحفۃ الاحوذی میں نقل کیا ہے۔ یہ سارے علمائے کرام اپنے اپنے وقت کے عظیم و جلیل امام اور

marfat.com

مرجع خلائق تھے۔ ان کا اس واقعہ پر اعتماد' واقعہ کی صداقت کا بین ثبوت ہے۔ ان روایات و واقعات سے پتہ چلا کہ بوقت دعا بارگاہ رب العزت میں انبیاء علیہم السلام اور اس کے برگزیدہ و مقبول بندوں کو وسیلہ بنانا جائز' مشروع اور عین اسلامی فعل ہے اور اس پر صحابہ کرام' تابعین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع اس لیے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت صحابہ کی موجودگی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت کے روبرو حضرت یزید اسود جرشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنایا۔ اگر صالحین کو وسیلہ بنانا جائز نہ ہوتا یا یہ شرک و کفر ہوتا جیسا کہ منکرین کا عقیدہ ہے تو صحابہ کرام کا دونوں حضرات کے اس طرز عمل پر خاموش رہنا ممکن نہ تھا۔ ان کا خاموش رہنا توسل بالذات کے اثبات و جواز کا بین ثبوت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی سنت

سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنا یہ حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ اے اللہ! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے میری لغزش معاف فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! تم نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا؟ جبکہ میں نے ابھی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پیدا بھی نہیں فرمایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا! الہ العالمین! جب تو نے مجھ کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے جسد خاکی میں روح ڈالی اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے پایوں پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا دیکھا۔ اس طرح میں نے جان لیا کہ وہ ذات جس کے نام کو تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے وہ تیرے نزدیک مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تو نے سچ کہا' بیشک میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اپنی مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے دعا کی ہے' تو میں تیری لغزش کو معاف کرتا ہوں۔ اے آدم! سن لو! اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں کسی چیز کو پیدا نہ فرماتا۔ (المستدرک کتاب التاریخ جلد ۲ ص ۶۱۵)

اقوال سلف اور وسیلہ

اسلاف کرام کے اقوال و ارشادات اس باب میں بے حد و بے شمار ہیں۔ بہت سے صفحات گزشتہ میں مذکور ہو چکے ہیں جو قلب و اذہان کی بند کھڑکیوں کو قبولیت حق کے لیے کھول دینے کے لیے کافی ہیں تاہم چند ایسی مایہ ناز' بلند پایہ اور بلند قامت ہستیوں کے اقوال و ارشادات مزید لکھے جاتے ہیں' جو پوری ملت اسلامیہ کے نزدیک اپنے فضل و کمال' زہد و تقویٰ اور کشف و کرامات کے باعث واجب الاحترام اور لائق تعظیم و توقیر ہیں۔

خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم متوفی ۴۰ھ

امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر قحط سالی کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی۔ آپ کے دعا فرماتے ہی آسمان پر بادل چھا گئے اور موسلادھار بارش

marfat.com

شروع ہوگئی۔ اس وقت آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ابو طالب ہوتے تو ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی۔ کون ہے جو ہمیں ان کا قول سنائے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا آپ کا قصد ان کے اس شعر سے ہے۔

وَابیض یَسْتَسْقی الْغَمَام لِوَجْہِہٖ
ثِمَال الْیَتٰمٰی عصمۃٌ لارامِلٖ

وہ گورے مکھڑے والا جس کے روئے زیبا کے واسطے ابر رحمت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست!

یہ سن کر حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے چمک اٹھا۔ (الجامع ج ۱ ص ۱۳۷)

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۱۷۹ھ

حضرت قاضی عیاض مالکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی شفاء میں اسناد صحیح کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ جب عباسی خلیفہ منصور حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر روضہ پاک کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اس نے مسجد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا کہ اے ابو عبداللہ! میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگوں یا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر؟ آپ نے فرمایا: اے خلیفہ! تم اپنے چہرے کو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کیسے پھیر سکتے ہو جبکہ وہ تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی وسیلہ ہیں۔ لہٰذا تم روضہ مقدسہ کی طرف رخ کر کے رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مغفرت کی دعا مانگو اور ان کو بارگاہ الٰہی میں اپنا شفیع بناؤ۔ تو خداوند کریم ان کے وسیلہ سے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔ (شفاء السقام ص ۱۵۶)

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۱۵۰ھ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مسند کے کتاب الحج میں نافع سے اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ سنت یہ ہے کہ تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آؤ اور اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف کر لو اور اپنا چہرہ قبر انور کی طرف پھیر لو۔ پھر کہو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

حضرت امام کمال الدین ہمام حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۸۶۱ھ

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی حاجت پیش کرے، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کرے اور اس طرح عرض کرے۔

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اَتَوَسَّلُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ۔

یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے شفاعت کی درخواست کرتا ہوں اور یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ بناتا ہوں۔

(فتح القدیر، جلد ۲، ص ۳۳۷)

marfat.com

حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۲۰۴ھ

حافظ ابوبکر خطیب بغدادی--- رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی معرکۃ الاراء کتاب التاریخ کی جلد نمبرا کے صفحہ نمبر ۱۲۳ پر سند صالح کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ

"امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن دنوں بغداد میں ہوتے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بناتے تھے۔ چنانچہ وہ آپ کے مزار پر تشریف لاتے' زیارت کرتے' سلام کرتے پھر قضائے حاجات کے واسطے آپ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعا کرتے"۔

اس واقعہ کو علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۹۲۳ھ) نے بھی اپنی کتاب الخیرات الحسنات میں صفحہ نمبر ۶۹ پر نقل کیا ہے۔

علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے ہی اپنی تصنیف لطیف الصواعق المحرقہ میں صفحہ نمبر ۱۸۰ پر حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ شعر بھی نقل کیا ہے جس میں آپ نے اہل بیت نبوت کو وسیلہ بنایا ہے۔

آلُ النَّبِيِّ ذَرِيْعَتِيْ وَهُمْ وَسِيْلَتِيْ
اَرْجُوْا بِهِمْ اُعْطِي غَدًا بِيَدِ الْيُمْنِ صَحِيْفَتِيْ

آل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ مجھے امید ہے کہ ان کے وسیلے سے کل بروز قیامت میرا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۲۴۱ھ

حضرت علامہ یوسف نبہانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۵۰ھ) نے شواہد الحق میں ص ۱۶۶ پر یہ روایت نقل کی ہے کہ

"ایک مرتبہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنایا تو آپ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن احمد بن حنبل کو آپ کے اس فعل پر تعجب ہوا تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے لیے سورج کی طرح ہیں اور بدن کے لیے عافیت کی طرح"۔

حضرت امام نووی رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفی ۲۴۱ھ

آپ کتاب الاذکار کے باب الاذکار فی الاستسقاء میں رقمطراز ہیں کہ

"مستحب ہے کہ جب لوگوں میں کوئی شخص صلاح و تقویٰ میں مشہور ہو تو اس کے وسیلہ سے بارش سے سیراب ہونے کی دعا کریں اور کہیں کہ

اِنَّا نَسْتَسْقِيْ وَنَسْتَشْفِعُ اِلَيْكَ بِعَبْدِكَ فُلَانٍ

یعنی اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے فلاں بندے کے وسیلہ سے بارش سے سیراب ہونے کی دعا کرتے ہیں۔

جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت یزید بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دعائے استسقاء فرمائی"۔

حرف آخر

قرآن کریم' حدیث و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب

marfat.com

بندوں کو وسیلہ بنانا قطعاً جائز، مشروع اور عین اسلامی فعل ہے۔ لہٰذا وہ شخص جو ایسا عقیدہ رکھے تو یقیناً اس کا ایمان بحمدہ تعالیٰ کامل ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے نزدیک اس کے اعمال مقبول و محمود ہیں' اس لیے کہ وہ اپنے اعتقاد و اعمال میں اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطیع و فرماں بردار ہے اور قرآن کریم کے مطابق جس نے اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کی' وہ کامیابی سے ہمکنار ہوا اور ایسے ہی وہ شخص بلاشبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام' صدیقین' شہداء اور صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے راستے پر ہے جس پر رب کائنات نے انعام واکرام فرمایا اور اس میں قطعاً کسی قیل و قال کی گنجائش نہیں کہ جو شخص ایسی مقدس جماعت کے راستے پر گامزن ہو وہ صدق و صواب پر ہے؟ کیونکہ یہی حق و ایمان کا معیار ہے اور وہ شخص جس نے کہا کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی مقدس ذاتوں کو وسیلہ بنانا شرک ہے اور اس کا معتقد مشرک ہے تو اس نے اللہ کی' اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تکذیب کی اس لیے کہ شرک اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کسی کو شریک ماننے یا اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہرانے کا نام ہے اور توسل نہ تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی اس کے افعال سے' بلکہ یہ خاص بندوں کی خصوصیات سے ہے اور جس کا حق ہونا ناقابل تردید حقائق و شواہد اور دلائل و براہین سے ثابت ہو چکا ہے مگر--- آہ وہ کیسے عقل کے یتیم' نور بصیرت سے محروم' شعور ایمانی سے بے بہرہ اور ازلی تیرہ بختی کا شکار ہیں جو سورج سے بھی زیادہ روشن و تابناک صداقت کو تسلیم کرنے سے گریز کر رہے ہیں اور اپنے اس عقیدۂ باطلہ پر کہ "عقیدۂ توسل بالذات شرک ہے" قائم ہیں اور اس بات پر مصر ہیں کہ صرف اعمال صالحہ ہی کو وسیلہ بنایا جائے۔

اور اللہ رب العزت کے وہ عظیم المرتبت' جلیل القدر بندے جن کی مقبولیت و محبوبیت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر ہے' ان کو وسیلہ بنائے جانے کو شرک ٹھہرایا جائے؟ یہی وہ مقام ہے جب یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

marfat.com

حضرت مولانا سید سعادت علی قادری (ہالینڈ)

نبی امی

نبی کا امی ہونا ہرگز عیب نہیں!

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○

آپ فرمادیجئے' بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف' وہ اللہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے' نہیں کوئی معبود سوائے اس کے' وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے' پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے' جو خود ایمان لایا ہے اللہ پر' اور اس کے کلام پر اور تم پیروی کرو' اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔

(پ ۹' الاعراف: ۱۵۸)

قرآن کریم نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو حکم دیا کہ آپ تمام انسانوں کے لیے اپنی بعثت رسالت عامہ کا اعلان فرما دیجئے' اور پھر دعوت عام دی' خدا پر اور اس کے بھیجے ہوئے "نبی امی" پر ایمان لانے کی' ان کی اتباع و پیروی کی' کہ ہدایت و کامرانی کا یہی واحد ذریعہ ہے۔

یعنی جو نبی پچھلوں کی طرح' کسی خاص دور اور مخصوص قوم کا ہادی و رہبر نہیں' بلکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی نجات اور فلاح و بہبود' اسی کے دامن سے وابستہ ہے' اس اعتبار سے اس کی ذمہ داریاں' بہت زیادہ' اور دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کی بڑی خوبی (مجبوری نہیں) یہ ہے کہ وہ "امی" ہے' نبی بھی ہے' امی بھی ہے' بات بڑی عجیب سی ہے کیونکہ نبی کے معنی خبر دینے والا "نباء" سے بنا ہے جس کے معنی "خبر" ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ○ عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ○ الَّذِي هُمْ فِيهِ مُخْتَلِفُونَ ○

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کیا "وہ" اس بڑی اور "اہم" خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔

(پ ۳۰' النباء: ۱-۲-۳)

پس معنی کا مقتضی یہ ہے کہ نبی علم والا ہو' نبی' امی کیسے ہو سکتا ہے' یہ تو تضاد ہے۔

marfat.com

نیز نبی کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ وہ قوم کا رہبر، رہنما ہوتا ہے۔ قوم کو احکام الٰہی بتاتا، پیغام الٰہی سناتا، حکمت و دانش کی باتیں سکھاتا ہے، انسانیت کو اعلیٰ اقدار کی تعلیم دیتا ہے، نبی کی بتائی ہوئی ہر بات پر عمل کرنا قوم کے لیے لازمی ہوتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے۔ (پ ۵، النساء: ٦٤)

پس منصب نبوت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نبی علم والا ہو جبکہ وہ نبی جس کی ذمہ داریاں دیگر انبیاء سے بہت زیادہ ہیں ان کی رسالت عام ہے، سب کے سردار بھی ہیں اور آخر بھی کہ اب ان کے بعد کوئی نہیں آنے والا۔ دروازۂ نبوت بند ہو چکا ہے، اب تو قیامت تک آنے والوں کو صرف انہیں کی بات ماننی ہے، انہیں پر ایمان ذریعہ نجات ہوگا۔۔۔ انہیں کی اتباع و پیروی سے کامیابی و کامرانی ہے۔ امن و سکون کی زندگی انہیں کے دامن سے وابستہ ہے۔ خدا تک رسائی کا یہی واحد سہارا ہیں لیکن عجیب بات ہے ''امی'' ہیں۔

امی کے معنی ''ان پڑھ'' کے ہیں۔ ''ام'' سے بنا ہے جس کے معنی اصل کے ہیں۔ امی یعنی وہ شخص جو اپنی اصل پر رہا، جیسا پیدا ہوا وہ ویسا ہی رہا، نہ دنیا کے استادوں سے کچھ سیکھا نہ کتابوں سے پڑھا۔ ان پڑھ ہی آیا ویسا ہی رہا ویسا ہی گیا۔ اہل عرب اکثر ان پڑھ ہی تو تھے جن میں یہ نبی امی مبعوث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ وہی اللہ جس نے امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا۔ (پ ۲۸، الجمعہ: ۲)

اُمِّیّٖن کا نبی بھی ''امی'' تو وہ ان پڑھوں کی رہنمائی کیسے کرے گا؟ انہیں تو نور علم کی ضرورت ہے کہ وہ تاریکی سے نکل سکیں پس نبی کا امی ہونا بڑا ہی عجیب ہے۔

واقعی میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ''امی'' ہی ہیں، کون انکار کر سکتا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا ہے، متعدد بار آپ کو ''امی'' کہا ہے۔ جب بھیجنے والا ہی امی کہتا ہے تو ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

مکہ کا بچہ بچہ جانتا ہے اور مانتا ہے کہ عبداللہ کا یتیم بیٹا، آمنہ کا جگر گوشہ، عبدالمطلب کا پوتا، ابو طالب کا بھتیجا جو قریشی ہے، ہاشمی ہے باپ اور ماں دونوں ہی کی طرف سے، اعلیٰ خاندان والا، اچھی نسل والا ہے لیکن ''امی'' ہے کبھی کسی نے ان کو مدرسہ و مکتب جاتے نہ دیکھا۔

مکہ میں فصحاء اور اہل زبان کم نہ تھے لیکن کسی نے نہ کہا کہ آج کا نبی کل تک ہمارا شاگرد تھا، کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استاد ہونے کا دعویٰ کرتا، سب نے مانا کہ وہ ''امی'' ہیں، نہ لکھ سکتے ہیں نہ پڑھ سکتے ہیں۔

نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارکہ سے کلام الٰہی سنا تو انکار کیا، حکمت و دانش کی باتیں سنیں تو مجنون و دیوانہ کہا اس ہی لیے کہ امی سے کون ایسی باتوں کی توقع کر سکتا ہے۔

ہم ہرگز انکار نہیں کرتے، مانتے ہیں اور فخر کے ساتھ مانتے ہیں کہ جس کی غلامی کا ہمیں شرف حاصل ہے وہ ''امی'' ہے، لاکھوں سلام ہو نبی ہاشمی امی لقب پر۔

ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کا ''امی'' ہونا بڑا عجیب ہے کہ یہ ان کا معجزہ ہے، اگر عجیب نہ ہوتا تو معجزہ کیسے ہوتا، پھر منکرین کو ان کی تلاوت آیات تعلیم کتاب و حکمت پر حیرت کیسے ہوتی ہے۔ بلاشبہ ان کا امی ہونا بہت ہی عجیب ہے، بہت بڑا معجزہ ہے، دلائل نبوت میں سے ایک اہم دلیل ہے جس نے اس کو سمجھ لیا اس کے لیے ایمان قبول کرنا مشکل نہ رہا۔

marfat.com

ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ امی ہونا ان پڑھ ہونا کوئی خوبی نہیں' مدح نہیں' عیب ہے لیکن امیین کے لیے رسول کے لیے نہیں ہرگز نہیں۔ یہ قاعدہ کلیہ غلط ہے کہ ایک عیب سب ہی کے لیے عیب ہو۔ دھوکا دینا کتنا بڑا عیب ہے لیکن مجاہد کے لیے نہیں دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے یہی عیب مجاہد کا کمال ہے' کسی کو قتل کرنا' تکلیف پہنچانا بلاشبہ عیب ہے لیکن قاتل کو قتل کرنا' چور کے ہاتھ کاٹ دینا' مجرم کو سزا دینا ہرگز عیب نہیں۔ پس ہر عیب سب کے لیے عیب نہیں۔

امی ہونا ضرور عیب ہے لیکن میرے رسول کے لیے نہیں۔ کیا تکبر عیب نہیں' بہت بڑا عیب ہے متکبر کی عبادت بھی قبول نہیں ہوتی۔ خدا تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ○

انہیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے کہ تم سب ہمیشہ اسی میں رہو گے' پس مغروروں کا کتنا برا ٹھکانا ہے۔ (پ ۲۴' الزمر: ۷۲)

کتنا بڑا عیب ہے تکبر لیکن صرف انسانوں کے لیے خدا کے لیے نہیں' اس کی خوبی ہے' اسی کے شایان شان ہے' جیسا کہ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَدْخَلْتُهُ النَّارَ۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تکبیر میری چادر ہے اور بڑائی میرا تہبند۔ جس نے کسی ایک کو بھی ان میں سے چھینا چاہا میں اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ (مسلم)

متکبر ہونا ہمارے لیے یقیناً عیب ہے لیکن خدا کے اسمائے حسنیٰ میں ایک نام متکبر ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ۔ (پ ۲۸' الحشر: ۲۳)

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں سب کا بادشاہ' نہایت مقدس' سلامت رکھنے والا' امان بخشنے والا' نگہبان' عزت والا' ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا متکبر ہے۔

پس امی ہونا عیب ہے' لیکن عام انسانوں کے لیے رسول کے لیے ہرگز نہیں۔ رسول کے تو عین شایان شان ہے کیونکہ منصب رسالت کی ذمہ داریاں اتنی دشوار ہیں کہ ان کو دنیا والوں سے علم حاصل کر کے پورا نہیں کیا جا سکتا' اس کے لیے توسیع علم ناگزیر ہے۔

مقام نبوت کوئی ایسا مرتبہ یا عہدہ نہیں جو انسان کو اپنی کوشش و کاوش یا محنت سے حاصل ہوتا ہو' نہ ہی اس کی بنیاد علم' تقویٰ یا پرہیزگاری ہے بلکہ یہ خالصتاً خدائی عطیہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی عالم ارواح میں ایسی روحوں کو منتخب و متعین فرما دیا جن کو مقام نبوت دینا مقصود تھا حتیٰ کہ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت کو تسلیم کرانے' ان کی عظمت کو اجاگر کرنے اور ان کی قیادت و سیادت منوانے کا عہد بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے عالم ارواح میں لیا گیا۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي

اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تشریف لائے جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی تمہارے پاس ہو تو تم ضرور ایمان لانا اس پر' اور ضرور اس کی مدد کرنا' فرمایا

marfat.com

قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ O (پ ۳ آل عمران: ۸۱)

کیا تم نے اقرار کرلیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ اٹھالیا۔ سب نے عرض کی کہ ہم نے اقرار کرلیا فرمایا: تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔

اور پھر اللہ تعالیٰ ہر نبی کو اس کے لیے مقررہ دور میں اس کی مخصوص امت کی طرف مبعوث فرماتا رہا' یہاں تک کہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ان کے بعد نہ کوئی آیا نہ آسکتا ہے۔ نہ وہاں کوئی باقی رہا جو آئے اور جس کو زندہ واپس بلالیا وہ اپنی عمر طبعی پوری کرنے اور خدا کی قدرت کا کرشمہ دکھانے ضرور آئے گا لیکن نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ سید الانبیاء کے امتی کی حیثیت سے' انہیں کا کلمہ پڑھتے ہوئے آئے گا' انہیں کے دین کی خدمت کرتے ہوئے آئے گا اور اس عہد کی تکمیل کا شرف حاصل کرے گا جو اس نے دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ عالم ارواح میں کیا تھا۔ وہ واحد انسان ہے جس کو نبی اور سید الانبیاء کا امتی ہونے کا شرف ملا۔

غرض! یہ کہ نبوت انسان کا اپنا حاصل کردہ منصب نہیں جس کی عظیم ذمہ داریاں انسان کے اپنے حاصل کردہ علم سے پوری ہوسکیں' یہ تو خدائی عطیہ ہے اس کے لیے خدائی صلاحیتوں کی ہی ضرورت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو مبعوث فرمانے سے پہلے ہی ان کی ضرورت کے مطابق تمام صلاحیتیں بھی عطا فرمائیں یہاں تک کہ کوئی نبی کسی اعتبار سے امتی کا محتاج نہ رہا اور نہ ہی وہ کسی صلاحیت میں امتی سے کسی بھی طرح کم رہا کہ نبوت کے اعلیٰ منصب کے شایان شان نہیں۔

بلاشبہ نبی کا امی ہونا عجب بات ہے لیکن عیب ہرگز نہیں کہ اگر نبی کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے نبوت عطا فرمانے والا رب علم عطا نہ فرماتا تو امی ہونا ضرور عیب ہوتا' لیکن رب نے تو نبی پر یہ کرم فرمایا کہ اسے اس دنیا کے ناقص علم والے استادوں اور کتابوں سے بے نیاز کرکے امی ہی رکھا لیکن خود ایسا علم عطا فرمایا کہ ہر نبی اپنی امت کا معلم بنا۔ ایسا معلم کہ کسی نبی کے علم کا مقابلہ اس کا کوئی امتی نہ کرسکا' ایسا معلم کہ علم کا نور صرف نبی ہی کی تعلیم کے ساتھ خاص ہوگیا کہ جس نے بھی مدرسہ نبی کو چھوڑ کر دنیا والوں سے علم حاصل کیا وہ بھٹکتے ہی رہے' منزل نہ پاسکے اس ہی لیے نبی کی اتباع و پیروی ذریعہ ہدایت قرار پائی۔

بہرکیف! سنت الہیہ یہ قائم ہوئی کہ اس نے اپنے ہر نبی کو دنیا کے استادوں اور کتابوں سے آزاد اور الفاظ و حروف کی پہچان و تحریر سے بے نیاز کرکے اس کی ضرورت اور مرتبہ کے مطابق خود ہی علم عطا فرمادیا' پس لفظ نبی کے معنی کا تقاضا بھی پورا ہوگیا اور منصب نبوت کے تقاضا کی بھی تکمیل ہوگئی اور نبی امی ہی رہا' کیسا قابل تعریف و مدح ہے نبی کا امی ہونا عیب ہرگز نہیں۔

ہر نبی کو اس ہی سے علم ملا جس سے تاج نبوت ملا لیکن میرے رسول النبی الامی کی بات ہی نرالی ہے۔ نہ کسی کو ان جیسی نبوت ملی نہ ان جیسا علم' نبوت ایسی کہ جس کا دائرہ اولین و آخرین تمام نوع انسان کا احاطہ کیے ہوئے تو علم ایسا کہ اس کی کنہ و تہہ کا پتا لگالینا کسی امتی کے بس کی بات نہیں' بس دینے والے نے جتنا بتادیا ہمیں اتنا ہی پتہ ہے۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا O

اور اتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اور سکھادیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔ (پ ۵' النساء: ۱۱۳)

ہے کوئی دنیا کا استاد جو اتنا دے سکے' بھیجنے والے نے اتنا دیا کہ امی نے پچھلوں کا حال بھی بتادیا اگلوں کا بھی' جو ہوچکا اس کو بھی جان لیا اور جو ہوتا رہے گا وہ بھی معلوم ہوگیا' وہ آسمانوں کے اوپر کی باتیں بھی جان گئے اور زمین کے نیچے کی بھی' امی ہیں

marfat.com

لیکن کوئی جھجک نہیں کہ معلوم ہونے کا دعویٰ کریں۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ بے شک میں معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

امی بھی اور معلم بھی، کوئی حیرت نہیں۔ جس نے بھیجا اس ہی نے سکھایا۔ اس نے گوارہ نہ فرمایا کہ اس کا بھیجا ہوا کسی کا شاگرد کہلائے، دوسروں سے علم کی بھیک مانگ کر نبوت کی اہم ذمہ داریوں کو پورا کرے اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے نبی کو کسی بھی معاملہ میں دنیا والوں کا محتاج نہ بنایا۔

دشمن کا ڈر ہوتا ہے تو لوگ کیسے محافظین کے محتاج ہوتے، نہ جانے کس کس کی پناہ تلاش کرتے اور کیسی کیسی حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہیں۔ میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ دشمنوں کی یلغار کس پر ہوئی لیکن بھیجنے والے نے کسی کا محتاج نہ کیا، خود اعلان فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں سے۔

(پ ۶، المائدہ: ۶۷)

لوگوں نے کیا کچھ نہ کیا اور کیا کچھ نہ چاہا، لیکن بھیجنے والے نے ایسی حفاظت کی کہ بال بیکا نہ کر سکے۔ ہجرت کی شب جب چاروں طرف سے گھیراؤ ہو چکا تو کس نے حفاظت کی، غار ثور کے منہ پر دشمن آ کھڑے ہوئے تو ان کے منہ کس نے پھیرے، غزوۂ احد میں دشمن ٹوٹ پڑے تو کس نے بچایا۔ کیا میرے نبی نے مدد کے لیے کبھی کسی کو پکارا، انہوں نے تو پہاڑوں کے فرشتے کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔ وہ کسی کے محتاج کیوں ہوں، بھیجنے والا جو ان کا کفیل ہے، وہ ہمارا بھی کفیل ہے کوئی شک نہیں لیکن واسطوں اور وسیلوں سے، نبی کا کفیل بلاواسطہ، بلاوسیلہ، نبی تو واسطہ اور وسیلہ بننے، سہارا دینے آیا، واسطہ وسیلہ لینے اور سہارا مانگنے نہیں۔

پس حصول علم میں وہ کسی کا محتاج کیوں رہے، بھیجنے والے نے امی ہی رکھا اور خود استاد یا کہ کوئی اور کیا دیتا۔ نبی کو دینے کے لیے کسی کے پاس کیا رکھا ہے، سب تو اس کے در کے بھکاری ہیں۔ شاہ ہو یا گدا، سب ہی نبی سے مانگتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُعْطِي وَاَنَا قَاسِمٌ۔ اللہ دیتا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔

نہ دینے والے کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہ بانٹنے والے کے، وہ دیتا ہے یہ بانٹتے ہیں۔ سب ان سے ہی مانگیں جو چاہیں مانگیں یہ دیں گے، دینے ہی کے لیے تو آئے ہیں۔ بھیجنے والے نے اپنے علم کا بھی ان پر کھول دیا ہے، ہر قسم کا علم دیا ہے دنیا کا بھی دین کا بھی۔ دنیا کی کامیابی چاہو تو ان کے علم سے رہنمائی حاصل کرو، آخرت کی نجات چاہو تو انہیں کے علم سے استفادہ کرو۔

اب جو علم کا متلاشی ہے آئے اس امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں علم سیکھے۔ ایسا علم جس کا نور کبھی نہ بجھنے پائے، ایسا علم جس سے کائنات کے سارے حجاب اٹھ جائیں۔ سارا عالم روشن ہو جائے، دنیا کی ساری عظمتیں سمٹ کر قدموں میں آ پڑیں۔ آخرت کی نجات کی ضمانت مل جائے۔ جسے نور علم لینا ہے آئے وہ اس امی کے قدموں میں، غریب ہو تو امیر ہو جائے، غلام ہو تو آقا بن جائے، غیر مہذب مرکز تہذیب بن جائے، بدو حکمراں بن جائے، امی ہو تو معلم بن جائے۔ بڑی تاثیر ہے اس امی کی تعلیم میں۔

امی، امیوں میں مبعوث ہوا تو جاہلوں نے اس کو امی ہی جانا، اس نے خدا کی آیات سنائیں تو انہوں نے انکار کیا، اس نے حکمت و دانش کی باتیں بتائیں تو انہوں نے مجنون و دیوانہ کہا، اس نے ان درندہ صفتوں کو مہذب انسان بنانا چاہا تو انہوں نے اینٹ و پتھر سے جواب دیا۔

لیکن نبی امی جو معلم بن کر آیا تھا وہ بارہ سال تک مصائب و آلام سے پر، ناسازگار ماحول میں تعلیم دیتا رہا، ظلم و ستم کرنے والے

marfat.com

تھک جاتے' پر وہ ایک دن نہ تھکا۔ کیسے تھکتا' نہ تو اس نے دنیا والوں سے علم حاصل کیا تھا اور نہ ہی وہ دنیا کے کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تعلیم دیتا تھا۔ اس نے جس سے علم لیا بس اس ہی کی رضا کے لیے وہ اپنا کام کرتا رہا اور پھر اس ہی نے مدد کی۔

جب مدد کا دروازہ کھلا تو خوب مدد ہوئی۔ اس معلم کے مکتب میں علم کے پیاسے آنا شروع ہوئے۔ ایک نوجوان نے پہل کی' آگے بڑھ کر شمع علم تھاما تو وہی علم کا دروازہ بنا۔

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا۔ میں شہر علم اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

پھر اس مکتب امی میں خوش نصیب داخل ہوتے ہی رہے۔ شمع علم نے انہیں ایسا منور کیا کہ ہمیشہ کے لیے چمکتے دمکتے تارے بن گئے۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ۔ میرے صحابہ چمکتے تارے ہیں۔

اور چند ہی دن گزرے' مبتدی ای انتہا کو پہنچے اور امت مسلمہ کے مقتدیٰ قرار پائے۔

تاریخ شاہد ہے' احادیث کے اوراق ناطق ہیں کہ اس معلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیسے کیسے لوگوں کو کیسا بنا دیا' جو کچھ نہ تھے انہیں کیا کچھ نہ کر دیا۔ حبشی غلام بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موذن اول بن کر اللہ اکبر کی صدا ایسی بلند کی کہ آج تک گونج رہی ہے اور کوئی قوت نہیں جو قیامت تک بلال کی اس آواز کو دبا سکے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کریم کے سب سے بڑے مفسر قرار پائے۔ ۸۴۸ احادیث کے راوی ہوئے۔ علم و حکمت کا ایک عظیم پہاڑ تھے۔ کوفہ میں قیام کے دوران اہل کوفہ کے ہر گھر میں شمع علم کو ایسا روشن کیا کہ کوفہ نور سے چمک اٹھا اور اہل علم کی بستی بن گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے محدث کہ کوئی ان کی روایت حدیث کا مقابلہ نہ کر سکا۔ جب کسی صحابی کو کسی حدیث میں شک ہوتا تو ابو ہریرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تسلی کر لیتے۔ آپ نے کل ۵۳۶۴ احادیث بیان کیں۔ شاید ہی حدیث کی کسی کتاب کا کوئی ورق ہو جو ابو ہریرہ کے نام سے خالی ملے۔

حضرت ابو بکر' عمر' عثمان' علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی امی کے خلفا قرار پائے جنہوں نے اپنے ادوار میں صرف امور خلافت ہی کو بحسن و خوبی انجام نہ دیا بلکہ دنیا کو حکومت کرنے اور ملک کا نظم و نسق چلانے کا ڈھنگ سکھا گئے۔ ہر کوئی جانتا اور مانتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسلامی مملکت کے حدود کتنے وسیع و عریض تھے' آج تک کسی ملک کے حدود فاروق اعظم کی مملکت اسلامیہ کا مقابلہ نہ کر سکے' آج کی دنیا کے یہ چھوٹے چھوٹے ملک کیسی بدامنی اور بدحالی کا شکار ہیں۔ وسائل کی کمی نہیں پھر بھی حکام کے بس میں کچھ بھی نہیں۔ رابطہ کے لیے آلات کی کمی نہیں' پھر بھی حکام کو اپنی قوم کی خبر نہیں' وہ کیا جانیں کون بھوکا سویا' کون سوتا مر گیا۔ انہیں کیا خبر کس کی دولت لٹ گئی' کس کی عزت و آبرو پر ڈاکہ پڑ گیا۔ یہ حکام تو بڑی بڑی یونیورسٹیوں سے پڑھ کر آئے ہیں۔ انہوں نے کتنے استادوں سے پڑھا اور نہ جانے کتنی کتابوں کا مطالعہ کر ڈالا لیکن کیا کیا اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ استاد بھی ناقص' خود بھی ناقص' اگر کسی کو کچھ بننا تھا تو نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوتا' ان کے علم سے فیض یاب ہوتا تو بن جاتا' ایسے ہی جیسے فاروق اعظم بن گئے۔ دیکھو وہ کیسے بنے کہ مسجد نبوی کے فرش پر بیٹھے دنیا کے سب سے بڑے حصہ پر حکومت کر رہے ہیں' کیا مجال کہیں کچھ ہو جائے اور کچھ ہو تو اس کی خبر امیر المومنین کو نہ ہو۔ اگر رات کی تاریکی میں کوئی دودھ میں پانی ملائے تو عمر جان لیں' اگر بھوک سے کسی کے بچے بلبلائیں تو عمر کو پتہ چل جائے۔ اگر لشکر اسلام کا سردار ذرا غلطی کرے تو امیر المومنین اس کو متنبہ کر دیں۔ رنگ' نسل' زبان و مذہب کی تفریق کے باوجود پوری قوم کو اللہ کی رسی میں ایسا جکڑا ہوا ہے کہ نہ معاشی بدحالی ہے نہ سیاسی افراتفری' بس امن ہے سکون ہے۔ سب آرام کی نیند سوتے ہیں

اور محنت کی روزی کماتے ہیں۔

غرض! یہ کہ جو اس مکتب میں آیا وہ کیا کچھ نہ بنا' بننے والے بعد میں بھی بنتے رہے اور قیامت تک بنتے رہیں گے۔ امام ابو حنیفہ' امام شافعی' امام مالک' امام حنبل' امام ابو یوسف' امام بخاری' امام غزالی اور نہ جانے کون کون۔ تاریخ اسلام قابل فخر مقدس ہستیوں کے ناموں سے بھری پڑی ہے' یہ سب کچھ تھے یا نہیں' ضرور تھے' کوئی انکار نہیں کر سکتا' سب ان کا احترام کرتے ہیں' سب ان کے گن گاتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ یہ سب کیسے بنے' سوچتے تو ضرور وہیں پہنچتے جہاں یہ سب بنے' افسوس ہم ہی نہ بنے اور نہ بن سکتے ہیں۔ کیسے بن سکتے ہیں ہمیں تو نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات سے نفرت ہے' ہم تو ان مدرسوں کو حقیر جانتے ہیں جو آج بھی نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کے گہوارہ ہیں' ہم تو ان لوگوں کو خوار سمجھنے لگے جو آج بھی علم نبوی کے وارث ہیں' ہم تو ان کی صحبت میں بیٹھنا یا اپنے بچوں کو ان سے پڑھوانا کسر شان سمجھتے ہیں تو ہم کیا بن سکتے ہیں۔ ہم تو مغربیت زدہ یونیورسٹیوں ہی کو مرکز علم مانتے ہیں' ہم مغربی تہذیب کی تقلید ہی کو اپنی ترقی کا ذریعہ سمجھتے ہیں' ہم غیروں کے در سے بھیک مانگنا اپنے شایان شان سمجھنے لگے تو ہم کیا بن سکتے ہیں۔ جو خود کو نہ بنا سکے وہ ہمیں کیا بنائیں گے۔ یقین کیجئے' ہمیں ترقی کی منزل تک وہی پہنچا سکتا ہے جس نے امیوں کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ امن و سکون کی زندگی اسی کی تعلیمات سے نصیب ہو سکتی ہے۔ جس نے جاہلوں' ظالموں' لٹیروں اور ڈاکوؤں کو امن و سکون سے رہنے کا ڈھنگ سکھا دیا۔

کبھی سوچا ہم نے کہ چالیس برس سے ہم مسلمانوں کی آبادی میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں' مصلحتوں اور حکمتوں پر غور کر رہے ہیں' تدبیریں تلاش کر رہے ہیں۔ حصول منزل کے لیے نہ جانے قوم کے کتنے وسائل صرف کر چکے ہیں لیکن اب تک نشان منزل نظر نہ آیا۔ کیوں؟ کیا ہمارا حال امیوں سے بھی زیادہ بدتر ہو گیا' جنہوں نے صرف تیئس سال میں اسلامی زندگی کو قبول کر لیا تھا۔ دنیا کے سامنے اسلامی نظام کی عملی صورت پیش کر دی تھی۔ سب سے بڑی اسلامی حکومت قائم کر کے دنیا کے سارے نظاموں اور ازموں کو جھوٹا' باطل ثابت کر دکھایا تھا اور ہم ہیں کہ دنیا کو ایک چھوٹی سی اسلامی حکومت کا نمونہ نہیں دکھا پا رہے ہیں۔ کیوں؟ صرف اور صرف اس لیے کہ ہم اسلامی حکومت کے نفاذ کا ذمہ دار صرف اس طبقہ کو سمجھ بیٹھے ہیں جو اقتدار میں ہے اور ہم پر حکومت کر رہا ہے' جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام دوسرے نظاموں اور ازموں کی طرح حکومت کے ایوانوں سے نہیں' بلکہ مسلمانوں کے گھروں سے نافذ ہوتا ہے۔

بلاشبہ اسلامی نظام ہماری منزل ہے لیکن اس منزل کو ہم ہرگز نہیں پا سکتے جب تک ہم انفرادی طور پر اپنی ذمہ داری کو پورا نہ کریں اور ہماری انفرادی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے علم رسول کے وارث علماء کو اپنا معلم تسلیم کریں' جب ہمارے گھروں میں شمع علم روشن ہو گی تو ہمارے محلے' شہر اور پورا ملک خود نور سے چمک اٹھے گا اور وہ عزت و عظمت' جاہ و جلال' امن و سکون ہمارے قدموں میں ہو گا جو نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے فیض یاب ہونے والوں کا مقدر رہے۔

غرض یہ کہ کائنات کو علم کے نور سے روشن کرنے والا امی ہے۔ جس کی تعلیمات آج بھی مینارۂ رشد و ہدایت ہیں۔ دیکھئے تو اس نے کیسی کیسی گر کی باتیں سکھائیں' وہ فرماتے ہیں:

- تم میں سے مجھے وہ شخص پیارا ہے۔ جس کا اخلاق اچھا ہو۔
- بد خلق' بد خو اور سخت گو شخص جنت میں داخل نہ ہو گا۔
- اللہ فحش بکنے والے بیہودہ گو کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔

marfat.com

○ کسی نیکی کو بھی معمولی نہ سمجھو، خواہ یہی ہو کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو۔

○ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

○ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے، ہمارے بڑوں کی عزت و توقیر نہ کرے اور برائی سے منع نہ کرے۔

○ ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا سبب ہوگا۔

○ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

○ اہل ایمان میں سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کی عادت سب سے اچھی ہو اور وہ اپنے گھر والوں پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔

○ بہترین دوست خدا کے نزدیک وہ ہے جو اپنے دوستوں کے لیے بہترین ہو اور بہترین پڑوسی خدا کے نزدیک وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہترین ہو۔

○ ایک سوراخ سے مومن کو دوبار نہیں کاٹا جاتا۔

○ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر۔

○ فحش جس چیز میں ہوگا اسے عیب دار کردے گا اور حیا جس چیز میں ہوگی اسے زینت دے گی۔

○ مسلمان پر لعنت بھیجنا اسے قتل کردینے کے مانند ہے اور مسلمان پر کفر کا الزام لگانا بھی اسے قتل کردینے کے مانند ہے۔

○ بہترین عمل خدا کے واسطے محبت اور خدا کے واسطے مخالفت ہے۔

○ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا بہت بڑا جہاد ہے۔

○ جس نے اپنے مسلمان بھائی کو جان بوجھ کر ایسی بات کا مشورہ دیا جو اس کے لیے مفید نہ ہو اس نے بددیانتی کی۔

○ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

○ فقیر جنت میں امیروں سے پانچ سو برس پہلے جو قیامت کا آدھا دن ہوگا، داخل ہوں گے۔

○ انسان کی عادتوں میں سے دو بہت بری عادتیں ہیں، ایک انتہا درجہ کا بخل، دوسری بزدلی۔

○ جو شخص جھوٹ بولتا ہے اس سے رحمت کے فرشتے ایک میل دور ہو جاتے ہیں، اس بدبو کی وجہ سے جو جھوٹ سے پھیلتی ہے۔

○ تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

○ سب سے بڑا سود کسی مسلمان کی ناحق آبروریزی ہے۔

○ جو مسلمان مجھ سے اس بات کا وعدہ کرے کہ وہ اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان والی چیز اور دونوں ٹانگوں کے درمیان والی چیز کی حفاظت کرے گا تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

○ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو تعصب پر آمادہ کرے، اور نہ وہ ہماری جماعت میں ہے جو تعصب کی وجہ سے لڑے، اور نہ ہی وہ ہماری جماعت میں ہے جو تعصب کی حالت میں مرے۔

○ بے حیائی ہر چیز کو بھدا کردیتی ہے اور حیا ہر چیز کو زینت دیتی ہے۔

نبی امی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ چند ارشادات بطور نمونہ پیش کیے گئے جو آپ کی موثر تعلیم کا اندازہ لگالینے کے

لیے کافی ہیں۔ کیسی کیسی حکمت و دانش کی باتیں وہ بتاتے ہیں۔ یہی وہ تعلیم ہے جن پر عمل کرنے والوں نے عزت و عظمت بھی پائی اور امن و سکون کی زندگی بھی اور قیامت تک آنے والے مسلمان جب بھی اس نبی امی کی باتوں پر عمل پیرا ہوں تو آپ کی تعلیم ان کی فلاح و بہبود کی ضامن ہے۔ فداہ ابی و امی۔

مسلمان کو ترقی کی راہ صرف عبادات کی ظاہری پابندی سے نہیں ملتی' بلکہ اس کے لیے اسلامی معاشرے کی تعمیر ضروری ہے۔ بداخلاقی' بدکرداری' بے حیائی' بدگمانی' بدگوئی' ترش روئی' الزام تراشی' رشوت ستانی' بداعتمادی' باہمی منافرت' صوبائی و لسانی عصبیت' حسد' کینہ' بغض' غیبت' بخل اور دولت سے محبت' سود خوری' تجارت و معاملات میں مکر و فریب اور بدعہدی' حکومت و اقتدار کی ہوس' غیروں کی تقلید اور ان کی تہذیب کو پسند کرنے کا رجحان' اپنے اسلاف کی باتوں کو حقیر اور غیروں کی باتوں کو موقر جاننا یہ اور اس قسم کے تمام عیوب معاشرے کے لیے کینسر سے زیادہ مہلک ہیں کہ اگر مسلمان ان میں مبتلا ہو جائیں تو ان سے اسلامی معاشرے کی تعمیر کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ عیوب ہم میں موجود ہیں یا نہیں' اس کا اندازہ تو ہر شخص اپنی صحت دیکھ کر یا اپنے گریبان میں جھانک کر کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بات یقینی ہے کہ ان امراض کا علاج نہ تو ان حکماء' دانشوروں' فلسفیوں کے پاس ہے اور نہ ہی مغربی انداز کی درس گاہوں اور یونیورسٹیوں میں ہے' نہ دنیا کے قانون ان بیماریوں سے چھٹکارا دلا سکتے ہیں اور نہ حکام کی تدبیریں اور سخت سزائیں جرائم کا خاتمہ کر سکتی ہیں۔

معاشرے کے ان زہریلے مہلک کیڑوں کو ختم کرنے کا بس واحد ذریعہ اس نبی امی کی تعلیم کو اپنانا ہے جو امیوں میں معلم بنا کر بھیجا گیا' جس نے ان امیوں کو چند ہی دن میں معلمین کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا جس نے تخریب کاروں کو تعمیر معاشرے کا ڈھنگ سکھا دیا' اس کی تعلیم ہمیں بھی ہلاکت و بربادی سے نجات دلائے گی۔ اس قابل بنائے گی کہ ہم اپنے معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھال سکیں اور امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔

پس عید میلاد النبی سے بہتر کون سا موقع ہو سکتا ہے کہ ہم نبی امی کی پیدائش پر اظہار مسرت کرتے ہوئے نور نبی کے ظہور کی خوشی میں اپنے گھروں پر چراغاں کرتے ہوئے ایک عہد کریں' ایسا عہد جو کبھی ٹوٹنے نہ پائے' ایک ناتہ جوڑیں ایسا جو کبھی نہ چھوٹنے پائے کہ

اے نبی امی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے یوم پیدائش کے مقدس موقع پر ہم آپ سے عہد کرتے ہیں اپنے دلوں کو آپ کے نور علم سے چمکانے کا ہم ناتہ جوڑتے ہیں' آپ سے آپ کی تعلیمات پر عمل کرنے کا۔

پس اے آقا! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی ہماری دستگیری و رہبری فرمائیے کہ ہمیں اس عہد کو پورا کرنے کی توفیق اور اس ناتہ کو مضبوط کرنے کی قوت نصیب ہو کہ آپ ہی کمزوروں بے سہاروں کا سہارا ہیں۔

لَعَلَّ رَحۡمَةَ رَبِّیۡ حِیۡنَ یَقۡسِمُهَا
تَاتِیۡ عَلٰی حَسَبِ الۡعِصۡیَانِ فِی الۡقِسَمِ
رحمت حق ہوگی جب تقسیم مجھ کو ہے امید
مرے عصیاں سے سوا ہوگا مرے رب کا کرم

وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیۡرِ خَلۡقِهٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔

marfat.com

حافظ ملت حضرت مولانا عبد العزیز صاحب علیہ الرحمہ بانی اشرفیہ مبارکپور

فرقہ ناجیہ

بہتر (۷۲) اور تہتر (۷۳) فرقوں کی وضاحت قرآن وسنت کی روشنی میں

فرمان خداوندی وارشاد نبوی یقیناً ہدایت و صراط مستقیم ہے۔ اس پر جو شخص ایمان لاکر ثابت قدم رہے گا وہ یقیناً مومن ہے اس لیے کہ نجات ابدی و سعادت سرمدی ہے اگرچہ مدعیان اسلام کے تمام فرقے قرآن وحدیث پر ایمان وعمل کے دعویدار ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث پر پورے طور پر ایمان رکھنے والا سواد اعظم صرف اہل سنت وجماعت ہے' اس لیے صرف اسی کو کامل نجات ہے باقی سب فرقے ناری ہیں اس کو دلیل یقینی قطعی سے جاننے کے لیے مقدمات ذیل کا ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔

۱- قرآن مجید وحدیث شریف بلا استثنا تمام جن وانس کے لیے ہادی یعنی رہنما ہیں۔ ہر شخص کے لیے مشعل ہدایت ہیں۔ جو شخص اپنے ارادہ سے ایمان لاکر ان کی روشنی میں چلے گا نجات پائے گا۔ یہ نہیں کہ قرآن وحدیث کے ذمہ بالجبر منزل مقصود تک پہنچانا ضروری ہے۔

۲- ایمان صرف زبان سے اقرار کرنا نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام ارشادات کی یعنی جمیع ضروریات دین کی دل سے تصدیق کرنا اور تسلیم کرنا شریعت میں ایمان ہے۔ زبان سے اقرار اجرائے احکام دنیوی کے لیے شرط ہے کمافی شرح العقائد وغیرہ۔

۳- قرآن وحدیث پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ پورے قرآن وحدیث کو مانے۔ اگر کسی ایک آیت یا حدیث متواتر کا انکار کرے تو وہ قرآن وحدیث کا ماننے والا نہیں۔

۴- آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کا صحیح مطلب وہی ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے بیان فرمایا۔ اسی مطلب پر ایمان لانا ضروری ہے' اس کے خلاف کوئی دوسرے معنی اپنی رائے سے گڑھنا گمراہی ہے۔

۵- ہدایت پانے کی استعداد جن وانس کے ہر ہر فرد میں موجود ہے کیونکہ ہر شخص کو خداوند تعالیٰ نے اس پر قدرت دی ہے کہ وہ اپنے قصد وارادے سے ایمان لائے' پس جس نے اپنے قصد وارادہ کو کام میں لاکر سرنیاز جھکادیا وہ ہدایت پاگیا اور جس نے سرکشی وتمرد کی گمراہ ہوا۔ اس میں قرآن وحدیث ورہنمایان دین متین کا کوئی قصور نہیں' اسی گمراہ کا قصور ہے کہ خدا کی دی ہوئی

marfat.com

قدرت کو کام میں نہ لایا اور اپنے ارادے سے گمراہی اختیار کی۔

۶- ہر دعویٰ کے ثبوت کے لیے دلیل ضروری ہے' دعویٰ بلادلیل قبول نہیں۔ دلیل وہ ہے جو نفس الامر میں دعوے کی مثبت نہ ہو' نہ یہ کہ مدعی جو کچھ کہہ دے وہی اس کے دعویٰ کے ثبوت میں کافی مان لیا جائے۔

۷- مدعیان اسلام کے تمام فرقوں میں صرف ایک فرقہ ناجی باقی تمام ناری ہیں۔ ایسی صورت میں اگر ناجی فرقہ کو ممتاز نہ کر دیا جاتا تو دین کا نقصان بلکہ سخت گمراہی تھی اس لیے جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرقہ ناجیہ کو دریافت کیا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا:

مَاۤ اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ یعنی نجات پانے والا وہ گروہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر قائم رہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

وَھِیَ الْجَمَاعَۃُ۔ وہ ناجی گروہ بڑی جماعت ہے۔

اگرچہ ان مقدمات یقینیہ مسلمہ میں غور کرنے سے صاحب علم و عقل سوال کے تمام پہلو حل کر سکتا ہے اور یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ فرقہ ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے باقی تمام فرقے ناری ہیں لیکن تسہیل کے لیے کچھ تفصیل کی جاتی ہے وھوالمعین۔

محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب تبلیغ اسلام کی اور تمام مخلوق خدا کو دین حق کی دعوت دی تو اس آواز کو سن کر بہت سے بدقسمتوں نے اس کی ہدایت سے اپنی آنکھیں بند کر کے صاف انکار کر دیا اور بہت سے بدنصیبوں نے ظاہر میں اقرار بھی کیا تو دل سے نہیں۔ پہلا گروہ کفار و مجاہدین دوسرا منافقین کہلایا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ منافقین اسلام کے دعویدار تھے۔ زبان سے کلمہ پڑھتے قسمیں کھا کھا کر حضور کی رسالت کی شہادت دیتے لیکن قرآن مجید نے ان کو جھوٹا بتایا اور ان کا اقرار کرنا قسمیں کھانا معتبر نہ مانا۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِذَا جَآءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھنا اور اپنے ایمان و اسلام کا اقرار کرنا خواہ قسمیں کھا کر کیوں نہ ہو وہ ایمان کے لیے کافی نہیں۔ جب تک دل سے نہ مانے مومن نہیں ہو سکتا۔ دل سے ماننا جبھی معتبر ہو سکتا ہے کہ اس اقرار کے ساتھ اس میں کوئی وجہ کفر نہ پائی جائے۔

اور جن خوش قسمت ہستیوں نے ظاہر و باطن میں دل سے مانا وہ گروہ مومنین کے لقب سے ملقب ہوا۔ اسی کو "یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے خطاب سے مخاطب فرمایا' اسی کے لیے قرآن مجید میں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔ وہی گروہ دین حق اور صراط مستقیم پر قائم ہے۔

صدر اول یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات ظاہری اور عہد صحابہ میں یہ ماننے والی جماعت عقائد صحیح و اعتقادات حقہ پر قائم رہی اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک قائم رہے گی جیسا کہ حدیث صحیح میں فرمایا۔ "لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَآئِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ وَھُمْ عَلٰی ذٰلِکَ"۔

مگر اہل حق کے پردہ میں ایمان کے دعویدار بن کر بہت سے فرقے جو حقیقت میں مومن نہیں پیدا ہونے والے تھے۔ مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی خبر دی' تاکہ اہل حق ان سے باخبر رہیں ان کے جال میں نہ آویں۔ فرمایا:

marfat.com

وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا اُمَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْامَاهِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَآاَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَفِیْ رِوَایَةِ اَحْمَدَ وَاَبِیْ دَاوٗدَ عَنْ مُّعَاوِیَةَ سَبْعُوْنَ فِی النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَهِیَ الْجَنَّةُ۔

یعنی میری امت اجابت جو مجھ کو نبی مانے اور قبلہ رو نماز پڑھے وہ تہتر فرقے ہو جائے گی سب فرقے دوزخی ہیں صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا۔

كَمَا قَالَ الشَّیْخُ فِیْ اَشِعَّةِ اللَّمْعَاتِ فِیْ تَفْسِیْرِ هٰذَا الْحَدِیْثِ وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً۔

وجدا می شوند امت من آنہا کہ ایمان آوردہ اند و روئے .بقبلہ دارند ہر ہفتاد و سہ (۷۳) مذہب در اصول عقائد۔ کلھم فی النار ہر ایشاں مستحق در آمدن دوزخ باشند بجہت سوئے اعتقاد انتہی۔

صحابہ نے اعتراض کیا یا رسول اللہ نجات پانے والی جماعت کون ہے۔ فرمایا: جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

احمد ابو داؤد کی روایت میں فرمایا وہ جنتی گروہ بڑی جماعت ہے حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مدعیان اسلام کے تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے۔ بہتر (۷۲) دوزخی اور ایک جنتی۔ وہ جنتی فرقہ میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر قائم رہنے والا ہے اور وہ بڑی جماعت ہے--- دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ۔

یعنی بڑی جماعت کا اتباع کرو کیونکہ جو بڑی جماعت سے علیحدہ ہوا دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

عہد صحابہ و تابعین سے لے کر آج تک باوجود یہ کہ یہ تمام فرقے ظہور میں آئے لیکن ہر قرن و ہر زمانے میں بڑی جماعت وہی رہی جس پر صحابہ و تابعین و تبع تابعین ائمہ مجتہدین علمائے معتمدین اولیائے کاملین قائم رہے' وہی مذہب اہل سنت و جماعت کا ہے۔ آج بھی بفضل اللہ و بکرم حبیبہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اہل سنت و جماعت وہ بڑی جماعت ہے کہ تمام دنیا کے مدعیان اسلام کے کل فرقے جمع کر لیے جائیں تب بھی اس کی تعداد کو نہ پہنچ سکیں' چہ جائیکہ فرداً فرداً اس کا مقابلہ کر سکیں۔

لہٰذا دونوں حدیثوں سے صاف نتیجہ نکلا کہ نجات پانے والا گروہ سواد اعظم صرف اہل سنت و جماعت ہے' باقی تمام فرقے مثلاً دیوبندی' غیر مقلد' قادیانی' نیچری وغیرہ سب کے سب دوزخی۔

مگر افسوس صد افسوس کہ یہ حدیث کریم کی اس تصریح کے باوجود آنکھیں بند کر کے لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اپنی اپنی ٹولیاں الگ الگ بنا کر جہنم میں جا رہے ہیں۔ مذہب اہل سنت و جماعت قبول کر کے نجات پانے والی جماعت میں شریک نہیں ہوتے' یہ ان کی محرومی و بدقسمتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہدایت دے۔

بہرحال! ارشاد نبوی کے مطابق صدیوں کے بعد یہ گمراہ فرقے پیدا ہوئے جو اسلام کے دعویدار قرآن و حدیث پر ایمان و عمل کے مدعی قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھنے والے' اپنے کو بڑا پکا سچا مسلمان کہنے والے مگر ان سب نے وہ مذہب حق جس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ قائم تھے چھوڑ کر اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چنیں اور "مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ" کے مصداق نے اور آیات قرآنیہ و احادیث مشہورہ کے خلاف عقیدے گڑھے اور جن عقائد پر صحابہ کرام و تابعین عظام کی جماعت قائم رہی ان کا خلاف کیا' اپنے عقائد باطلہ اور مذاہب فاسدہ کاسدہ کی ترویج کے لیے فلاسفہ کے دامن میں چنگل

marfat.com

مار اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اپنا گروہ بڑھانے کے لیے قرآن و حدیث کا نام لیتے رہے' ہم قرآن و حدیث کے ماننے والے ہیں۔ ورنہ قرآن و حدیث کا ماننے والا تو صرف مسلمان ہو سکتا ہے جو صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا پیرو ہو وہی عقائد مانتا ہو اس لیے کہ قرآن و حدیث کے صحیح معنی سمجھنے والے اور ماننے والے وہی حضرات ہیں کیونکہ ان کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے قرآن و حدیث کی تعلیم فرمائی۔ تو جو صحابہ کرام کی جماعت کے خلاف عقیدہ رکھے وہ قرآن کا ماننے والا کیسے ہو سکتا ہے۔ صرف زبانی دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

ان فرق باطلہ کے بطلان کے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ان کا موروث صدر اول کے بعد ہی ان کے عقائد صحابہ کرام کی جماعت کے خلاف ہیں' باوجود اس کے کہ ان سب نے آیات قرآنیہ واحادیث صریحہ شہیرہ کا خلاف کیا ہے۔ اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ فرق اسلامیہ آٹھ ہیں: معتزلہ' شیعہ' خوارج' مرجیہ' بخاریہ' جبریہ' مشبہ' ناجیہ' معتزلہ کے بیس فرقے ہیں' شیعہ کے بائیس اور خوارج کے بیس' مرجیہ کے پانچ' بخاریہ کے تین' جبرومشبہ کا ایک ایک فرقہ۔ یہ بہتر فرقے ہیں اور تہتر واں ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے۔ وَكَذَا فِي الْمَوَاقِفِ۔

ان میں بہتر فرقے گمراہ ہیں جن میں پہلا فرقہ معتزلہ کا ہے جو صدیوں کے بعد تابعین کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اس نے کفرو ایمان کے درمیان ایک فرق نکالا اور کہا:

مَنِ ارْتَكَبَ الْكَبِيْرَةَ فَهُوَ لَيْسَ بِمُؤْمِنٍ وَلَا كَافِرٍ۔ یعنی جو شخص گناہ کبیرہ کرے گا وہ نہ مومن ہے نہ کافر۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو جماعت حقہ سے خارج کر دیا اور فرمایا:

قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا۔ بے شک وہ ہم سے علیحدہ ہو گیا۔

اس فرقے نے عاصی کو دوزخ میں اور مطیع کو جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب کر دیا۔ صفات الٰہی کا انکار کر دیا اور اس گندے عقیدے پر فخر کرتے ہوئے اپنا نام اصحاب العدل والتوحید رکھا۔ افعال کا خالق بندوں کو ماننا جو آیہ "وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" کے خلاف ہے۔ ایصال ثواب کے منکر ہوئے اسی وقت سے عقیدے گڑھے جو قرآن و حدیث و جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف ہیں۔

لہٰذا یہ فرقہ مع اپنی تمام شاخوں کے اہل سنت و جماعت سے خارج فرقہ ناریہ ہوا۔

فرقہ شیعہ نے قرآن مجید ناتمام و غیر محفوظ مانا جس سے آیت کریمہ "نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ" کا انکار ہوتا ہے۔ خلافت اصحاب ثلاثہ میں صدیق اکبر و فاروق اعظم و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے منکر ہوئے جو امت کا اجماع ہے۔ اسی طرح ان کے بہت سے گندے عقیدے ہیں' لہٰذا یہ بھی مع اپنے تمام شعبوں کے اہلسنت و جماعت سے خارج ہوا۔

فرقہ خارجیہ نے یہ عقیدہ گڑھا کہ گناہ کبیرہ کرنے سے مومن کافر ہو جاتا ہے' اس کی مغفرت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اس سے آیت کریمہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" کا انکار ہوتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے گندے عقیدے ہیں اور یہ فرقہ بھی مع اپنے تمام فرقوں کے اہلسنت و جماعت سے خارج ہوا۔

فرقہ مرجیہ نے اہلسنت و جماعت کے خلاف یہ عقیدہ تراشا کہ ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا یعنی گناہ کبیرہ پر

marfat.com

مواخذہ نہیں۔ یہ آیت کریمہ "وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِهٖ" کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ بھی مع اپنی جماعت کے اہلسنت و جماعت سے خارج ہوا۔

اسی طرح بخاریہ، جبریہ، مشبہ اپنے عقائد خبیثہ کی بنا پر جماعت حقہ سے نکل کر فرق ناریہ میں شامل ہوئے۔

آج کل ہندوستان میں جو گمراہ فرقے مثلاً دیوبندی، غیر مقلد، نیچری، قادیانی وغیرہ ہیں، یہ انہیں گمراہ فرقوں کی شاخیں ہیں اور ان کے گندے عقیدے جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہیں۔ اگرچہ یہ اپنے مذہب کی ترویج میں آیات و احادیث ضرور پیش کرتے ہیں مگر آیات و احادیث کے وہ معنی گڑھتے ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعلیم و تصریح و تنصیص کے خلاف ہیں مثلاً آیت "وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" کا معنی ختم زمانی خود حضور نے فرمایا "لَانَبِیَّ بَعۡدِیۡ" یعنی میرے خاتم النبین ہونے کے معنی یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہی معنی ختم زمانی صحابہ سے منقول اسی پر امت کا اجماع۔ لیکن قادیانی دجال اور دیوبندی کذاب نے آیت کا معنی ختم ذاتی گڑھے چنانچہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب (تحذیر الناس) میں اسی معنی ختم زمانی کو عوام کا خیال بتایا اور صاف لکھ دیا کہ

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس ص ۲)

اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام اکابرین امت کو عوام بتایا اور خود اہل فہم بنا اور اس آیت کو ختم ذاتی پر محمول کر کے حضور کے بعد نبوت کا دروازہ کھول دیا، چنانچہ قادیانی قاسم نانوتوی کی اس کمائی کو لے اڑا اور نبی بن بیٹھا۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کو جانوروں پاگلوں سے تشبیہ دی اور اپنی کتاب "حفظ الایمان" میں لکھ دیا۔

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید عمر بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔ (حفظ الایمان ص ۷)

مولوی رشید احمد گنگوہی و خلیل احمد انبیٹھوی جو دیوبندیوں کے پیشوا ہیں، انہوں نے اپنی کتاب "براہین قاطعہ" میں خداوند قدوس کے جھوٹ بولنے کو ممکن ماننا پرانا عقیدہ بتایا اور لکھ دیا کہ

امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا، قدما میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے یا نہیں۔

(براہین قاطعہ ص ۲)

اسی اپنی براہین قاطعہ میں ص ۵۱ پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو شیطان ملعون کے علم سے گھٹایا۔ شیطان مردود کے لیے وسعت علم قرآن و حدیث سے ثابت مانی حضور کے لیے اسی کا انکار کیا۔ حضور کے لیے پوری زمین کا علم شرک خالص بتایا اور اسی کو شیطان کے لیے قرآن و حدیث سے ثابت مانا۔ عبارت یہ ہے۔

الحاصل! غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی

marfat.com

فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے--- انتھی۔

(براہین قاطعہ ص ۵۱)

اس کے علاوہ قادیانی دجال و دیوبندیوں کے ہزاروں گندے عقیدے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جن کی تشہیر ہو چکی ہے وہ سب جماعت صحابہ و تابعین کے خلاف ہیں--- لہٰذا یہ اہل سنت و جماعت سے خارج ہو کر نار یہ میں داخل ہوئے۔

قادیانی اور دیوبندیوں کے کفر پر علماء مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ نے فتوے دیئے جس کی تفصیل فتاویٰ "حسام الحرمین" شریف میں مذکور ہے۔ غیر مقلدین عقائد میں دیوبندیوں کے شریک ہیں۔ "تقویت الایمان" جو کفریات کا مجموعہ ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ مع ہذا تقلید شخصی کو جس پر امت کا اجماع ہو چکا ہے شرک کہتے ہیں' لہٰذا جماعت حقہ اہلسنت سے خارج ہو کر فرقہ ناریہ ہوئے۔

نیچری عذاب قبر و حشر اجساد و جنت و دوزخ کے منکر ہیں۔ معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے عقائد فاسدہ اس مذہب حق کے خلاف ہیں جس پر صحابہ و تابعین کی جماعت گزری--- لہٰذا یہ فرقہ بھی اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔

البتہ! یہ تمام فرق باطلہ مدعیان اسلام اپنی اپنی حقانیت کا شور مچاتے اور اپنے اپنے مذاہب باطلہ کے لیے قرآن و حدیث پڑھتے اور آیات و احادیث دلیل میں پیش کرتے ہیں مگر کیا کسی دعوے پر صرف کوئی آیت یا حدیث کا پڑھ دینا کافی ہے' اسی سے وہ دعویٰ ثابت ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہے تو ہر شخص ہر روز بتعداد آیات قرآن مجید کم از کم چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ دعوے ثابت کر لیا کرے۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں' قرآن و حدیث سے کسی دعوے کے ثابت کرنے کے لیے یہ دیکھا جائے گا کہ آیت و حدیث کا جو مطلب اس نے بیان کیا ہے وہ تعلیم محمدی و تعلیم صحابہ و تابعین کے فرمان کے خلاف تو نہیں۔ اگر وہ ان دین پرور حضرات کے ارشادات کے مطابق ہے تو قبول' اور مخالف ہے تو مردود اور اوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ یہ کتنے فرق باطلہ ہیں۔ سب آیات و احادیث کا مطلب خلاف تعلیم صحابہ و تابعین و سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین لیتے ہیں' بلکہ ان کے اقوال و عقائد آیات قرآنیہ صریحہ کے معارض ہیں۔

لہٰذا صحیح طور پر قرآن و حدیث کے ماننے والے ہرگز نہیں' بلکہ صرف زبانی دعویدار ہیں جس کا ہرگز اعتبار نہیں۔

تنبیہ

کفر و بے دینی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن مجید کی ہر ہر آیت کا خلاف کیا جائے' تمام احادیث کا انکار کیا جائے بلکہ کسی ایک آیت کا خلاف بھی کفر بے دینی کے لیے کافی ہے' اگرچہ باقی تمام قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہو۔

لہٰذا یہ فرق باطلہ اگرچہ بعض عقائد و اعمال میں اہلسنت و جماعت سے متفق بھی ہوں لیکن چونکہ ان کے بعض گندے اقوال و عقائد بعض آیات و احادیث و عقائد سلف صالحین کے خلاف ہیں اس لیے وہ بددین و گمراہ فرق ناریہ میں شمار ہیں۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ قرآن و حدیث کا ماننے والا وہی گروہ ہے جس کے جمیع عقائد صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے مطابق ہوں اور وہ گروہ صرف اہلسنت و جماعت ہے کیونکہ یہ گروہ وہی عقائد رکھتا ہے اسی مذہب کا پیرو ہے۔ جس پر صحابہ کرام و تابعین عظام' ائمہ دین' علمائے معتمدین' اولیائے کاملین' سلف صالحین قائم رہے۔ اس کے سوا باقی تمام فرقے ناری ہیں۔ اگر اس پر بھی کوئی بددین' ہٹ دھرم' ضدی نہ مانے اور منہ زوری کرے تو ہم اعلان کرتے ہیں کہ حدیث و تفسیر' علم کلام و فقہ و

marfat.com

تصوف و سیر و تواریخ کی تمام معتبر کتابیں سب کی سب جمع کرو، صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے عقائد تلاش کرو، تمام کتابوں میں ان کے وہی عقائد ہیں جو اس وقت اہلسنت و جماعت کے عقائد ہیں اور کسی گمراہ فرقہ مذکورہ بالا کی ان میں ہرگز تائید نہیں مل سکتی۔

لہٰذا احادیث کریمہ میں جو ناجی فرقہ کی علامات بیان فرمائی ہیں۔

"مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ وَھُمُ الْجَمَاعَۃُ السَّوَادُ الْاَعْظَمُ" ان کا مصداق یقیناً حتماً یقیناً صرف ایک فرقہ ناجیہ اہلسنت و جماعت ہے۔ لہٰذا یہی ناجی ہے۔۔۔ کَمَا فَصَّلَ الشَّیْخُ فِیْ اَشِعَّۃِ اللَّمْعَاتِ وَاللّٰہُ الْھَادِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ وَھُوَ الْمُوَفِّقُ السَّدَادُ وَھُوَ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ۔

marfat.com

علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

روح اعظم ﷺ کی کائنات میں جلوہ گری

مسئلہ حاضر وناظر پر بینظیر مقالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْقَدِيْرِ السَّمِيْعِ الْبَصِيْرِ الْفَعَّالِ لِمَا يُرِيْدُ، وَاَكْمَلُ الصَّلٰوةِ وَاَجْمَلُ التَّحِيَّاتِ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِ اللّٰهِ وَاَفْضَلِ رُسُلِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰى اَلَّذِيْ اَرْسَلَهٗ رَبُّهٗ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ وَبَعَثَهٗ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَوْلِيَآءِ اُمَّتِهٖ ذَوِي الْكَرَامَاتِ وَالْبَرَكَاتِ السَّامِيَةِ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو قوتیں عطا کی ہیں: (۱) قوت نظریہ، اس کا کمال یہ ہے کہ حقائق کو اس طرح پہچانا جائے جس طرح وہ واقع میں ہیں۔ (۲) قوت عملیہ، اس کا کمال یہ ہے کہ افعال کو اس طرح ادا کیا جائے جس طرح انہیں ادا کرنے کا حق ہے۔ دین اور فلسفہ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ ان دو قوتوں کی تکمیل کر کے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کی جائے اور مبداء و معاد (خالق کائنات اور آخرت) کی معرفت حاصل کی جائے۔ فرق یہ ہے کہ عقل دین میں ہدایت ربانی کی پیروی کرتی ہے اور فلسفہ میں خواہش نفس کی۔

مبداء و معاد کی معرفت کے دو طریقے ہیں: (۱) نظر و استدلال، (۲) ریاضت و مجاہدہ۔ پہلے طریقے کو اختیار کرنے والے کسی ملت اور دین کے پیروکار ہیں تو انہیں متکلمین کہا جاتا ہے اور اگر کسی ملت کے پیروکار نہیں تو انہیں حکماء مشائیہ کہا جاتا ہے جیسے ارسطو، فارابی اور ابن سینا۔ دوسرے طریقے پر چلنے والے اگر شریعت کے موافق ہیں تو وہ صوفیہ ہیں ورنہ وہ حکماء اشراقیہ ہیں۔ جیسے افلاطون اور شیخ شہاب الدین مقتول۔ (عبدالنبی احمد نگری، القاضی: دستور العلماء (طبع بیروت) ج ۱، ص ۱۷)

افلاطون کے شاگرد تین طرح کے تھے:

(۱) اشراقیہ: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنی عقلوں کو نفسانی کثافتوں سے اس قدر پاک کر لیا تھا کہ وہ الفاظ اور اشارات کے بغیر براہ راست افلاطون کے دماغ سے انوار حکمت حاصل کرتے تھے (جسے آج کی اصطلاح میں ٹیلی پیتھی کہا جاتا ہے)

(۲) رواقیہ: وہ شاگرد تھے جو افلاطون کی مجلس میں حاضر ہو کر اس سے حکمت کا درس لیتے تھے اور اس کے الفاظ اور

marfat.com

اشارات سے استفادہ کرتے تھے۔

(۴) مشائیہ: جب افلاطون سوار ہو کر چلتا تو یہ لوگ اس کے ہم رکاب چلتے اور حکمت کا استفادہ کرتے تھے۔

(عبد النبی احمد نگری' القاضی: دستور العلماء (طبع بیروت) ج ۲' ص ۱۴۴)

اس تفصیل کے بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوت نظریہ عطا فرمائی ہے تو اسے فکر و نظر سے جلا ملتی ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے اس کے ادراکات میں ترقی واقع ہوتی ہے۔ حقائق واقعیہ اس پر منکشف ہوتی ہیں۔ اس میں شریعت کی پیروی کرنے یا نہ کرنے والے کی کوئی تخصیص نہیں' البتہ حقائق واقعیہ تک رسائی ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جو وحی الٰہی اور سنت نبوی کی اتباع کرتے ہیں۔ ان کے لیے عالم غیب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ آئندہ ہونے والے واقعات ان پر ظاہر کر دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نیند بلکہ بیداری میں بھی ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ہیں اور ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی علوم دینیہ حاصل کرنے کے بعد طریقت کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ صوفیائے کرام ہی اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے ہیں۔ ان کی سیرت بہترین سیرت' ان کا راستہ صحیح ترین راستہ ہے اور ان کے اخلاق پاکیزہ ترین اخلاق ہیں۔ ان کے ظاہر و باطن کی تمام حرکات و سکنات' مشکوۃ نبوت کے نور سے مستفاد ہیں' اور روئے زمین پر نور نبوت کے علاوہ کوئی نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جا سکے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں اور اسی نکتہ کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

"صوفیاء کرام ہی ہیں جو بیداری میں ملائکہ اور ارواح انبیاء کی زیارت کرتے ہیں۔ ان کی آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فوائد حاصل کرتے ہیں' پھر حال صورتوں اور مثالوں کی زیارت سے ترقی کر کے ان مقامات تک پہنچتا ہے جن کے بیان کرنے سے زبان قاصر ہے"۔

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی' امام' الحاوی للفتاوی (طبع بیروت) ج ۲' ص ۲۵۷' محمد بن محمد غزالی' امام' کتاب المنقذ من الضلال (طبع ترکی) ص ۳۲' ۳۳)

راقم نے اس موضوع کی مناسبت سے چند حوالے اپنی کتاب "مدینۃ العلم" کے آخر میں نقل کیے ہیں' موقع کی مناسبت سے اس جگہ ان کا نقل کر دینا موجب بصیرت و اطمینان ہو گا۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم اپنے رب کے پاس رات گزارتے ہیں' وہ ہمیں کھلاتا اور پلاتا ہے' اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو عالم غیب کے حالات کا زیادہ علم ہو گا اس کے دل میں کمزوری کم اور طاقت زیادہ ہو گی۔۔۔ اسی طرح جب بندہ طاعتوں پر مداومت کرتا ہے تو اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کے کان اور آنکھیں ہوتا ہوں' تو جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور کان بن جائے تو وہ قریب اور دور سے سنے گا اور جب وہ نور بینائی بن جائے تو وہ قریب اور دور کو دیکھے گا"۔

(محمد بن عمر بن حسین' رازی' امام: تفسیر کبیر (المطبعۃ البھیۃ' مصر) ج ۲۱' ص ۹۱)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے

دیکھتا ہے' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ پڑھی "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ"۔ بے شک اس میں فراست والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہ حدیث امام ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

اس جگہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ فراست کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم فراست ایمانیہ ہے اس کا سبب وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک خیال اس تیزی سے دل پر وارد ہوتا ہے جیسے شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے۔ فراست فریستہ ہی سے مشتق ہے۔ یہ فراست ایمان کی قوت کے مطابق ہوگی جس کا ایمان قوی تر ہوگا اس کی فراست بھی تیز ہوگی۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: فراست نفس کو حاصل ہونے والا کشف اور غیب کا مشاہدہ ہے اور ایمان کے مقامات میں سے ہے"۔ (علی بن سلطان محمد' قاری' علامہ: شرح الفقہ الاکبر (مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۸۰)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے عروج و کمال اور علوم کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں ایک تجلی کے بعد دوسری تجلی کو عبور کرتے ہوئے اصل تجلیات اسم رحمٰن تک پہنچ گیا۔ جب اسم رحمٰن میری ذات میں اترا اور جلوہ گر ہوا تو میں نے ہر مقام' ہر علم' ہر کمال دیکھا جو پہلے انسانی فرد کو حاصل ہوا میں اس آدم کی بات نہیں کرتا بلکہ پہلے آدم سے لے کر آخر زمانہ تک پائے جانے والے آخری انسان تک جتنے علوم و کمالات حاصل ہوئے' خواہ اس دنیا میں یا قبر میں روز حساب یا جنت میں' میں نے ان سب کا اس طرح احاطہ کر لیا کہ ان میں کوئی تصادم نہیں (اس کے کچھ بعد فرماتے ہیں) میں نے افلاک' معاون' درختوں' چارپایوں' فرشتوں' جنوں' لوح و قلم' حضرت اسرافیل اور جو کچھ موجود ہو چکا ہے سب کے کمالات کا کامل اور مکمل احاطہ کر لیا"۔ (ولی اللہ دہلوی' شاہ: التفہیمات (حیدر آباد' سندھ) ج ۲' ص ۸۹-۹۰)

غیر مقلدین اور دیوبندیوں کے امام شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

"قطب زمانہ حضرت عبدالعزیز دباغ فرماتے ہیں:

ایک ولی مغرب میں ہو اور وہ سوڈان یا بصرہ کے ولی سے کلام کرنا چاہے تو تو اسے دیکھے گا کہ وہ اس سے اس طرح کلام کرے گا جیسے پاس بیٹھے ہوئے آدمی سے کلام کر رہا ہو' اور جب تیسرا ان سے کلام کرنا چاہے گا تو وہ بھی کلام کرے گا۔ اسی طرح چوتھا یہاں تک کہ تمام اولیاء کرام کی جماعت کو دیکھو گے جن میں سے ہر ایک الگ الگ خطے میں ہے اور وہ اس طرح گفتگو کر رہے ہوں گے جیسے ایک جگہ اکٹھے ہوں۔

(احمد بن المبارک' علامہ' الابریز (مصطفیٰ البابی' مصر) ص ۱۷)

اسی طرح جب اولیاء کرام کے دل غفلت کے زنگ اور ماسوی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے پاک ہو جاتے ہیں تو وہ خطیرۃ القدس کے لیے آئینوں کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں مثلاً جب خطیرۃ القدس میں کسی چیز کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اکثر صالحین اس کے واقع ہونے سے پہلے اسے نیند یا بیداری میں دیکھ لیتے ہیں"۔

(محمد اسمٰعیل دہلوی: صراط مستقیم فارسی (طبع لاہور) ص ۳۷)

دیوبندی مکتب فکر کے علامہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"اولیاء کرام اس جہان میں اشیاء کے موجود ہونے سے پہلے جو کچھ دیکھتے ہیں ان کے لیے بھی ایک قسم کا وجود

marfat.com

ہے، جیسے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مدرسہ کے پاس سے گزر ہوا۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا تو فرمایا: "میں اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں" تو وہاں سے حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی پیدا ہوئے اور جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم یمن سے اللہ تعالیٰ کی خوشبو محسوس کرتے ہیں" تو وہاں سے حضرت اویس قرنی پیدا ہوئے"۔

(محمد انور شاہ کشمیری: فیض الباری (مطبعۃ حجازی قاہرہ) ج ۱ ص ۱۸۲)

حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

آئینہ سکندر، جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ گرد و احوال ملک دارا

"تیرے پاس آئینہ سکندر اور جام جمشید موجود ہے۔ اس میں دیکھ تو سہی تجھ پر ملک دارا کے حالات منکشف ہو جائیں گے"۔

اس مقام پر پہنچ کر چند لمحوں کے لیے آپ کو ایک بار پھر پیچھے لے جانا چاہتا ہوں۔ ترمذی شریف کی حدیث کے مطابق بندۂ مومن (ولی) اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے، اور امام رازی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور کسی کی بینائی بن جائے تو وہ قریب و بعید چیزوں کو دیکھتا ہے، اور بقول شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی جب دل کا زنگ دور ہو جائے اور ماسوی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ سے پاک ہو جائے تو وہ خطیرۃ القدس (عالم بالا) کے لیے آئینہ کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور آئندہ پیدا ہونے والی چیزوں کی جھلک اس میں دکھائی دیتی ہے۔ یہی بات کشمیری صاحب نے کہی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تو خود اپنے بارے میں بیان کیا کہ میں یکے بعد دیگرے تجلیات کو طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچا کہ جو کچھ معرض وجود میں آچکا ہے، اس میں سے ہر ایک ایک کے کمالات کا میں نے مکمل احاطہ کر لیا۔

اب خود آپ ہی سوچئے کہ جب ایک ولی کی روحانی اور علمی پرواز کا یہ عالم ہے اور وسعت مشاہدہ کا یہ حال ہے تو اولیائے کاملین، شہداء صدیقین، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، پھر انبیاء کرام اور خصوصاً انبیاء و رسل کے امام اور تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کے علم اور مشاہدہ کی وسعت کا کیا عالم ہو گا؟

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوت مشاہدہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیگر قوتوں کی طرح قوت مشاہدہ بھی بے مثل عطا فرمائی ہے۔ آج سائنسی ترقی کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں میل دور ہونے والی نقل و حرکت ریڈار کی اسکرین پر دیکھی جا سکتی ہے، کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ بات نہیں ہے؟ کہ تحت الثریٰ سے لے کر عرش تک تمام مخلوقات اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر منکشف کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جھوٹ کا امکان ثابت کرنے کے لیے آیہ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سے استدلال کرنے والوں کو اس وقت یہ آیت مبارکہ کیوں بھول جاتی ہے؟

چند احادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی، پھر منبر شریف پر جلوہ افروز ہو کر نماز اور رکوع کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

marfat.com

اِنِّی لَاَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ کَمَا اَرَاکُمْ۔ بیشک ہم تمہیں پیچھے سے دیکھتے ہیں جیسے کہ تمہیں (آگے سے) دیکھتے ہیں۔

(محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف (رشیدیہ، دہلی) ج ا، ص ۵۹)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ پچھلی صفوں میں ایک شخص نے صحیح طور پر نماز ادا نہیں کی۔ سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے فلاں! کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا؟ تو نہیں دیکھتا کہ نماز کس طرح پڑھتا ہے؟

اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلٰی شَیْئٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ اَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ، رَوَاہُ اَحْمَدُ۔ تمہارا گمان یہ ہے کہ تم جو کچھ کرتے ہو اس میں سے کوئی چیز ہم سے مخفی رہتی ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! آگے کی طرح ہم پیچھے سے بھی دیکھتے ہیں۔

(محمد بن عبد اللہ الخطیب، امام: مشکوٰۃ المصابیح (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۷۷)

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا گمان ہے کہ ہماری توجہ صرف اس طرف ہے، اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم پر نہ تو تمہارا خشوع پوشیدہ ہے اور نہ ہی رکوع، ہم تمہیں پشت کے پیچھے (بھی) دیکھتے ہیں۔ (محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری، ج ا، ص ۵۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پشت کے پیچھے کھڑے ہونے والے افراد کو ہی نہیں دیکھتے تھے بلکہ ان کے دلوں کی کیفیات بھی ملاحظہ فرماتے تھے کیونکہ خشوع، دل کی کیفیت کا نام ہے۔

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اندھیرے میں اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام: خصائص کبریٰ (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ج ا، ص ۶۱)

۵۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہے ہیں"۔

(محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف، ج ا، ص ۱۷۹)

۶۔ حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا تم وہ کچھ دیکھ رہے ہو جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہم تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنوں کے واقع ہونے کے مقامات دیکھ رہے ہیں"۔ (محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف، ج ا، ص ۲۵۲)

مستقبل میں آنے والے فتنوں کو ملاحظہ فرمایا:

۷۔ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کسوف پڑھانے کے بعد خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا:

"جو چیز بھی ہم نے نہیں دیکھی تھی یہاں تک کہ جنت اور دوزخ، وہ ہم نے اس جگہ دیکھ لی"۔

(محمد بن اسمٰعیل بخاری، امام: صحیح بخاری شریف، ج ا، ص ۱۸)

۸۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "عائشہ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں، تمہیں سلام کہتے ہیں"۔ حضرت

marfat.com

عائشہ فرماتی ہیں "میں نے عرض کی وعلیہ السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! حضور! آپ وہ کچھ دیکھتے ہیں جو میں نہیں دیکھتی"۔

(محمد بن اسمٰعیل بخاری' امام: صحیح بخاری شریف' ج ۱' ص ۲۳۲)

۹۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زمین کو لپیٹ دیا تو ہم نے اس کے مشرقی اور مغربی حصوں کو دیکھا"۔

(مسلم بن الحجاج القشیری: صحیح مسلم (رشیدیہ دہلی) ج ۲' ص ۳۹)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَا ھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے دنیا کو پیش فرما دیا۔ تو میں اسے اور اس میں قیامت تک ہونے والی چیزوں کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح میں اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

(علی متقی امام: کنز العمال (طبع حلب) ج ۱۱' ص ۳۷۸)

"فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا" جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر فعل مضارع ہے۔ اور ایسا جملہ اسمیہ دوام تجددی پر دلالت کرتا ہے' لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا اور اس میں قیامت تک ہونے والی چیزوں کو دوام تجددی کے ساتھ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ نظر کی یہ وسعت دنیا کی زندگی میں تھی تو عالم آخرت جو دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے اس میں نظر کی وسعت کا کیا عالم ہوگا؟

امام غزالی ایک حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ دنیا کی نسبت آخرت کی وسعت کا وہی حال ہے جو رحم مادر کی تاریکی کی نسبت دنیا کی وسعت کا حال ہے"۔ (محمد بن محمد غزالی' امام: احیاء علوم الدین (دار المعرفۃ' بیروت) ج ۴' ص ۴۹۷)

علامہ زرقانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا تحقیق اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے دنیا کو اس طرح ظاہر و منکشف کر دیا کہ اس میں جو کچھ ہے سب کا ہم نے احاطہ کر لیا کَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذِہٖ۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آپ نے حقیقتاً دیکھا اور اس احتمال کو دور کر دیا کہ نظر سے مراد علم ہے"۔

(محمد بن عبد الباقی زرقانی' علامہ: زرقانی علی المواہب (الطبع القدیم) ج ۷' ص ۲۳۴)

سوال: کنز العمال (۶ / ۹۵) میں ہے کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے' ضعیف حدیث سے تو عمل سے متعلق بھی احکام ثابت نہیں ہوتے' حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ کیسے ثابت ہوگا؟

جواب: اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تین ائمہ محدثین نے روایت کیا۔ (۱) امام نعیم بن حماد (م ۲۲۸ھ)۔ (۲) امام طبرانی (م ۳۶۰ھ)۔ (۳) امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ (م ۴۳۰ھ) کنز العمال میں صرف امام نعیم بن حماد کی روایت ذکر کر کے کہا گیا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے' باقی دو سندوں کے بارے میں ضعف کا حکم نہیں لگایا گیا۔

(علی المتقی برہان پوری' علامہ' کنز العمال (مکتبۃ التراث الاسلامی' حلب) ج ۱۱' ص ۴۲۰)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی ایک سند ضعیف ہے۔ تعدد طرق سے قوت حاصل کر کے حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ایک سند کے اعتبار سے بھی ضعیف نہ رہی' بلکہ ترقی کر کے درجہ حسن کو پہنچ گئی ہے۔

marfat.com

(۲) اس حدیث کا ضعیف ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہمارے لیے مضر نہیں، کیونکہ عقیدۂ حاضر و ناظر جن و آیات و احادیث سے ثابت ہے ان کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جا رہا ہے۔ پیش نظر حدیث ہمارے عقیدہ کی بنیادی اور مرکزی دلیل نہیں، بلکہ تائیدی دلیل ہے۔

(۱۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو وہ تاریک رات میں دس فرسخ (تیس میل) کے فاصلے پر پتھر پر چلنے والی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ (محمود آلوسی: علامہ سید: روح المعانی، ج ۹، ص ۵۳)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے کوہ طور پر صفاتی تجلی ڈالی تھی اس کے دیکھنے سے بینائی اس قدر تیز ہوگئی کہ تیس میل کے فاصلے پر رات کی تاریکی میں چلنے والی چیونٹی کو دیکھ لیتے تھے۔ ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ذات باری تعالیٰ کے دیدار سے نوازا گیا۔ آپ کے بارے میں ارشاد ہے: مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى، آپ کی وسعت نظر کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟

مشاہدہ اعمال: امام عبداللہ قرطبی باب مَا جَآءَ فِیْ شَهَادَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اُمَّتِهٖ میں فرماتے ہیں:

ابن مبارک فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک انصاری نے منہال ابن عمرو سے خبر دی کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہر دن صبح و شام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے، تو آپ انہیں ان کی علامتوں اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔ اسی لیے آپ ان کے بارے میں گواہی دیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔

(محمد بن احمد القرطبی، امام: التذکرۃ (المکتبۃ التوفیقیہ) ص ۲۳۹، ایضاً: الجامع لاحکام القرآن (طبع بیروت) ج ۵، ص ۱۹۸)

علامہ ابن کثیر اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ ایک تابعی کا قول ہے اور منقطع ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک مبہم شخص ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ نیز یہ کہ یہ سعید بن مسیب کا قول ہے، اسے امتوں نے مرفوعاً بیان نہیں کیا۔

تاہم امام قرطبی نے اسے قبول کیا ہے اور اسے بیان کرنے کے بعد فرمایا: اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہر پیر اور جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں، انبیاء کرام، آباء اور ماؤں کے سامنے جمعہ کے دن پیش کیے جاتے ہیں، امام قرطبی نے فرمایا: کہ ان روایات میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ہر دن اعمال کا پیش کیا جانا آپ کی خصوصیت ہو اور جمعہ کے دن دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ بھی آپ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہوں"۔

(اسمٰعیل بن کثیر القرشی، تفسیر ابن کثیر (عیسیٰ البابی، مصر) ج ۱، ص ۴۹۹)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"علماء امت کے مذاہب اور اختلافات کی کثرت کے باوجود کسی ایک شخص کا بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجاز کے شائبہ اور تاویل کے وہم کے بغیر حقیقی حیات کے ساتھ دائم و باقی

marfat.com

اور اعمال امت پر حاضر و ناظر ہیں"۔

(عبد الحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مکتوبات بر حاشیہ اخبار الاخیار (طبع سکھر) ص ۱۵۵)

روح اعظم کی کائنات میں جلوہ گری

عقیدۂ حاضر و ناظر: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کی بشریت مطہرہ اور جسم خاص ہر جگہ ہر شخص کے سامنے موجود ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مقام رفیع پر فائز ہونے کے باوجود تمام کائنات کو ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ملاحظہ فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے اعتبار سے بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہو سکتے ہیں اور اولیائے کرام بیداری میں آپ کے جمال اقدس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی انہیں نظر رحمت و عنایت سے مسرور و محظوظ فرماتے ہیں۔ گویا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے غلاموں کے سامنے ہونا، سرکار کے حاضر ہونے کے معنی ہیں اور انہیں اپنی نظر مبارک سے دیکھنا حضور کے ناظر ہونے کا مفہوم ہے۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ عقیدہ ظنیہ اور از قبیل فضائل ہے، اس کے لیے دلائل قطعیہ کا ہونا ہی ضروری نہیں، بلکہ دلائل ظنیہ بھی مفید مقصد ہیں۔ آئندہ صفحات میں یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور ارشادات سلف و خلف سے پیش کیا جاتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وسعت نظر اور مشاہدہ کا بیان کسی قدر گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔

۱- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا۔ اے غیب کی خبریں دینے والے نبی! بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر۔

(الاحزاب: ۳۳، ۱۵)

علامہ ابو السعود (م ۹۵۱ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اے نبی! ہم نے تمہیں ان لوگوں پر شاہد (حاضر و ناظر) بنا کر بھیجا جن کی طرف آپ مبعوث ہیں۔ آپ ان کے احوال و اعمال کا مشاہدہ اور نگرانی کرتے ہیں۔ آپ ان سے صادر ہونے والی تصدیق و تکذیب اور ہدایت و ضلالت کے بارے میں گواہی حاصل کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کے حق میں یا ان کے خلاف جو گواہی آپ دیں گے مقبول ہو گی"۔

(محمد بن محمد العمادی، ابو السعود امام: تفسیر، ابو السعود (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۷، ص ۴۲)

علامہ سلیمان جمل نے الفتوحات الالٰہیہ (ج ۳ ص ۴۴۲) اور علامہ سید محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی (ج ۲۲ ص ۴۵) میں یہی تفسیر کی ہے۔

امام محی السنہ علاء الدین خازن رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۷۴۱ھ) نے ایک تفسیر یہ بیان کی ہے۔

شَاهِدًا عَلَى الْخَلْقِ كُلِّهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ آپ قیامت کے دن تمام مخلوق پر گواہ ہوں گے۔

(علی بن محمد البغدادی الشہیر بالخازن: تَفْسِيرُ لُبَابِ التَّأْوِيلِ فِي مَعَانِي التَّنْزِيلِ (مصطفیٰ البابی مصر) ج ۵، ص ۲۶۶)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت اسلام ہر مومن و کافر کو شامل ہے۔ لہٰذا امت دعوت میں ہر مومن و کافر داخل ہے، البتہ! امت اجابت میں صرف وہ خوش قسمت افراد داخل ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت پر مشرف

marfat.com

باسلام ہوئے۔ آیت مبارکہ کی تفسیر میں عَلٰی مَنْ بُعِثْتُ اِلَیْھِمْ (جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا) اور علی الخلق کلھم کہہ کر حضرات مفسرین نے اشارہ کیا ہے کہ آپ صرف اہل ایمان کے ہی نہیں، بلکہ کافروں کے احوال بھی مشاہدہ فرما رہے ہیں، اسی لیے آپ مومنوں کے حق میں اور کافروں کے خلاف گواہی دیں گے۔

علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

"بعض اکابر صوفیہ نے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بندوں کے اعمال پر آگاہ کیا اور آپ نے انہیں دیکھا، اسی لیے آپ کو شاہد کہا گیا۔ مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ نے فرمایا:

در نظر بودش مقامات العباد

زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

(محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی، ج ۲۲، ص ۴۵)

بندوں کے مقامات آپ کی نظر میں تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام شاہد رکھا"۔

امام فخرالدین رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے فرمان شَاھِدًا میں کئی احتمال ہیں (پہلا احتمال یہ ہے کہ) آپ قیامت کے دن مخلوق پر گواہی دینے والے ہیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا (رسول تم پر گواہ ہوں گے اور نگہبان) اس بنا پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاہد بنا کر بھیجے گئے ہیں، یعنی آپ گواہ بنتے ہیں اور آخرت میں آپ شہید ہوں گے یعنی اس گواہی کو ادا کریں گے جس کے آپ حامل بنے تھے"۔

(محمد بن عمر بن حسین الرازی، امام: تفسیر کبیر (مطبعۃ بہیہ، مصر) ج ۲۵، ص ۲۱۶)

علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا مطلب یہ ہے کہ اس ظاہر و باطن میں آپ کی سنت کی حقیقی پیروی کی جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ آپ موجودات کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ آپ ہی محبوب ازلی ہیں، باقی تمام مخلوق آپ کے تابع ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کے شاہد ہیں اور عدم سے وجود کی طرف نکالی جانے والی تمام ارواح، نفوس، اجرام و ارکان، اجسام و اجساد، معدنیات، نباتات، حیوانات، فرشتوں، جنات، شیاطین اور انسانوں وغیرہ کے شاہد ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے افعال کے اسرار عجائب صنعت اور غرائب قدرت میں سے جس چیز کا ادراک مخلوق کے لیے ممکن ہو وہ آپ کے مشاہدہ سے خارج نہ رہے، آپ کو ایسا مشاہدہ عطا کیا کہ کوئی دوسرا اس میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، عَلِمْتُ مَا کَانَ وَمَا سَیَکُوْنُ (ہم نے جان لیا وہ سب جو ہو چکا اور جو ہوگا) کیونکہ آپ نے سب کا مشاہدہ کیا۔ اور ایک لمحہ بھی غائب نہیں رہے، آپ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش ملاحظہ فرمائی، اسی لیے فرمایا: ہم اس وقت بھی نبی تھے جب کہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے، یعنی ہم پیدا کیے گئے تھے اور جانتے تھے کہ ہم نبی ہیں اور ہمارے لیے نبوت کا حکم کیا گیا ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم اور ان کی روح ابھی پیدا نہیں کی گئی تھی۔ آپ نے ان کی پیدائش، اعزاز و اکرام

marfat.com

کامشاہدہ کیا اور خلاف ورزی کی بنا پر جنت سے نکالا جانا ملاحظہ فرمایا۔
آپ نے ابلیس کی پیدائش دیکھی اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے سبب اس پر جو کچھ گزرا' اسے راندۂ درگاہ اور ملعون قرار دیا گیا' سب کچھ ملاحظہ فرمایا' ایک حکم کی مخالفت کی بنا پر اس کی طویل عبادت اور وسیع علم رائیگاں گیا۔ انبیاء و رسل اور ان کی امتوں پر وارد ہونے والے حالات کے علوم آپ کو حاصل ہوئے"۔ (اسمٰعیل حقی' امام: روح البیان (دار احیاء التراث العربی' بیروت) ج ۹' ص ۱۸)

۲- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ — اور یہ رسول تمہارے گواہ (اور حاضر و ناظر ہیں)

(البقرہ: ۲' ۱۴۳)

علامہ اسمٰعیل حقی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گواہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نور نبوت کے ذریعہ ہر دیندار کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس کے دین کا مرتبہ کیا ہے' اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس حجاب کو بھی جانتے ہیں جس کی وجہ سے وہ کمال دین سے روک دیا گیا ہے۔ پس آپ امتیوں کے گناہ' ان کے ایمان کی حقیقت' ان کے اعمال' نیکیوں' برائیوں اور اخلاص و نفاق وغیرہ کو جانتے ہیں"۔
(اسمٰعیل حقی' امام: روح البیان (دار احیاء التراث العربی' بیروت) ج ۹' ص ۲۴۸' عبد العزیز محدث دہلوی' علامہ شاہ: تفسیر عزیزی فارسی (طبع دہلی) ج ۱' ص ۵۱۸)

علامہ امام ابن الحاج فرماتے ہیں:
"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ ان کے احوال نیتوں' عزائم اور خیالات کو جانتے ہیں اور اس سلسلے میں آپ کی حیات مبارکہ اور وصال میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ آپ پر عیاں ہے اور اس میں کچھ اخفاء نہیں ہے"۔
(ابن الحاج امام: المدخل (دار الکتاب العربی بیروت) ج ۱' ص ۲۵۲' احمد بن محمد القسطلانی' امام: مواہب لدنیہ مع الزرقانی (طبع مصر ۱۲۹۲ھ) ج ۸' ص ۳۴۸)

۳- وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ — اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔

(النساء: ۴' ۴۱)

ان آیات مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شاہد اور شہید کہا گیا ہے۔ ان دونوں کا مصدر شہود اور شہادت ہے۔ آیئے دیکھیں کہ علماء لغت اور ائمہ دین نے اس کا کیا معنی بیان کیا ہے؟
امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

اَلشُّهُودُ وَالشَّهَادَةُ اَلْحُضُورُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ اِمَّا بِالْبَصَرِ اَوْ بِالْبَصِيرَةِ... وَالشَّهَادَةُ قَوْلٌ صَادِرٌ عَنْ عِلْمٍ حَصَلَ بِمُشَاهَدَةِ بَصِيرَةٍ اَوْ بَصَرٍ... وَاَمَّا الشَّهِيدُ	شہود اور شہادۃ کا معنی مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا ہے۔ مشاہدہ آنکھ سے ہو یا بصیرت سے شہادت اس قول کو کہتے ہیں جو آنکھ یا بصیرت کے مشاہدہ سے حاصل ہونے والے علم کی بنا پر صادر ہو' رہا شہید تو وہ گواہ اور شے کا مشاہدہ کرنے والے کے

marfat.com

فَقَدْ يُقَالُ لِلشَّاهِدِ وَالْمُشَاهِدُ لِلشَّيْءِ... لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یہی معنی وَكَذَا قَوْلُهُ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کیا حال ہوگا؟ جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔

(حسین بن محمد الملقب بالراغب اصفہانی: المفردات (نور محمد، کراچی) ص ۲۶۹-۷۰)

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں:

"شہادت، مشاہدہ اور شہود کا معنی دیکھنا ہے، جب تم کسی چیز کو دیکھو تو تم کہتے ہو شہدت کذا (میں نے فلاں چیز دیکھی) چونکہ آنکھ کے دیکھنے اور دل کے پہچاننے میں شدید مناسبت ہے، اس دل کی معرفت اور پہچان کو بھی مشاہدہ اور شہود بھی کہا جاتا ہے"۔

(محمد بن عمر بن حسین رازی، امام: تفسیر کبیر (المطبعۃ المصریہ) ج ۴، ص ۱۱۳-۱۱۴)

امام قرطبی (م ۶۷۱ھ) فرماتے ہیں:

"شہادت کی تین شرطیں ہیں جن کے بغیر وہ مکمل نہیں ہوتی، (۱) حاضر ہونا۔ (۲) جو کچھ دیکھا ہے اسے محفوظ رکھنا، (۳) گواہی کا ادا کرنا"۔ (محمد بن احمد القرطبی، امام: التذکرۃ (المکتبۃ التوفیقیۃ) ص ۱۸۳)

امام ابوالقاسم قشیری (م ۴۶۵ھ) فرماتے ہیں:

وَمَعْنَى الشَّاهِدِ الْحَاضِرُ فَكُلُّ مَا هُوَ حَاضِرٌ قَلْبُكَ فَهُوَ شَاهِدٌ لَكَ۔

(عبدالکریم بن ہوازن، ابوالقاسم الامام: الرسالہ القشیریہ (مصطفیٰ البابی، مصر) ص ۴۷)

قرآن پاک سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاہد ہیں اور شاہد کا معنی حاضر ہے جیسے کہ امام قشیری نے فرمایا، امام اصفہانی کے مطابق شہادت کا معنی حضور مع المشاہدۃ ہے۔ خواہ مشاہدہ سر کی آنکھوں سے ہو یا دل کی بصیرت سے، کہنے دیجئے کہ قرآن پاک کی آیات سے ثابت ہوگیا کہ حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حاضر و ناظر بنایا ہے۔ اس عقیدے کو اپنی نادانی کی بنا پر کوئی شخص نہیں مانتا تو بے شک نہ مانے لیکن اسے شرک قرار دینے کا کوئی قطعاً جواز نہیں ہے۔

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس کی نسبت سے حاضر و ناظر ہیں؟ اس سے پہلے مستند تفاسیر کے حوالے سے بیان کیا جاچکا ہے۔ امام رازی اور امام خازن نے فرمایا کہ آپ قیامت کے دن تمام مخلوق پر گواہ ہوں گے، امام ابوسعود نے فرمایا: جن کی طرف آپ کو بھیجا گیا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے جو امام رازی نے بیان کیا کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

أُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ۔ ہم تمام مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

(مسلم بن الحجاج القشیری، امام: صحیح مسلم شریف (طبع کراچی) ج ۱، ص ۱۹۹)

مخالفین کہتے ہیں کہ شاہد اور شہید کے الفاظ دوسرے لوگوں کے لیے بھی وارد ہوئے ہیں، کیا آپ انہیں بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح حاضر و ناظر مانیں گے؟ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر شاہد اپنی شہادت کے دائرۂ کار تک حاضر و ناظر رہتا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو تمام امت اور تمام مخلوق کے شاہد ہیں، کوئی ایسا شاہد نہیں پیش کیا جاسکتا جس کی شہادت کا دائرہ اتنا وسیع ہو، لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح کسی کو حاضر و ناظر ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۵- اَلنَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ۔ (الاحزاب: ۳۳، ۶)

marfat.com

علامہ آلوسی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

(اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی) اَیْ اَحَقُّ وَاَقْرَبُ اِلَیْھِمْ (مِنْ اَنْفُسِھِمْ) — نبی ان کی جانوں کی نسبت زیادہ حق رکھتے ہیں اور ان کے زیادہ قریب ہیں۔

(محمود آلوسی، علامہ، سید: روح المعانی ج ۲۱، ص ۱۵۱)

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے:

"پیغمبر نزدیک تراست بمومناں از ذات ہائے ایشاں"۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: مدارج النبوۃ فارسی (مکتوبہ نوریہ رضویہ، سکھر) ج ا ص ۸۱)

"پیغمبر مومنوں کے زیادہ قریب ہیں ان کی ذوات سے بھی"۔

دیوبندی مکتب فکر کے پہلے امام، محمد قاسم نانوتوی کہتے ہیں۔

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ جس کے معنی یہ ہیں کہ نبی نزدیک ہے مومنوں سے بہ نسبت ان کی جانوں کے یعنی ان کی جانیں ان سے اتنی نزدیک نہیں جتنا نبی ان سے نزدیک ہے۔ اصل معنی اولی کے اقرب ہیں"۔ (محمد قاسم نانوتوی، آب حیات (مجتبائی، دہلی) ص ۴۳، ب ایضاً: تحذیر الناس، ص ۱۰)

اللہ اکبر! عقیدۂ حاضر و ناظر کی کتنی کھلی تائید اور ترجمانی ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص نہ مانے تو ہمارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟

کیا یہ قرب صرف صحابہ کرام سے خاص تھا یا قیامت تک آنے والے تمام مومنوں کو شامل ہے؟ اس سلسلے میں امام بخاری کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ خود کریں:

مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلَی النَّاسِ بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ — ہم دنیا اور آخرت میں دوسرے تمام لوگوں کی نسبت ہر مومن کے زیادہ قریب ہیں۔

(محمد بن اسماعیل البخاری، الامام: صحیح البخاری (مجتبائی، دہلی) ج ۲، ص ۷۰۵)

۶۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ — اے حبیب! ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔

(الانبیاء: ۲۱، ۱۰۷)

یہ بھی ارشاد ربانی ہے:

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ — اور تیرے رب کے لشکروں کو وہی جانتا ہے۔

(المدثر: ۷۴، ۳۱)

ان آیات کے پیش نظر ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات بے شمار ہیں اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سب کے لیے رحمت ہیں، یہ تعلق سمجھنے کے لیے درج ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام جہانوں کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ ممکنات پر ان کی قابلیتوں کے مطابق جو فیض الٰہی وارد ہوتا ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس فیض کا واسطہ ہیں۔ اسی لیے آپ کا نور سب سے اول پیدا کیا گیا۔ حدیث میں ہے: اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا

marfat.com

کیا۔ اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور ہم تقسیم کرنے والے ہیں۔ اس سلسلے میں صوفیاء کرام کا کلام کہیں بڑھ چڑھ کر ہے"۔ (محمود آلوسی 'العلامہ السید: روح المعانی' ج ۱۷' ص ۱۰۵)

علامہ اسمٰعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) تفسیر عرائس البیان کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"اے دانشور! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمیں خبر دی ہے کہ اس نے سب سے پہلے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا' پھر عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک تمام مخلوقات کو آپ کے نور کی ایک جز سے پیدا فرمایا۔ پس آپ کو وجود اور شہود کی طرف بھیجنا ہر موجود کے لیے رحمت ہے۔ لہٰذا آپ کا موجود ہونا مخلوق کا ہونا ہے' اور آپ کا موجود ہونا وجود مخلوق اور تمام مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے' پس آپ ایسی رحمت ہیں جو سب کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی سمجھا دیا کہ تمام مخلوق قضاء قدرت میں بے روح صورت کی طرح پڑی ہوئی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور اقدس تشریف لائے تو عالم آپ کے وجود مسعود کی بدولت زندہ ہو گیا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوقات کی روح ہیں"۔

(اسمٰعیل حقی' العلامہ: روح البیان (طبع بیروت) ج ۵' ص ۵۲۸' ب: روزبہان' العلامہ شیخ: عرائس البیان (طبع لکھنؤ) ج ۲' ص ۵۲)

احادیث مبارکہ

پہلی حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص نماز پڑھے تو کہے:

اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ۔ فَاِنَّكُمْ اِذَا قُلْتُمُوْهَا اَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

تمام عبادات قولیہ' فعلیہ اور مالیہ اللہ تعالیٰ کے لیے' اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام۔ جب تم یہ کلمات کہو گے تو اللہ تعالیٰ کے زمین و آسمان میں رہنے والے ہر نیک بندے کو پہنچیں گے۔

(محمد بن اسمٰعیل البخاری' الامام: صحیح البخاری (رشیدیہ' دہلی) ج ۱' ص ۱۱۵)

غور کیجئے کہ نماز پڑھنے والا شرق و غرب' بحر و بر' زمین یا فضا جہاں بھی نماز پڑھے' اس کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ اپنی تمام عبادتوں کا ہدیہ بارگاہ الٰہی میں پیش کرنے کے بعد بصیغہ خطاب اور ندا' نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ سلام پیش کرے۔

یہ خیال ہرگز نہ کیا جائے کہ ہمارا سلام نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں پہنچتا۔ محض خیالی صورت سامنے رکھ کر سلام عرض کیا جا رہا ہے' کیونکہ امام بخاری کی روایت کردہ حدیث مذکور کے مطابق جب ہر نیک بندے کو سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں نہیں پہنچتا؟

اس جگہ سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ روش کلام کے مطابق غائب کا صیغہ السلام علی النبی لانا چاہیے تھا' خطاب کا

marfat.com

صیغہ (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ) کیوں لایا گیا ہے؟ علامہ طیبی نے جواب دیا کہ ہم ان کلمات طیبہ کی پیروی کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سکھائے۔

دوسرا جواب یہ ہے جسے علامہ بدر الدین عینی علامہ ابن حجر عسقلانی اور دیگر شارحین حدیث نے نقل کیا' حسب ذیل ہے:

"ارباب معرفت کے طریقے پر کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ذریعے ملکوت کا دروازہ کھولنے کی درخواست کی تو انہیں کی لایموت کے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ مناجات کی بدولت ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں' انہیں آگاہ کیا گیا' کہ یہ سعادت نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی کی برکت سے ہے۔ اچانک انہوں نے توجہ کی تو پتہ چلا کہ "اَلْحَبِیْبُ فِیْ حَرَمِ الْحَبِیْبِ حَاضِرٌ" محبوب کریم' رب کی بارگاہ میں حاضر ہیں تو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ" کہتے ہوئے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے"۔

(محمود بن احمد عینی' بدر الدین علامہ' عمدۃ القاری (احیاء التراث العربی' بیروت) ج ۶' ص ۱۱۱' احمد بن علی بن حجر عسقلانی' علامہ: فتح الباری (احیاء التراث العربی' بیروت) ج ۲' ص ۲۵۰' محمد بن عبد الباقی زرقانی' علامہ: شرح مواہب لدنیہ' ج ۷' ص ۷۷-۳-۷۸' ایضاً: زرقانی علی الموطا (المکتبۃ التجاریہ مصر) ج ۱' ص ۱۹۰' محمد بن عبد الحیٔ لکھنوی' علامہ: السعایہ فی کشف شرح الوقایہ (سہیل اکیڈمی لاہور) ج ۲' ص ۲۲۷)

علامہ عبد الحیٔ لکھنوی مذکورہ بالا تقریر کے بعد فرماتے ہیں:

"میرے والد علام اور استاذ جلیل (علامہ عبد الحکیم لکھنوی) اپنے رسالہ "نور الایمان بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن" میں فرماتے ہیں کہ التحیات میں صیغہ خطاب (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ) لانے کا راز یہ ہے کہ گویا حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری وساری اور ہر بندے کے باطن میں حاضر ہے۔ اس حالت کا کامل طور پر انکشاف نماز کی حالت میں ہوتا ہے' لہٰذا محل خطاب ہو گیا"۔

(محمد عبد الحیٔ لکھنوی' العلامہ: السعایہ (مطبوعہ' لاہور) ج ۲' ص ۲۲۸)

دراصل یہ روحانیت کا مسئلہ ہے' جس شخص کا روحانیت کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ ہو' جسے معرفت کے ساتھ کوئی علاقہ ہی نہ ہو' جو شخص بصیرت سے یکسر محروم ہو' وہ اس مسئلے کو ہرگز تسلیم نہیں کرے گا۔ اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارا روئے سخن بھی ان کی طرف نہیں ہے' ہمارا تو خطاب ہی ان لوگوں سے ہے جو اولیاء کرام اور انبیاء عظام کی روحانی عظمتوں کو ماننے والے ہیں۔

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ تمام احوال و واقعات میں مومنوں کے پیش نظر اور عبادت گزاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں' خصوصاً عبادت کی حالت میں اور (بالخصوص) اس کے آخر میں نورانیت اور انکشاف کا وجود ان احوال میں بہت زیادہ اور نہایت قوی ہوتا ہے۔

بعض عارفوں نے فرمایا کہ یہ خطاب اس بنا پر ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذروں اور افراد ممکنات میں جاری وساری ہے' پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں۔ لہٰذا نمازی کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ رہے' تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور اور فیض یاب ہو"۔

maktabah.com

(عبدالحق المحدث الدہلوی، اشعۃ اللمعات (مطبوعہ، سکھر) ج۱، ص ۴۰۱، ب: نورالحق المحدث الدہلوی، تیسیر القاری شرح صحیح البخاری (طبع، لکھنؤ) ج۱، ص ۷۳-۱۷۲)

لطف کی بات یہ ہے کہ غیرمقلدین کے امام اور پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے مسک الختام شرح بلوغ المرام، ج۱، ص ۲۴۴ میں بعینہ یہی عبارت درج کی ہے۔ اس مقام پر تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر کر ہم غیرمقلدین سے صرف اتنا پوچھتے ہیں کہ عقیدۂ حاضروناظر کی بنا پر بریلویوں کو تم مشرک کہتے ہو، کیا ان کے ساتھ نواب بھوپالی کو بھی زمرۂ مشرکین میں کرو گے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟

اس جگہ مخالفین یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ تشہد سے حاضروناظر کے عقیدہ پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں یہ التحیات پڑھا کرتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد ہم اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ پڑھنے لگے۔ اس کا جواب حضرت ملا علی قاری کی زبانی سنئے، وہ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

"حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ فرمانا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھا کرتے تھے، جب آپ کا وصال مبارک ہو گیا تو ہم اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہتے تھے۔ یہ امام ابوعوانہ کی روایت ہے، امام بخاری کی روایت اس سے زیادہ صحیح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کے الفاظ نہیں ہیں، بلکہ ان کے شاگرد راوی نے جو کچھ سمجھا وہ بیان کر دیا۔

امام بخاری کی روایت میں ہے: فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا اَلسَّلَامُ یَعْنِیْ عَلَی النَّبِیِّ جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم نے کہا السلام یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر (لفظ یعنی بتا رہا ہے کہ بعد میں کسی نے وضاحت کی ہے، ۱۲ قادری) اس قول میں دو احتمال ہیں: (۱) یہ کہ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بصیغہ خطاب سلام کرتے تھے، اسی طرح وصال کے بعد کہتے رہے۔ (۲) ہم نے خطاب چھوڑ دیا تھا۔ جب لفظوں میں متعدد احتمال ہیں تو دلالت (قطعی) نہ رہی، اسی طرح علامہ ابن حجر نے فرمایا"۔ (علی بن سلطان محمد القاری، العلامہ: المرقاۃ (طبع، ملتان) ج۲، ص ۳۳۲)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) اپنے والد ماجد علامہ عبدالحلیم لکھنوی کے حوالے سے اس روایت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"یہ روایت دوسری روایات کے مخالف ہے جن میں یہ کلمات نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تبدیلی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم کی بنا پر نہیں ہے، کیونکہ ابن مسعود نے فرمایا ہم نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلٰی"۔ (محمد عبدالحیٔ لکھنوی، علامہ: السعایہ، ج۲، ص ۲۲۸)

یہی سبب ہے کہ جمہور علماء کرام اور ائمہ اربعہ نے اس طریقے کو اختیار نہیں کیا، بلکہ وہی تشہد پڑھتے رہے ہیں جس میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ہے۔

دوسرا اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کر کے سلام عرض ہی نہیں کرتے، ہم تو واقعہ معراج کی حکایت اور نقل کرتے ہوئے یہ کلمات ادا کرتے ہیں اور بس، لہٰذا ہم پر عقیدۂ حاضروناظر ماننا لازم نہیں آتا۔

اس اشکال کے کئی جواب ہیں۔

marfat.com

۱- جس روایت کی بنا پر التحیات کے سلام کو واقعہ معراج کی حکایت کہا جاتا ہے' اس کے بارے میں دیوبندی مکتب فکر کے مولوی انور شاہ کشمیری صاحب کہتے ہیں کہ "مجھے اس کی سند نہیں ملی"۔

(محمد انور شاہ کشمیری: عرف الشذی (مکتبہ الرحیمیہ' دیوبند) ص ۱۳۹)

۲- جب التحیات میں حکایت اور نقل ہی مقصود ہے تو اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ بھی بطور حکایت ہو گا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے سے اعراض کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہدیہ عبادات بھی پیش نہ ہو سکا۔ امام احمد رضا بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو' جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

۳- ابھی بخاری شریف کی حدیث گزری ہے کہ جب تم یہ کلمات کہتے ہو تو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو سلام پہنچ جاتا ہے۔ اب اگر آپ کے قول کے مطابق سلام کہا ہی نہیں گیا' محض واقعہ معراج کی حکایت اور نقل کی گئی ہے تو ہر بندۂ صالح کو سلام پہنچنے کا کیا مطلب؟ ماننا پڑے گا کہ ہر نمازی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں کی خدمت میں سلام عرض کرتا ہے اور پیش کرتا ہے۔ اسی کو انشاء اسلام کہتے ہیں۔

۴- ہمارے فقہاء کرام نے تصریح کر دی ہے کہ انشاء اسلام کا ارادہ ہونا چاہیے نہ کہ حکایت کا۔

درمختار میں ہے:

"نمازی تشہد کے الفاظ سے ان معانی کا قصد کرے جو ان الفاظ سے مراد ہے اور یہ قصد بطور انشاء ہو' گویا وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحفے پیش کر رہا ہے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر' اپنی ذات پر اور اولیاء اللہ پر سلام پیش کر رہا ہے۔ اخبار اور حکایت سلام کی نیت ہرگز نہ کرے"۔

(علاء الدین حصکفی' الامام: الدر المختار (المجتبائی' دہلی) ج ۱' ص ۷۷)

دوسری حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: بندے کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس چلے جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں' اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں۔

"مَا کُنْتَ تَقُوْلُ فِیْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ"۔

(محمد بن اسماعیل البخاری' الامام: صحیح البخاری (طبع دہلی) ج ۱' ص ۱۸۴-۱۸۳)

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں:

"تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟"

وجہ استدلال یہ ہے کہ "ہذا" اسم اشارہ ہے اور اسماء اشارہ کا حقیقی استعمال' محسوس اشارہ کے لیے ہوتا ہے۔

مولانا جامی کافیہ کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اسماء اشارہ وہ اسماء ہیں جن کی وضع اس چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہوتی ہے جس کی طرف اعضاء اور جوارح کے ساتھ محسوس اشارہ کیا جائے۔ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ میں محسوس اشارہ نہیں ہے۔ اس جگہ اسم اشارہ کا استعمال مجازاً ہے"۔ (عبد الرحمٰن الجامی' العلامہ: شرح جامی' (مطبع یوسفی' لکھنؤ) ص ۲۱۱)

marfat.com

علامہ ابن حاجب فرماتے ہیں: "ذَالِلْقَرِیْبِ" ذا کے ساتھ قریب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقت پر عمل ہو سکے مجاز ساقط اور ناقابل اعتبار ہوگا۔

حدیث میں وارد کلمات "هٰذَا الرَّجُلُ" سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر قبر والے کے سامنے قریب اور محسوس ہوتے ہیں، کیونکہ (هٰذَا) اسم اشارہ کا حقیقی معنی یہی ہے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ معلوم ذہنی کی طرف اشارہ ہے، انہیں ثابت کرنا پڑے گا کہ اس جگہ ایسا قرینہ پایا گیا ہے جو حقیقت کے مراد لینے سے مانع ہے ودونہ خرط القتاد، ہمیں بتایا جائے کہ وہ قرینہ کونسا ہے؟ جبکہ حقیقت کے مراد لینے کے لیے تو کسی قرینے کی ضرورت نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ دنیا میں بیک وقت ہزاروں افراد مرتے ہیں اور زیر زمین دفن ہوتے ہیں۔ سب کو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے اور سب سے یہی سوال ہوتا ہے کہ تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ ایک صاحب کہنے لگے کہ میت کے سامنے سے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں، اس لیے اسے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے۔ راقم نے ان سے گزارش کی کہ امتی کے سامنے سے تو عملاً پردے اٹھا دیئے گئے، لیکن اللہ تعالیٰ کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کونسا مانع ہے کہ آپ کے سامنے سے پردے نہیں اٹھائے جا سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امتی کے سامنے سے پردے اٹھ سکتے ہیں نبی کے سامنے سے نہیں اٹھ سکتے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

امام علامہ علی نورالدین حلبی صاحب سیرت حلبیہ (م ۱۰۴۴ھ) فرماتے ہیں:

> "دو فرشتے قبر والے کو کہتے ہیں کہ تو اس شخصیت کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ (مَا تَقُوْلُ فِیْ هٰذَا الرَّجُلِ؟) اور اسم اشارہ کا اصل اور حقیقی معنی یہ ہے کہ اس کے ساتھ صرف حاضر کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ بعض علماء کا یہ کہنا کہ ممکن ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذہناً حاضر ہوں تو اس بات کی اس جگہ گنجائش نہیں ہے، کیونکہ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس نے تمہیں حقیقت کے چھوڑنے اور مجاز کے اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم شریف (شخص کریم) کے ساتھ حاضر ہوں"۔ (یوسف بن اسماعیل النبہانی، الامام: جواہر البحار (مصطفیٰ البابی، مصر) ج ۲، ص ۱۱۶)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت

امام بخاری، مسلم اور ابوداؤد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ وَلَایَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ۔

جس نے خواب میں ہماری زیارت کی وہ عنقریب بیداری میں ہماری زیارت کرے گا۔ اور شیطان ہماری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔

(محمد بن اسماعیل البخاری، الامام: صحیح البخاری (مجتبائی، دہلی) ج ۲، ص ۱۰۳۵)

بیداری میں زیارت سے مراد کیا ہے؟ آخرت میں یا دنیا میں۔ دنیا میں زیارت مراد ہو تو یہ آپ کی حیات ظاہرہ کے ساتھ خاص ہے یا بعد والوں کو بھی شامل ہے؟ پھر کیا یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جسے خواب میں زیارت ہوئی یا ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن میں قابلیت اور سنت کی پیروی پائی جائے؟ اس سلسلے میں محدثین کے مختلف اقوال ہیں: امام ابو محمد ابن ابی جمرہ

marfat.com

فرماتے ہیں کہ الفاظ سے عموم معلوم ہوتا ہے اور جو شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخصیص کے بغیر تخصیص کرتا ہے وہ سینہ زوری کا مرتکب ہے۔

امام جلال الدین سیوطی، امام ابن ابی جمرہ کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

"اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وعدۂ شریفہ پورا کرنے کے لیے خواب میں دیدار سے مشرف ہونے والوں کو بیداری میں دولت دیدار عطا کی جاتی ہے اگرچہ ایک مرتبہ ہی ہو۔

عوام الناس کو یہ دولت گراں مایہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے، وہ حضرات جو پابند سنت ہوں انہیں ان کی کوشش اور سنت کی حفاظت کے مطابق زندگی بھر بکثرت یا کبھی کبھی زیارت حاصل ہوتی ہے، سنت مطہرہ کی خلاف ورزی اس سلسلے میں بڑی رکاوٹ ہے"۔

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، امام: الحاوی للفتاوی (طبع بیروت) ج ۲، ص ۲۵۶)

امام مسلم حضرت عمران بن حصین، صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے سلام کہا جاتا تھا میں نے گرم لوہے کے ساتھ داغ لگایا تو یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔ اور جب یہ عمل ترک کیا تو سلام کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا۔ علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں فرمایا: فرشتے انہیں سلام کہتے تھے جب انہوں نے بیماری کی وجہ سے گرم لوہے سے علاج کیا تو فرشتوں نے سلام کہنا چھوڑ دیا کیونکہ گرم لوہے سے داغ لانا توکل، تسلیم، صبر اور اللہ تعالیٰ سے شفا طلب کرنے کے خلاف ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ داغ لگانا ناجائز ہے، ہاں! یہ توکل کے خلاف ہے جو اسباب کے اختیار کرنے کے مقابلے میں بلند درجہ ہے۔ (عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، امام: الحاوی للفتاوی (طبع بیروت) ج ۲، ص ۲۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ سنت کی خلاف ورزی برکات و کرامات کے حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

امام قرطبی (متوفی ۶۷۱ھ) چند احادیث کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"مجموعی طور پر ان احادیث کے پیش نظر یہ بات یقینی ہے کہ انبیاء کرام کی وفات کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہم سے غائب کر دیئے گئے ہیں اور ہم ان کا ادراک نہیں کرتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں، یہی حال فرشتوں کا ہے کیونکہ وہ زندہ اور موجود ہیں لیکن ہم میں سے کوئی انہیں نہیں دیکھتا، سوائے اولیائے کرام کے جنہیں اللہ تعالیٰ اس کرامت کے ساتھ خاص کرتا ہے"۔ (محمد بن احمد القرطبی، الامام: التذکرہ (المکتبۃ التجاریہ) ص ۱۹۱)

قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار صفت معلومہ کے ساتھ ہو تو یہ حقیقی ادراک ہے اور اگر اس سے مختلف صفت کے ساتھ ہو تو یہ مثال کا ادراک ہے (علامہ سیوطی فرماتے ہیں یہ بہت عمدہ بات ہے) آپ کی ذات اقدس کا روح اور جسم کے ساتھ دیدار محال نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کرام زندہ ہیں۔ وصال کے بعد ان کی روحیں لوٹا دی گئی ہیں۔ انہیں قبروں سے نکلنے اور علوی، اور سفلی جہان میں تصرف کی اجازت دی گئی ہے"۔ (عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی، امام: الحاوی للفتاوی (طبع بیروت) ج ۲، ص ۲۶۳)

جو لوگ اس دنیا میں ہیں وہ عالم ملک اور عالم شہادت میں ہیں اور جو اس دنیا سے رحلت کر گئے ہیں وہ عالم غیب اور عالم ملکوت میں ہیں۔ جانے والے ہمیں دکھائی دے سکتے ہیں یا نہیں؟

اس سلسلے میں حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں:

marfat.com

"انہیں ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے' انہیں ایک دوسری آنکھ سے دیکھا جاتا ہے جو ہر انسان کے دل میں پیدا کی گئی ہے۔ لیکن انسان نے اس پر شہوات نفسانیہ اور دنیاوی مشاغل کے پردے ڈال رکھے ہیں' جب تک دل کی آنکھ سے یہ پردہ دور نہیں ہوتا' اس وقت تک عالم ملکوت کی کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتا۔ چونکہ انبیائے کرام کی آنکھوں سے یہ پردہ دور ہوتا ہے' اس لیے انہوں نے ضرور عالم ملکوت اور اس کے عجائب کا مشاہدہ کیا ہے مردے عالم ملکوت میں ہیں ان کا بھی مشاہدہ کیا اور خبر دی... ایسا مشاہدہ صرف انبیائے کرام کے لیے ہو سکتا ہے ان اولیاء کرام کے لیے جن کا درجہ انبیاء کرام کے قریب ہے"۔

(محمد بن محمد غزالی' امام: احیاء علوم الدین (دار المعرفہ' بیروت) ج ۴' ص ۵۰۴)

بہت سے خوش قسمت حضرات کو خواب میں یا بیداری میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت حاصل ہوئی۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

خواب میں زیارت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ آپ میری طرف توجہ نہیں فرما رہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا کیا حال ہے؟ (کہ آپ میری طرف توجہ نہیں فرما رہے) میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: کیا تم روزہ کی حالت میں بوسہ نہیں لیتے؟ عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں روزے کی حالت میں کسی عورت کا بوسہ نہیں لوں گا۔

(محمد بن محمد غزالی' امام: احیاء علوم الدین (دار المعرفۃ' بیروت) ج ۴ ص ۵۰۶)

ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی) نے مادہ کے سال (۱۸ھ) میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر خشک سالی کی شکایت کی۔ انہیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے حکم دیا کہ عمر کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ لوگوں کو لے کر آبادی سے نکلو اور بارش کی دعا مانگو۔

(احمد بن تیمیہ' علامہ: اقتضاء الصراط المستقیم (طبع لاہور) ص ۳۷۳)

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' یعنی خواب میں' آپ کے سر اقدس اور داڑھی مبارک کے بال گرد آلود تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی یہ حالت کیوں ہے؟ فرمایا: ہم ابھی حسین کی شہادت پر حاضر ہوئے تھے۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت فرمایا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

(محمد بن عبد اللہ الخطیب' امام: مشکوۃ المصابیح (طبع کراچی) ص ۵۷۰)

بیداری میں زیارت

امام عماد الدین اسمٰعیل بن ہبتہ اللہ' اپنی تصنیف مزیل الشبہات فی اثبات الکرامات میں فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محاصرہ کے دنوں میں فرمایا: مجھے اس کھڑکی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' فرمایا: ان لوگوں نے تمہارا محاصرہ کر رکھا ہے؟ عرض کی! جی ہاں یا رسول اللہ! فرمایا: انہوں نے تمہیں پیاس میں مبتلا کر دیا ہے؟ عرض کی

marfat.com

جی ہاں! آپ نے ایک ڈول لٹکایا جس میں پانی تھا' میں نے سیر ہو کر پانی پیا۔ یہاں تک کہ میں اس کی ٹھنڈک اپنے سینے اور دونوں کندھوں کے درمیان محسوس کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا: اگر چاہو تو ان کے خلاف تمہیں مدد دی جائے اور اگر چاہو تو ہمارے پاس افطار کرو۔ میں نے آپ کے پاس افطار کرنے کو ترجیح دی۔ چنانچہ اسی دن شہید کر دیئے گئے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور ہے اور کتب حدیث میں سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ امام حارث بن اسامہ نے یہ حدیث اپنی مسند میں اور دیگر ائمہ نے بھی بیان کی ہے۔ امام عماد الدین نے اسے بیداری کا واقعہ قرار دیا ہے۔

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی 'الامام: الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۲۶۲)

امام ابن ابی جمرہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ (میرا گمان ہے کہ وہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں' سیوطی) کو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی' انہیں یہ حدیث یاد آئی (کہ جسے خواب میں زیارت ہوئی وہ بیداری میں بھی زیارت کرے گا) اور اس بارے میں غور و فکر کرتے رہے۔ پھر ایک ام المومنین (میرا گمان ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۱۲ سیوطی) کے پاس حاضر ہوئے اور ماجرا بیان کیا۔ ام المومنین نے انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ لا کر دکھایا۔ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے آئینہ دیکھا تو مجھے اپنی صورت نہیں' بلکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ دکھائی دی۔

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی 'الامام: الحاوی للفتاوی' ج ۲' ص ۲۵۶)

شیخ سراج الدین بن ملقن' طبقات الاولیاء میں فرماتے ہیں:

شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ نے فرمایا: مجھے ظہر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا: بیٹا گفتگو کیوں نہیں کرتے؟ عرض کیا ابا جان! میں عجمی ہوں' فصحائے بغداد کے سامنے گفتگو کیسے کروں؟ فرمایا: منہ کھولو' میں نے منہ کھولا تو آپ نے سات مرتبہ لعاب دہن عطا فرمایا اور حکم فرمایا کہ لوگوں سے خطاب کرو۔ اور اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ سے دعوت دو۔ میں نماز ظہر پڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مخلوق خدا بڑی تعداد میں حاضر تھی۔ مجھ پر اضطراب طاری ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجلس میں میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں بیٹے: خطاب کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا کیسے خطاب کروں؟ میری طبیعت پر تو ہیجان طاری ہے۔ فرمایا: منہ کھولو تو میں نے منہ کھولا' آپ نے مجھے چھ مرتبہ لعاب دہن عطا فرمایا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے سات کی تعداد کیوں نہیں پوری کی؟ تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احترام کے پیش نظر۔

(محمود آلوسی' سید علامہ: روح المعانی (طبع بیروت) ج ۲۲' ص ۳۵)

طبقات الاولیاء میں شیخ خلیفہ بن موسیٰ نہر ملکی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: انہیں خواب اور بیداری میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بکثرت زیارت ہوتی تھی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ان کے اکثر افعال خواب یا بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کیے گئے تھے۔ ایک رات انہیں سترہ مرتبہ زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان ہی مواقع میں سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: "خلیفہ ہم سے تنگ نہ ہو بہت سے اولیاء ہمارے دیدار کی حسرت لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے"۔ (محمود آلوسی' سید علامہ: روح المعانی (طبع بیروت) ج ۲۲' ص ۳۵-۳۶)

شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ' لطائف المنن میں فرماتے ہیں: ایک شخص نے شیخ ابو العباس مرسی سے عرض کیا: جناب آپ اپنے ہاتھ کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمائیں' کیونکہ آپ نے بہت سے شہر دیکھے ہیں اور بہت سے اللہ والوں سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کسی سے مصافحہ نہیں کیا۔

marfat.com

شیخ ابو العباس مرسی نے فرمایا:

"اگر ایک لمحہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھ سے غائب ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان شمار نہ کروں"۔ (محمود آلوسی، السید: روح المعانی (طبع بیروت) ج ۲۲، ص ۳۵)

علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

"ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روحانی ملاقات ہو، اور یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس امت کے ایک سے زیادہ کاملین کو بیداری میں آپ کی زیارت حاصل ہوئی اور انہوں نے استفادہ کیا"۔

(محمود آلوسی، السید: روح المعانی (طبع بیروت) ج ۲۲، ص ۳۵)

حضرت سید احمد کبیر رفاعی حج کرنے گئے تو حجرۂ مبارکہ کے سامنے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے:

فِیْ حَالَةِ الْبُعْدِ رُوْحِیْ کُنْتُ اُرْسِلُهَا
تُقَبِّلُ الْاَرْضَ عَنِّیْ وَهِیَ نَائِبَتِیْ
وَهٰذِهٖ دَوْلَةُ الْاَشْبَاحِ قَدْ حَضَرَتْ فَامْدُدْ
یَمِیْنَکَ کَیْ تَحْظٰی بِهَا شَفَتِیْ

میں دوری کی حالت میں اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا۔ وہ میری نیابت میں زمین بوسی کیا کرتی تھی اور یہ جسمانی دولت ہے۔ میں جسمانی طور پر حاضر ہوں آپ ہاتھ بڑھائیں، تاکہ میرے ہونٹ اس سے فیض یاب ہوں۔

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، امام: الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۲۶۱)

امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

"یہ حالت ایک مدت تک رہی۔ پھر اتفاقاً ایک ولی کے مزار شریف کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوا۔ اس معاملے میں اس صاحب مزار بزرگ کو میں نے اپنا مددگار بنایا۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ کی عنایت شامل حال ہو گئی اور معاملے کی حقیقت منکشف کر دی۔ حضرت خاتم الرسلین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح انور رونق افروز ہوئی اور میرے غمگین دل کو تسلی دی"۔

(احمد السرہندی، الامام الربانی: مکتوبات (باللغۃ الفارسیہ) الدفتر الاول، مکتوب ۲۲۰)

ایک دوسرا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اتفاقاً آج صبح حلقہ مراقبہ کے دوران کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیٰ نبینا و علیہما الصلوۃ والتسلیمات روحانیوں کی صورت میں تشریف لائے اور اس روحانی ملاقات میں حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ہم روحیں ہیں: اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ وہ اجسام کی صورت میں متشکل ہو کر جسمانی حرکات و سکنات اور عبادات ادا کرتی ہیں جو اجسام ادا کیا کرتے ہیں"۔

(احمد سرہندی، امام ربانی: مکتوبات (امام ربانی فارسی) رؤف اکیڈمی لاہور، الدفتر الاول، مکتوب ۲۸۲)

دیوبندی مکتب فکر کے شیخ الحدیث محمد انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"میرے نزدیک بیداری میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ممکن ہے جسے اللہ تعالیٰ یہ سعادت عطا فرمائے جیسے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ انہیں بائیس مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انہوں نے آپ سے کئی حدیثوں کے بارے میں دریافت کیا اور آپ کے صحیح

marfat.com

قرار دینے پر ان احادیث کو صحیح قرار دیا۔ (محمد انور شاہ کشمیری: فیض الباری (مطبعۃ الحجازی، قاہرہ) ج ۱، ص ۲۰۴)

علامہ عبدالوہاب شعرانی نے بھی لکھا ہے کہ انہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ انہوں نے آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ سے بخاری شریف پڑھی۔ ان کے نام بھی گنوائے۔ ان میں سے ایک حنفی تھا۔ انہوں نے وہ دعا بھی لکھی جو ختم بخاری کے موقع پر فرمائی۔

مولوی انور شاہ کشمیری صاحب کہتے ہیں:

فَالرُّؤْيَةُ مُتَحَقِّقَةٌ وَاِنْكَارُهَا جَهْلٌ۔ بحالت بیداری زیارت زیادہ متحقق ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔

(محمد انور شاہ کشمیری: فیض الباری (مطبعۃ الحجازی، قاہرہ) ج ۱، ص ۲۰۴)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"جب میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کی زیارت کی تو آپ کی روح انور کو ظاہر و عیاں دیکھا۔ فقط عالم ارواح میں نہیں بلکہ حواس کے قریب عالم مثال میں۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ عوام الناس جو نمازوں میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر ہونے اور لوگوں کی امامت کرانے کا ذکر کرتے ہیں اس کی بنیاد یہی دقیقہ ہے"۔

(ولی اللہ محدث دہلوی، الشاہ: فیوض الحرمین (محمد سعید کمپنی، کراچی) ص ۸۲)

محدث دہلوی مزید فرماتے ہیں:

"پھر میں روضہ عالیہ مقدسہ کی طرف چند بار متوجہ ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لطافت کے بعد دوسری لطافت میں ظہور فرمایا، کبھی محض عظمت و ہیبت کی صورت میں اور کبھی جذب، محبت، انس اور انشراح کی صورت میں اور کبھی سریان کی صورت میں، یہاں تک کہ میں خیال کرتا تھا کہ تمام فضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس سے بھری ہوئی ہے اور روح مبارک فضا میں تیز ہوا کی طرح موجزن ہے"۔ (ولی اللہ محدث دہلوی، الشاہ: فیوض الحرمین (محمد سعید کمپنی، کراچی) ص ۸۳)

امام احمد رضا بریلوی دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے لیے گئے تو روضہ مقدسہ کے سامنے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھتے رہے اور یہ آرزو دل میں لیے حاضر رہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کرم فرمائیں گے اور بیداری کی حالت میں شرف زیارت سے مشرف فرمائیں گے۔ پہلی رات آرزو پوری نہ ہوئی تو بے قراری کے عالم میں ایک نعت لکھی جس کا مطلع یہ ہے۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں اسی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

یہ غزل مواجہہ عالیہ میں عرض کر کے باادب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور سر کی آنکھوں سے بحالت بیداری

marfat.com

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

(محمد ظفرالدین بہاری 'ملک العلماء: حیات اعلیٰ حضرت (مکتبہ رضویہ 'کراچی) ص ۴۴)

راقم کے مرشد گرامی حضرت شیخ المشائخ اخندزادہ سیف الرحمٰن پیرارچی مدظلہ العالی نے بیان کیا کہ ساڑھے تین سال تک ہر محفل ذکر میں مجھے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی رہی۔

علامہ جلال الدین سیوطی ' رسالہ مبارکہ "تنویر الملک فی امکان رویۃ النبی والملک" میں متعدد احادیث اور آثار نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ان نقول اور احادیث کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں ' اور اطراف زمین اور ملکوت اعلیٰ میں جہاں چاہتے ہیں ' تصرف اور سیر فرماتے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی حالت مقدسہ میں جس پر وصال سے پہلے تھے ' آپ کی کوئی چیز تبدیل نہیں ہوئی۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں ' جس طرح فرشتے غائب کر دیئے گئے ہیں حالانکہ وہ اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کا اعزاز عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب دور کر دیتا ہے اور وہ بندہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی حالت میں دیکھ لیتا ہے جس پر آپ واقع میں ہیں۔ اس دیدار سے کوئی چیز مانع نہیں ہے ' اور مثال کے دیدار کی تخصیص کا بھی کوئی امر داعی نہیں ہے"۔

(عبدالرحمٰن بن ابی بکر 'السیوطی 'امام: الحاوی للفتاوی 'ج ۲ 'ص ۲۵۶)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے بھی یہ عبارت لفظ بلفظ نقل کی ہے۔

(محمود آلوسی 'علامہ سید: روح المعانی 'ج ۲۲ 'ص ۳۷ '۳۶)

شخص واحد متعدد مقامات میں

ایک شخص کا متعدد مقامات میں دیکھا جانا نہ صرف ممکن ہے ' بلکہ بالفعل واقع ہے ' اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) درمیان کے پردے اٹھا دیئے جائیں اور ایک شخص ایک جگہ ہوتے ہوئے کئی جگہ سے دیکھا جائے۔

(۲) ایک شخص موجود تو ایک جگہ ہے اس کی تصویریں کئی جگہ دکھائی جائیں جیسے ٹی وی میں ہوتا ہے۔ حاضر و ناظر کا مسئلہ سمجھنے کے لیے ٹی وی بہت معاون ہو سکتا ہے ' بلکہ اب تو ایسا ٹیلیفون آ گیا ہے کہ آپس میں گفتگو بھی ہو رہی ہے اور ایک دوسرے کی تصویر بھی دکھائی دے رہی ہے۔ جو چیز آلات کے ذریعہ سے واقع ہو رہی ہو ' کیا وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہو گی؟ یقیناً ہو گی۔ تو استبعاد کیوں؟

(۳) اللہ تعالیٰ شخص واحد کے لیے متعدد اجسام مثالیہ مسخر فرما دیتا ہے۔ ان میں متصرف اور انہیں کنٹرول کرنے والی ایک ہی روح ہوتی ہے۔ اس سے وہ تکثر جزئی لازم نہیں آئے گا جسے مناطقہ محال کہتے ہیں کیونکہ وحدت اور تعداد کا مدار روح پر ہے۔ جب روح ایک ہے تو وہ ایک ہی شخص کہلائے گا چاہے اجسام مختلف ہی ہوں۔

سب سے پہلے ایک حدیث ملاحظہ ہو جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بطور خرق عادت ایک شخص کے متعدد اجسام ہو سکتے ہیں۔

marfat.com

حضرت قرۃ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی کو اپنے بیٹے سے شدید محبت تھی۔ قضاء الٰہی سے ان کا بیٹا فوت ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:

اَمَا تُحِبُّ اَنْ لَّا تَاْتِیَ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّۃِ اِلَّا وَجَدْتَّہٗ یَنْتَظِرُکَ۔

کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے جس دروازے پر بھی جاؤ اپنے بیٹے کو وہاں انتظار کرتے پاؤ۔

ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا یہ اس کے لیے خاص ہے یا ہم سب کے لیے؟ فرمایا: تم سب کے لیے ہے۔

(محمد بن عبد اللہ، الخطیب: مشکوۃ المصابیح (طبع، دہلی) ص ۱۵۴)

حضرت ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس حدیث میں اشارہ ہے کہ بطور خرق عادت، مکتسب اجسام متعدد ہوتے ہیں کیونکہ صحابی کا بیٹا جنت کے ہر دروازے پر موجود ہو گا"۔ (علی بن سلطان محمد القاری: مرقاۃ المفاتیح (طبع ملتان) ج ۴، ص ۱۰۹)

حضرت عمرو بن دینار جلیل القدر تابعی اور محدثین کے امام ہیں۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں۔ امام شعبہ، سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری ایسے عظیم محدث ان کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"جب گھر میں کوئی شخص نہ ہو تو کہو اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ"۔

حضرت ملا علی قاری اس ارشاد کی شرح میں فرماتے ہیں:

"اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح انور، مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے"۔

علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

"انسانی روحیں جب مقدس ہو جاتی ہیں تو کبھی اپنے بدنوں سے جدا ہو کر اپنے بدنوں کی صورتوں یا دوسری صورتوں میں ظاہر ہو کر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرح کہ وہ کبھی حضرت دحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے، جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے جاتی ہیں اور ان کا اپنے اصلی بدنوں کے ساتھ ایک قسم کا تعلق بھی باقی رہتا ہے، جس کی بنا پر روحوں کے افعال ان جسموں سے صادر ہوتے ہیں۔

جیسے بعض اولیاء قدست اسرارہم کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات میں دیکھے جاتے ہیں اور یہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ ان کی روحیں اعلیٰ درجے کا تجرد اور تقدس حاصل کر لیتی ہیں، لہٰذا وہ خود ایک شکل کے ساتھ ایک جگہ ظاہر ہوتی ہیں اور ان کا اصلی بدن دوسری جگہ ہوتا ہے"۔

لَا تَقُلْ دَارُھَا بِشَرْقِیِّ نَجْدٍ
کُلُّ نَجْدٍ لِّلْعَامِرِیَّۃِ دَارٌ

تم یہ نہ کہو کہ محبوبہ کا گھر نجد کے مشرقی حصے میں ہے، بلکہ تمام نجد (محبوبہ) عامریہ کا گھر ہے۔

(محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی، ج ۲۳، ص ۱۳)

علامہ سید محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی میں مزید فرماتے ہیں:

"یہ امر اکابر صوفیہ کے نزدیک ثابت اور مشہور ہے اور طی مسافت سے الگ چیز ہے جو شخص ان دونوں کمالوں (طی مسافت اور متعدد مقامات پر موجود ہونے) کا انکار کرتا ہے، اس کا انکار ایسی سینہ زوری ہے جو کسی جاہل یا معاند ہی سے ظاہر ہو سکتی ہے"۔

علامہ تفتازانی نے ابن مقاتل ایسے بعض فقہاء اہلسنت پر تعجب کا اظہار کیا ہے جنہوں نے اس شخص پر کفر کا حکم لگایا جو اس

marfat.com

روایت کو مانتا ہے کہ لوگوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم کو ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو بصرہ میں دیکھا اور اسی دن مکہ مکرمہ میں بھی دیکھے گئے۔ انہوں نے کفر کا یہ فتویٰ اس گمان کی بنا پر دیا کہ بیک وقت کئی جگہوں پر موجود ہونا بڑے معجزات کی جنس سے ہے اور سے بطور کرامت ولی کے لیے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ ہم اہلسنت کے نزدیک نبی کا ہر معجزہ ولی کے لیے بطور کرامت ولی کے لیے ثابت ہو سکتا ہے، سوائے اس معجزہ کے جس کے بارے میں دلیل سے ثابت ہو جائے کہ وہ ولی سے صادر نہیں ہو سکتا۔ مثلاً قرآن پاک کی کسی سورۃ کی مثل کالانا۔ (محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی، ج ۲۳، ص ۱۴)

متعدد محققین نے بعد از وصال نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس کے متمثل ہو کر ظاہر ہونے کو ثابت کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیک وقت متعدد مقامات پر زیارت کی جاتی ہے، باوجودیکہ آپ اپنی قبر انور میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام اس سے پہلے گزر چکا ہے۔

اس کے بعد علامہ آلوسی آسمانوں پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کے ساتھ ملاقات کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"ان انبیاء کی قبریں زمین میں ہیں اور کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ انہیں زمین سے آسمانوں پر منتقل کر دیا گیا تھا"۔

کہنا پڑے گا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں میں بھی جلوہ فرماتے اور آسمانوں پر بھی جلوہ فرماتے۔

ائمہ مجتہدین کے ارشادات

یہ مسئلہ از قبیل واردات و مشاہدات ہے، یا تو انسان خود روحانیت کے اس مقام پر فائز ہو کر انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی زیارت سے بہرہ ور ہو یا پھر شریعت و طریقت کے جامع علماء دین کے بیانات کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ ایسا شخص جسے خود دکھائی نہ دیتا ہو اور بینائی والوں کی بات ماننے کے لیے بھی تیار نہ ہو، اسے کھلی آنکھوں سے نظر آنے والے سورج کے وجود سے بھی قائل نہیں کیا جاسکتا۔

آیئے دیکھیں کہ مستند علمائے امت اس مسئلے میں کیا کہتے ہیں۔

حضرت امام بیہقی فرماتے ہیں:

"انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں متعدد مقامات میں تشریف لے جانا عقلاً جائز ہے، جیسے کہ اس بارے میں خبر صادق وارد ہے"۔ (علی بن سلطان محمد القاری، علامہ: مرقاۃ المفاتیح (امدادیہ ملتان) ج ۳، ص ۲۴۱)

امام حجۃ الاسلام غزالی فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ ارواح صحابہ کے ساتھ جہان کے جس حصے میں چاہیں تشریف لے جائیں"۔ (محمد بن اسماعیل حقی، علامہ: روح البیان، ج ۱۰، ص ۹۹)

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں کہ اہل بدعت و ہوا جو کرامات کا انکار کرتے ہیں تو یہ کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ انہوں نے نہ تو خود اپنی ذات سے کرامات کا صدور دیکھا اور نہ ہی اپنے مقتداؤں سے کرامت نام کی کوئی چیز صادر ہوتے ہوئے دیکھی۔ ان کا گمان یہ ہے کہ ہم بھی کچھ ہیں حالانکہ انہوں نے عبادات کے ادا کرنے اور گناہوں سے بچنے میں بڑی کوشش کی۔ چنانچہ یہ لوگ اصحاب کرامات اولیاء اللہ پر نکتہ چینی میں مصروف ہوئے۔ ان کی کھال ادھیڑ دی اور ان کے گوشت چبائے۔ انہیں جاہل صوفیاء کا نام دیا اور انہیں بدقسمتی قرار دیتے ہیں۔

marfat.com

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"تعجب تو بعض اہل سنت فقہاء سے ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم کے بارے میں مروی ہے کہ لوگوں نے ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو انہیں بصرہ میں دیکھا' اور اسی دن انہیں مکہ مکرمہ میں دیکھا گیا۔ ان بعض سنی فقہاء نے کہا کہ جو اس کے جائز ہونے کا عقیدہ رکھے کافر ہے اور انصاف وہ ہے جو امام نسفی نے بیان کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ کعبہ بعض اولیاء کی زیارت کرتا ہے' کیا اس طرح کہنا جائز ہے تو انہوں نے فرمایا: اہلسنت کے نزدیک بطور کرامت' خلاف عادت کا واقع ہونا جائز ہے۔

(مسعود بن عمر التفتازانی: شرح المقاصد (طبع لاہور) ج ۲' ص ۲۰۴)

یعنی اسی طرح ایک شخص کا دو جگہ ہونا بھی بطور کرامت جائز ہے"۔

یہی بات علامہ محمود بن اسرائیل الشہیر بابن قاضی سماونہ نے فرمائی' وہ فرماتے ہیں:

"ایسا عقیدہ رکھنے والے کو کافر اور جاہل نہیں کہنا چاہیے' کیونکہ یہ کرامت ہے معجزہ نہیں ہے' معجزہ میں چیلنج ضروری ہے' اس جگہ چیلنج نہیں ہے' لہٰذا معجزہ بھی نہیں ہے۔ اہل سنت کے نزدیک کرامت جائز ہے"۔

(محمود بن اسرائیل' القاضی: جامع الفصولین (طبع مصر' ۱۳۰۱ھ) ج ۲' ص ۲۳۲)

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"اولیائے کرام سے بعید نہیں ہے ان کے لیے زمین لپیٹ دی گئی ہے اور انہیں متعدد اجسام حاصل ہوئے ہیں' لوگوں نے ان اجسام کو ایک آن میں مختلف جگہوں پر پایا ہے"۔

امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں:

"معراج کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک جسم (شخص) ایک آن میں دو جگہ حاضر ہو گیا جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد آدم کے نیک بخت افراد میں خود اپنی ذات اقدس کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ جب آپ پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوئے جیسے کہ اس سے پہلے گزرا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کے ساتھ جمع ہوئے۔ بیشک وہ انبیاء کرام زمین میں اپنی قبروں میں بھی تشریف فرما ہیں اور آسمانوں پر بھی جلوہ افروز ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا کہ ہم نے حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کو دیکھا' یہ نہیں فرمایا: کہ ہم نے آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی روح کو دیکھا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو اور مراجعت فرمائی۔ حالانکہ وہ بعینہٖ زمین پر اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے جیسے کہ (مسلم شریف) کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔

پس اے وہ شخص جو کہتا ہے کہ ایک جسم دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا' اس حدیث پر تیرا ایمان کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر تو مومن ہے تو تجھے مان لینا چاہیے' اور اگر تو عالم ہے تو اعتراض نہ کر' کیونکہ علم تجھے روکتا ہے' تجھے حقیقت حال کا علم نہیں ہے' حقیقتاً یہ علم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

تم یہ تاویل بھی نہیں کر سکتے کہ جو انبیاء کرام زمین میں ہیں وہ ان انبیاء کے مغائر ہیں جو آسمان میں ہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقاً فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا' اسی طرح دوسرے انبیاء

marfat.com

کرام جنہیں آپ نے آسمانوں میں دیکھا' تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن کو موسیٰ فرمایا اگر وہ بعینہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ ہوں تو ان کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ موسیٰ ہیں جھوٹ ہو گا"۔ (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ) (عبد الوہاب الشعرانی: الیواقیت والجواہر (طبع مصر) ج ۲' ص ۳۶)

امام شعرانی مزید فرماتے ہیں:

"پھر معترض اولیاء کرام کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کا منکر ہے' حالانکہ حضرت قضیب البان رحمہ اللہ تعالیٰ جن صورتوں سے چاہتے تھے موصوف ہو کر مختلف مقامات پر فائز ہوتے تھے اور جس صورت میں آپ کو پکارا جاتا تھا جواب دیتے تھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (م ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"جسے دیکھا جاتا ہے وہ یا تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک ہے جو تجرد اور تقدس میں تمام روحوں سے زیادہ کامل ہے' اس طرح کہ وہ روح مبارک ایسی صورت کے ساتھ متصف اور ظاہر ہوئی جسے اس رویت کے ساتھ دیکھا گیا ہے' جب کہ اس روح انور کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جسم مبارک کے ساتھ بھی برقرار ہے جو قبر مبارک میں زندہ ہے' جیسے کہ بعض محققین نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام' نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حضرت دحیہ کلبی یا کسی دوسرے شخص کی صورت میں ظاہر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ (بیک وقت دونوں جگہ موجود تھے)

یا مثالی جسم نظر آتا ہے جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجرد اور مقدس روح متعلق ہے اور کوئی چیز اس امر سے مانع نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مثالی اجسام بے شمار ہو جائیں اور روح مقدس کا ہر ایک کے ساتھ تعلق ہو۔ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں رحمتیں اور تحائف ان میں سے ہر جسم کے لیے' اور یہ تعلق ایسا ہی ہے جیسے ایک روح کا ایک جسم کے اجزاء سے ہوتا ہے۔

(محمود آلوسی' علامہ سید: روح المعانی' ج ۲۲' ص ۳۵) اس بیان سے اس قول کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے جو شیخ صفی الدین منصور اور شیخ عبد الغفار نے حضرت شیخ ابو العباس طنجی سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے آسمان' زمین اور عرش و کرسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھرا ہوا دیکھا۔

نیز! اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد لوگ دور دراز مقامات پر ایک ہی وقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں؟ اس بیان کے ہوتے ہوئے اس جواب کی ضرورت نہیں رہتی جس کی طرف بعض بزرگوں نے اشارہ کیا ہے' اس سے اس دیدار کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھا۔

كَالشَّمْسِ فِيْ كَبِدِ السَّمَآءِ وَضَوْءُهَا
يُغْشِي الْبِلَادَ مَشَارِقًا وَّ مَغَارِبًا

(نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آسمان کے وسط میں پائے جانے والے سورج کی طرح ہیں جس کی روشنی مشرق اور مغرب کے شہروں کو ڈھانپ رہی ہے)"۔

امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں:

marfat.com

"جب جنات کو اللہ تعالیٰ کی عطا سے یہ قدرت حاصل ہوتی ہے کہ وہ مختلف شکلوں کے ساتھ متشکل ہو کر عجیب وغریب کام کر لیتے ہیں اگر کاملین کی روحوں کو یہ قدرت عطا فرما دیں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اور دوسرے بدن کی کیا حاجت ہے؟

اسی سلسلے کی کڑی وہ واقعات ہیں جو بعض اولیاء کرام سے منقول ہیں کہ وہ ایک ہی آن میں متعدد مقامات میں حاضر ہوتے ہیں اور مختلف کام انجام دیتے ہیں۔ اس جگہ بھی ان کے لطائف مختلف اجسام کی صورت میں متجسم ہو جاتے ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔

اسی طرح اس بزرگ کا واقعہ ہے جو ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور کبھی اپنے ملک سے باہر نہیں گئے' اس کے باوجود ایک جماعت مکہ مکرمہ سے آتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم نے اس بزرگ کو حرم کعبہ میں دیکھا ہے' اور ان سے یہ باتیں ہوئی ہیں۔ ایک دوسری جماعت کہتی ہے کہ ہم نے انہیں روم میں دیکھا ہے تیسری جماعت نے انہیں بغداد میں دیکھا۔

یہ سب اس بزرگ کے لطائف ہیں جو مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس بزرگ کو ان تشکلات کی اطلاع نہیں ہوتی۔

اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور وصال یافتہ بزرگوں سے خوف اور ہلاکت کے مقامات میں امداد طلب کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتیں حاضر ہوتی ہیں اور ان سے مصیبت دور کرتی ہیں۔ بعض اوقات ان بزرگوں کو مصیبت دور کرنے کی اطلاع ہوتی ہے اور بعض اوقات ان بزرگوں کو مصیبت دور کرنے کی اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ بھی دراصل ان بزرگوں کے لطائف متشکل ہوتے ہیں اور یہ تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں۔

چنانچہ ہزار افراد ایک ہی رات' خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مختلف صورتوں میں زیارت کرتے ہیں اور بہت سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ یہ سب آپ کی صفات اور آپ کے لطائف ہوتے ہیں جو مثالی صورتوں سے متشکل ہوتے ہیں۔

اسی طرح مرید اپنے پیروں کی مثالی صورتوں سے فوائد حاصل کرتے ہیں' اور پیران کرم ان کی مشکلات حل کرتے ہیں"۔ (احمد سرہندی' امام الربانی: مکتوبات شریف فارسی (طبع لاہور) جلد دوم' جزء ۷' ص ۲۷)

امام علامہ شیخ علی نور الدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) صاحب سیرت حلبیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے:

تَعْرِيْفُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ وَالْاِيْمَانِ بِاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْلُوْا مِنْهُ مَكَانٌ وَّلَا زَمَانٌ۔

اہل اسلام کو بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی زمانہ اور کوئی جگہ خالی نہیں ہے۔

ہر جگہ آپ کی جلوہ گری ہے --- یہ رسالہ امام علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے جواہر البحار کی دوسری جلد (ص ۱۱۱ سے ۱۲۵) تک نقل کر دیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی جو علماء دیوبند کے بھی پیر و مرشد ہیں' فرماتے ہیں:

"البتہ! وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے' اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے مضائقہ نہیں' کیونکہ

marfat.com

عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے، پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات سے بعید نہیں"۔ (محمد امداد اللہ، الہاجر المکی: شمائم امدادیہ (طبع، لکھنؤ) ص ۹۳)

یاد رہے کہ یہ کتاب مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی مصدقہ ہے۔

علامہ سید محمد علوی مالکی مکی اپنی معرکتہ الاراء تصنیف الذخائر المحمدیہ میں فرماتے ہیں:

"حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت ہر مکان میں حاضر ہے۔ آپ کی روحانیت خیر اور فضیلت کے مقامات اور محفلوں میں حاضر ہوتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ روح بحیثیت روح کے برزخ میں مقید نہیں ہے، بلکہ آزاد ہے اور ملکوت الٰہی میں سیر کرتی ہے... برزخ میں روح کے آزاد ہونے اور سیر کرنے کی دلیل، حدیث صحیح میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: مومن کی روح ایک پرندے پر ہے جہاں چاہتی ہے سیر کرتی ہے، یہ حدیث امام مالک نے روایت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح، تمام روحوں سے زیادہ کامل ہے، اس لیے حاضر اور شاہد ہونے میں بھی سب سے زیادہ کامل ہے"۔ (محمد بن علوی المالکی المکی: الذخائر المحمدیہ (طبع قاہرہ) ص ۲۵۹)

غیر مقلدین کے امام نواب وحید الزمان، صحاح ستہ کے مترجم کہتے ہیں:

"میں کہتا ہوں کہ بیان سابق سے وہ شبہ دور ہو جاتا ہے جسے کم فہم لوگ پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ صالحین کی قبروں کی زیارت کر کے ان کی روحوں سے فیوض و برکات، دل کی ٹھنڈک اور انوار کس طرح حاصل کیے جاسکتے ہیں؟ جبکہ ان کی روح اعلیٰ علیین میں ہیں۔ جواب یہ ہے کہ روح از قبیل اجسام نہیں ہے، اجسام کی یہ صفت ہے کہ جب وہ ایک مکان میں ہوں تو دوسرے مکان میں موجود نہیں ہو سکتے (بخلاف روح کے کہ وہ دو مکانوں میں موجود ہو سکتی ہے) اور اگر مان لیا جائے کہ روح ایک ہی مکان میں موجود ہو سکتی ہے تو اس کی تیز رفتاری کی بنا پر اس کے لیے آسمان کی طرف چڑھنا پھر وہاں سے اترنا اور زائر کی طرف متوجہ ہونا پلک جھپکنے کی بات ہے"۔

(وحید الزمان، النواب: ہدیۃ المہدی (طبع سیالکوٹ) ص ۶۳)

دو سطروں کے بعد انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ

"روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور ایک وقت میں دو جگہوں پر موجود ہو سکتی ہے"۔

"البریلویت" کے مصنف کی قساوت اور غلط بیانی

گزشتہ صفحات میں قرآن و حدیث اور ارشادات ائمہ کی روشنی میں مسئلہ حاضر و ناظر مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے، اگر زحمت نہ ہو تو ان ائمہ کرام کے اسماء مبارکہ پر ایک نظر ڈال لیجیے:

حضرت عبد اللہ ابن عمر، امام المحدثین حضرت عمرو بن دینار، امام بیہقی، امام غزالی، امام رازی، امام قرطبی، امام علاء الدین خازن، امام ابن الحاج، امام راغب اصفہانی، علامہ بدر الدین عینی، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی، امام جلال الدین سیوطی، امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت ملا علی قاری، امام عبد الوہاب شعرانی، علامہ سید محمود آلوسی بغدادی، علامہ اسمٰعیل حقی، شیخ علی نور الدین حلبی، شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، علامہ عبد الحئی

marfat.com

لکھنوی، علامہ سید محمد علوی مالکی مکی وغیرہم۔

ایک طرف ان حضرات کے اسماء پیش نظر رکھئے اور دوسری طرف شقاوت قلبی کا یہ مظاہرہ بھی دیکھئے، ظہیر لکھتے ہیں:

"یہ عقائد ہیں خرافات اور بدعت میں مبتلا مشرکوں کے جنہیں پاک و ہند کے علاوہ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں شیطان نے گمراہ اور اغواء کیا ہے"۔ (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ، ص ۱۱۲)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ غیر مقلدین، بریلویت کی آڑ لے کر دنیا بھر کے مسلمانوں اور ملت اسلامیہ کے مسلم اور مقتدر ائمہ کرام کو اہل بدعت اور مشرک قرار دیتے ہیں۔ ان سے کوئی شخص اتنا ہی پوچھ لے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو تو تم بھی امام مانتے ہو، کیا انہیں بھی مشرکین کی فہرست میں شامل کرو گے؟ نیز کیا نواب صدیق حسن خان کو بھی مشرکین کی صف میں کھڑا کرو گے؟ جو یہ کہتے ہیں:

"بعض عارفوں نے فرمایا کہ یہ خطاب (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ) اس بنا پر ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذروں افراد ممکنات میں جاری و ساری ہے، پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں"۔ (صدیق حسن بھوپالی: مسک الختام شرح بلوغ المرام (طبع کانپور) ج ۱، ص ۲۴۴)

نواب وحید الزمان کے بارے میں کیا کہو گے؟ جو کہتے ہیں:

"روح از قبیل اجسام نہیں ہے اجسام کی یہ صفت ہے کہ جب وہ ایک مکان میں ہوں تو دوسرے مکان میں موجود نہیں ہو سکتے"۔ (وحید الزمان، نواب: ہدیۃ المہدی، ص ۶۳)

کیا اس عبارت کا صاف مطلب یہ نہیں ہے؟ کہ روح ایک سے زائد جگہوں پر موجود ہو سکتی ہے؟ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے؟

بریلوی اہلسنّت کا علامتی نشان

احسان الٰہی ظہیر کے فتووں اور سب و شتم کا تمام تر رخ علماء اہلسنّت و جماعت کی طرف ہے۔ البتہ! مصلحت کے پیش نظر وہ انہیں بریلوی کا نام دیتے ہیں، درج ذیل سطور میں اہلسنّت و جماعت کے وہ ارشادات پیش کیے جاتے ہیں جنہیں ظہیر صاحب نے بریلویوں کے کھاتے میں ڈال دیا ہے، اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اہل سنت اور بریلوی کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھتے ہیں۔

۱- امام علامہ شیخ علی نور الدین حلبی (م ۱۰۴۴ھ) نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کے نام کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"اہل اسلام و ایمان کو بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے"۔

(جواہر البحار، جلد دوم (عربی) ص ۱۱۱-۱۲۵)

۲- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضہ عالیہ پر حاضر ہوئے تو انہیں کشف میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ ان کا بیان ہے:

"یہاں تک کہ میں خیال کرتا تھا کہ تمام فضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس سے بھری ہوئی ہے"۔ (ولی اللہ محدث دہلوی، الشاہ: فیوض الحرمین، ص ۸۳)

۳- علامہ سید محمود آلوسی فرماتے ہیں:

"یا مثالی جسم نظر آتا ہے جس کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجرد اور مقدس روح متعلق ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے حد و حساب، مثالی اجسام بن

maktabah.org

جائیں"۔ (محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی، ج ۲۲، ص ۳۵)

۴- حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"اولیائے کرام سے بعید نہیں ہے، ان کے لیے زمین لپیٹ دی گئی ہے اور انہیں متعدد (مثالی) اجسام حاصل ہیں، جنہیں ایک آن میں مختلف جگہوں پر پایا گیا ہے"۔

(علی بن سلطان محمد القاری: مرقاۃ المفاتیح (طبع ملتان) ج ۴، ص ۳۱)

۵- حضرت عمرو بن دینار کا ارشاد ہے کہ جب آدمی خالی گھر میں داخل ہو تو کہے السلام علی النبی۔ حضرت ملا علی قاری اس کی شرح میں بیان کرتے ہیں:

"اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے"۔

(علی بن سلطان محمد القاری: شرح الشفاء (طبع مدینہ منورہ) ج ۳، ص ۴۶۴)

۶- امام علامہ جلال الدین سیوطی، رسالہ مبارکہ "انباء الاذکیاء" میں فرماتے ہیں کہ عالم برزخ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کچھ مصروفیات اس طرح کی ہیں:

"اپنی امت کے اعمال ملاحظہ فرماتے ہیں۔ ان کے گناہوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، ان کی مصیبتوں کے دور ہونے کی دعا کرتے ہیں۔ زمین کے اطراف میں برکت عطا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ امت کے ولی کے فوت ہونے پر اس کے جنازہ پر تشریف لے جاتے ہیں۔ برزخ میں آپ کی بعض مصروفیات یہ ہیں جیسے کہ اس سلسلے میں احادیث اور آثار وارد ہیں"۔

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، امام علامہ: الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۱۵۳)

۷- حضرت علامہ اسمٰعیل حقی مفسر فرماتے ہیں:

"آپ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ملاحظہ فرمائی... آپ نے ان کی پیدائش، اعزاز و اکرام کا مشاہدہ کیا اور خلاف ورزی کی بنا پر جنت سے نکالا جانا ملاحظہ فرمایا"۔

(محمد بن اسماعیل حقی، امام علامہ: روح البیان (طبع بیروت) ج ۹، ص ۱۸)

یہ پوری عبارت گزشتہ صفحات میں پیش کی جا چکی ہے۔

۸- علامہ سید محمود آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اس امت کے بہت سے کاملین کو بیداری میں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور انہوں نے آپ سے استفادہ کیا"۔

(محمود آلوسی، علامہ سید: روح المعانی، ج ۲۲، ص ۳۵))

۹- امام علامہ جلال الدین سیوطی، پھر علامہ سید محمود آلوسی اور علامہ عمر بن سعید الفوتی الطوری فرماتے ہیں:

"ان نقول اور احادیث کے مجموعے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح مبارک کے ساتھ زندہ ہیں اور اطراف زمین اور ملکوت اعلیٰ میں جہاں چاہتے ہیں تصرف اور سیر فرماتے ہیں"۔ (پوری عبارت اس سے پہلے گزر چکی ہے ۱۲ قادری)

(عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، امام: الحاوی للفتاوی، ج ۲، ص ۲۶۵، (ب) محمود آلوسی، السید: روح المعانی،

marfat.com

ج ۲۲، ص ۷۰۳، (ج) عمر بن سعید الفوتی: رماح حزب الرحیم (بیروت) ج ۱، ص ۲۳۰)

۱۰- امام ابن الحاج، پھر امام قسطلانی فرماتے ہیں:

"نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو ملاحظہ فرماتے ہیں، ان کے احوال، نیتوں، عزائم اور خیالات کو جانتے ہیں اور اس سلسلے میں آپ کی حیات مبارکہ اور وصال میں کوئی فرق نہیں"۔

(ابن الحاج، الامام: المدخل (طبع بیروت) ج ۱، ص ۲۵۲ (ب) احمد بن محمد القسطلانی، مواہب لدنیہ مع الزرقانی (طبع مصر) ۱۲۹۲ھ، ج ۸، ص ۳۴۸)

۱۱- امام غزالی فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارواح صحابہ سمیت تمام عالم میں سیر کرنے کا اختیار ہے۔ بہت سے اولیاء کرام نے آپ کی زیارت کی ہے"۔ (اسماعیل حقی، علامہ: روح البیان، ج ۱۰، ص ۹۹)

ایک مغالطہ

گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ نظریہ حاضر و ناظر، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت اور خاص جسم اقدس کے اعتبار سے نہیں، بلکہ نورانیت اور روحانیت کے اعتبار سے ہے۔ احسان الٰہی ظہیر نے اس نکتے کو نہیں سمجھا اور یہ اعتراض کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجرہ شریف میں تشریف فرما ہوئے تھے اور صحابہ کرام مسجد میں آپ کا انتظار کیا کرتے تھے اسی طرح فلاں جگہ ہوتے تھے اور فلاں جگہ نہیں ہوتے تھے، وغیر ذالک۔ (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ: ص ۱۱۱)

اسی طرح اس نظریے کو قرآن پاک کے مخالف قرار دیتے ہوئے متعدد آیات پیش کی ہیں--- مثلاً ارشاد ربانی ہے:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ۔ اور آپ طور کے کنارے پر نہ تھے۔

(القصص: ۲۸، ۴۵)

اور یہ نہ سمجھا کہ یہ سب کچھ خاص جسم اقدس کے اعتبار سے تھا ورنہ آپ کی روحانیت ہر جگہ جلوہ گر ہے۔

مشہور مفسر علامہ احمد بن محمد صاوی (م ۱۲۴۱ھ) اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں:

"یہ دشمن پر حجت قائم کرنے کے لیے عالم جسمانی کے پیش نظر ہے۔ روحانی عالم کے اعتبار سے تو آپ ہر رسول کی رسالت کے لیے اور جو کچھ آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسم شریف کے ظاہر ہونے تک میں واقع ہوا سب کے لیے حاضر ہیں، لیکن اہل عناد سے یہ بات نہیں کی جائے گی"۔

(احمد بن محمد الصاوی المالکی: الصاوی علی الجلالین (مصر) ج ۳، ص ۲۰۶)

امام احمد رضا سنی، حنفی، بریلوی فرماتے ہیں:

"جو شخص ایسے مسئلہ کو جو قرآن و حدیث صحیح و ارشادات علماء سے ثابت ہے، کفر کہے، وہ اپنے اسلام کی خبر لے"۔ (احمد رضا البریلوی: الفتویٰ النادرہ (طبع لاہور) ص ۱۶)

marfat.com

مولانا یاسین اختر مصباحی مدیر المجاز مہتمم ادارہ القلم، دہلی

انبیاء کرام بے گناہ اور معصوم ہیں

تراجم وتفاسیر قرآن میں لفظ ذنب کی تحقیق و تشریح

اہل ایمان کے نزدیک عصمت انبیاء و مرسلین کا عقیدہ مسلم اور نہایت مشہور و معروف ہے جس کا ذکر سبھی کتب عقائد و کلام میں موجود ہے۔ امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر جز اول میں تفصیل کے ساتھ اس پر کئی ایک دلائل قائم فرمائے ہیں اور یہ ایسا واضح مسئلہ ہے جس پر خامہ فرسائی کی یہاں کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ فقہ اکبر، عقائد نسفی، شفاء قاضی عیاض، مدارج النبوۃ، روح البیان وغیرہ میں تفصیلات مذکور ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "جمہور اہل سنت کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام سے عمداً یا سہواً گناہ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ بات ان کے مناصب جلیلہ اور مراتب عالیہ کو زیب دیتی ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ"۔ (ص ۱۱٦، الایمان اردو ترجمہ از اقبال احمد فاروقی مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور، جنوری ۱۹۸۰ء)

عصمت انبیاء سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کے افادات ہیں--- "بیشک جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم قبل و بعد بعثت عمداً اور سہواً کفر و ضلالت سے باجماع اہل سنت معصوم ہیں اور نہ صرف ذنوب سے بلکہ ہر اس امر سے جو باعث نفرت خلق و ننگ و عار و بدنامی ہو اور مذہب صحیح و حق معتمد ہو۔ صغائر سے بھی باجماع اہل سنت معصوم ہیں"۔ (ملخصاً) (ص ۲۱۸، احکام شریعت حصہ سوم ملخصاً نذیر پبلشرز اردو بازار لاہور)

قرآن حکیم میں رب غافر و قدیر نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دیا ہے اور ذنب جس کا اردو زبان میں لغوی معنی جرم، قصور اور گناہ ہے اس کی وجہ سے اردو مترجمین قرآن اختلاف و تضاد کا شکار ہوئے، بیشتر حضرات نے گناہ، خطایا قصور کا ترجمہ کیا ہے جن میں فتح محمد جالندھری، محمود الحسن دیوبندی، اشرف علی تھانوی، ابوالاعلیٰ مودودی، عبدالماجد دریابادی اور وحیدالدین خاں سرفہرست ہیں۔

ان کے ان ترجموں کی وجہ سے اردو داں اہل ایمان کے قلوب کو ٹھیس پہنچ رہی ہے اس لیے ہم نے ضروری سمجھا کہ معتمد مفسرین و علماء کرام کی تحریروں کی روشنی میں ان کے تراجم کا جائزہ لیا جائے اور حقیقت حال کو عقائد و تفاسیر معتبرہ کی روشنی میں واضح و مبرہن کر دیا جائے، لہٰذا آپ اس سلسلے میں دو متعلقہ آیات اور ان کے وہ تراجم پہلے ملاحظہ فرمالیں جن میں صحیح اور راجح

marfat.com

تفسیر کی خصوصی رعایت کی گئی ہے اور عصمت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر بظاہر بھی کسی طرح کی آنچ نہیں آنے دی گئی ہے۔

۱۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ (سورۂ محمد: آیت ۱۹) اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔

(کنز الایمان از حضرت مولانا احمد رضا بریلوی)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں۔ "یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان کے لیے مغفرت طلب فرمائیں"۔ (خزائن العرفان)

مولانا محمد کرم شاہ ازہری نے مذکورہ آیت کریمہ کا ترجمہ کیا ہے۔ اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے۔ (ضیاء القرآن' جلد چہارم)

اور خود اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کے دو معنی ذکر کیے ہیں۔

۱۔ اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اَنْ يَّقَعَ مِنْكَ ذَنْبٌ۔ یعنی آپ اس بات سے اللہ کی مغفرت طلب کریں کہ آپ سے گناہ سرزد ہو۔

میں نے ترجمہ اس کے مطابق کیا ہے۔

۲۔ اِسْتَغْفِرْ لِيَعْصِمَكَ مِنَ الذُّنُوْبِ۔ یعنی استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔ (ضیاء القرآن' جلد چہارم)

۲۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔ لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ۔ (سورۂ فتح: آیت ۱-۲) بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے' اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کریں۔

(کنز الایمان از حضرت مولانا احمد رضا بریلوی)

اس کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں۔ اور تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے۔

(خازن و روح البیان' خزائن العرفان)

حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی اس کا ترجمہ کرتے ہیں--- بیشک ہم نے فتح دے دی تمہیں روشن فتح' تاکہ بخش دے تمہارے سبب سے اللہ جو پہلے ہوئے تمہارے اور جو پچھلے ہیں اور پوری فرمادے اپنی نعمت تم پر۔ (معارف القرآن)

حضرت مولانا محمد کرم شاہ ازہری نے آیت مذکورہ کا یہ ترجمہ کیا ہے--- یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر۔ (ضیاء القرآن' جلد چہارم)

یہاں ذَنْب بمعنی الزام کی تائید کے سلسلے میں مولانا کرم شاہ ازہری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوت حق دو تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا۔

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ۔ (الشعراء: آیت ۱۴) انہوں نے مجھ پر الزام قتل لگا رکھا ہے۔ پس مجھے اندیشہ کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔

marfat.com

اس آیت میں ذنب کا معنی گناہ نہیں بلکہ الزام ہے کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے امتی کے بچاؤ کے لیے یہ اقدام کیا تھا۔ آپ کا ارادہ قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا اور نہ عام طور پر مکا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔

ان آیات کے سیاق و سباق کو مد نظر رکھا جائے تو یہی معنی (الزام) یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ غفر کا معنی چھپادینا' دور کردینا۔ ما تقدم سے مراد ہجرت سے پہلے اور ما تاخر سے مراد ہجرت کے بعد۔

یعنی اے حبیب! جو الزامات کفار آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں' اس فتح مبین سے وہ سارے نیست و نابود ہو جائیں گے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

(ضیاء القرآن' جلد چہارم)

ماضی قریب کے ایک عرب عالم استاد محمد مصطفےٰ المراغی (متوفی ۱۹۴۵ء) سورۂ محمد میں ذنب کی نسبت امت کی طرف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(اِسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ) اَلْمُرَادُ بِهِ الْاُمَّةُ۔ اس سے مراد آپ کی امت ہے۔

(ص ۲۸۵' تفسیر المراغی جزر ۲۶ مطبوعہ مصر)

یہی بات عاشق رسول علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (م ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء بیروت) بھی فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انہیں خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ ہر طرح کے گناہ سے معصوم ہیں' خواہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ' قصداً ہوں یا سہواً۔

جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ

چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں--- علامہ (تقی الدین) سبکی نے فرمایا: میں نے جب اس آیت کے سیاق و سباق پر غور کیا تو مجھے ایک ہی بات نظر آئی اور وہ یہ کہ اس کے اندر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت شان ہے' کسی گناہ کا وجود ہی نہیں۔

مذکورہ آیت سے مراد ہے کہ اللہ نے چاہا کہ بندوں پر جتنے اخروی انعامات ہوئے ہیں وہ ایک آیت میں جمع کر دیئے جائیں۔ (ترجمہ جواہر البحار جزء اول از علامہ نبہانی)

اور دور حاضر میں حجاز مقدس کے شیخ الاسلام سید محمد بن علوی مالکی مکی زیر آیت لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ تحریر فرماتے ہیں۔ میری نظر میں اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم دینا اور آپ کا اللہ کے حضور ہر وقت بخشش طلب کرنا آپ کا کمال تواضع ہے اور اس کے ساتھ یہ کامل زندگی کے اقرار' اللہ سے حاجت مندی' فضل خداوندی سے مستغنی نہ ہونے' اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں پر گھمنڈ نہ کرنے کا درجہ کمال ہے۔ اور یوں لگتا ہے کہ جیسے بزبان حال یہ کہہ رہے ہوں کہ میں اللہ کی بارگاہ سے نعمتوں' درجات بلند اور اعلیٰ مقامات پانے کے باوجود مسلسل اس کے حضور فضل طلب کرتے رہنے میں مشغول رہوں گا' اس کی وسعتوں کی طرف بڑھوں گا' اس کے دروازے پر کھڑا رہوں گا بھلائی کے کاموں میں لگا رہوں گا اور اس کی فیاضیوں کی طرف سبقت کروں گا۔

(ص ۱۷۲' الانسان الکامل از سید علوی مالکی' ضیاء القرآن پبلی کیشنز' گنج بخش روڈ' لاہور)

ذنب کی تفسیر کے سلسلے میں راقم سطور نے تفسیر خازن' تفسیر مدارک' تفسیر معالم التنزیل' تفسیر کبیر' تفسیر جلالین وغیرہ کا مطالعہ کیا۔ چنانچہ زیر آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ تفسیر خازن میں ہے:

اَمَرَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اللہ تبارک و تعالیٰ اسی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی

marfat.com

وَسَلَّمَ بِالْاِسْتِغْفَارِ مَعَ اَنَّہٗ مَغْفُوْرٌ لَہٗ لِیَسْتَبِنَّ بِہٖ اُمَّتَہٗ وَلِیَقْتَلَ دَابَہٗ فِیْ ذَالِکَ... وَقِیْلَ فِیْ مَعْنَی الْاٰیَۃِ اِسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ اَیْ ذُنُوْبَ اَھْلِ بَیْتِکَ (وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلِلْمُؤْمِنٰتِ) یَعْنِیْ مِنْ غَیْرِ اَھْلِ بَیْتِہٖ۔

رحمت سے نوازے ہوئے ہے اس کے باوجود آپ کو استغفار کا حکم صرف اس لیے دے رہا ہے کہ آپ کی امت آپ کے طریقہ استغفار کو اپنائے۔

(تفسیر خازن ص ۱۳۹، نعمانی کتب خانہ، لاہور)

آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل بیت و دیگر افراد کے گناہوں کی مغفرت طلب کرو۔

مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ کے سلسلے میں جلالین شریف کے اندر یہ کہا گیا ہے۔ ھُوَ مُؤَوَّلٌ لِعِصْمَۃِ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بِالدَّلِیْلِ الْعَقْلِیِّ الْقَاطِعِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَاللَّامُ لِلْعِلَّۃِ الْغَائِیَّۃِ فَمَدْخُوْلُھَا مُسَبَّبٌ لَا سَبَبٌ۔ (ص ۱۵۷ جلالین، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ذنب کی یہاں تاویل کی جائے گی کیونکہ دلیل قطعی سے انبیاء کرام کا معصوم عن الخطاء ہونا ثابت ہے۔ لام یہاں علت غائی کے لیے ہے اور وہ مسبب پر داخل ہے، سبب پر نہیں۔

شیخ احمد صاوی فرماتے ہیں:

اَیْ اَسْنَادُ الذَّنْبِ لَہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُؤَوَّلٌ اِمَّا بِاَنَّ الْمُرَادَ ذُنُوْبُ اُمَّتِکَ اَوْ ھُوَ مِنْ حَسَنَاتِ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتِ الْمُقَرَّبِیْنَ۔

(ص ۸۰، تفسیر صاوی، جلد ۴ طبع مصر)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ذنب کی جو نسبت ہوئی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ یا تو امت کے گناہ اس سے حسنات الابرار سیئات المقربین مراد ہیں۔

ذنب کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کرنے سے آپ کے دامن عصمت پر کوئی داغ نہ آئے۔ اس کے لیے مفسرین نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً

ذنب سے مراد خلاف اولیٰ ہے۔ وہ فعل نہ گناہ صغیرہ ہے نہ خلاف اولیٰ، لیکن عظمت و منزلت رسول کے پیش نظر اسے ذنب کہہ دیا گیا۔ غفر بمعنی چھپانا۔ اللہ نے آپ کا اس طرح تحفظ کیا ہے کہ آپ معصوم ہیں، نہ پہلے کوئی گناہ ہوا نہ بعد میں ہوگا--- بالفرض سہواً بھی کوئی بات آپ سے ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا آپ کو تو مغفرت عام حاصل ہے۔

سہو و نسیان سے متعلق سید محمد بن علوی مالکی مکی ایک بڑی فیصلہ کن بات کہتے ہیں--- اکثر علماء امت آپ کے ان غیر تبلیغی امور دینیہ اور افکار قلبیہ میں آپ سے سہو و نسیان کے سرزد ہو جانے کے قائل ہیں جن کی پیروی کا آپ نے حکم نہیں دیا۔ مگر ان امور میں بھی آپ سے بار بار اور مسلسل سہو ہو جانے کو جائز نہیں سمجھا گیا۔ کبھی کبھی ایسا ہو جائے تو اس کے ہونے پر اتفاق ہے۔

عارفین اور اہل قلوب و مقامات صوفیہ کا مسلک یہ ہے کہ آپ سے کسی قسم کا سہو صادر نہ ہو رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔

(الانسان الکامل)

مغفرت ذنب سے متعلق محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:

فَالنَّاسُ اُمَّتُہٗ مِنْ اٰدَمَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَبَشَّرَہُ اللّٰہُ بِالْمَغْفِرَۃِ لِمَا تَقَدَّمَ مِنْ ذُنُوْبِ

زمانہ حضرت سے یوم قیامت تک پیدا ہونے والے بھی انسان آپ کی امت ہیں، اسی لیے اللہ نے بھی انسانوں (اہل

اَلنَّاسِ وَمَا تَاَخَّرَ مِنْهُمْ فَكَانَ هُوَ الْمُخَاطَبُ وَالْمَقْصُوْدُ النَّاسُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لِلْكُلِّ۔

(ص ۱۳۹' جلد دوم الفتوحات المکیہ' دار صادر بیروت)

ایمان) کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی۔ مخاطب تو آپ ہیں مگر مقصود دوسرے لوگ ہیں اور اللہ سب کی مغفرت فرمائے گا۔

اس سے پہلے فرما چکے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَتْ عِصْمَتُهٗ فَلَيْسَ لَهٗ ذَنْبٌ يُغْفَرُ فَلَمْ يَبْقَ اِضَافَةُ الذَّنْبِ اِلَيْهِ۔ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ هُوَ الْمُخَاطَبُ وَالْقَصْدُ اُمَّتُهٗ۔

(ص ۱۳۸' الفتوحات المکیہ' جلد دوم)

آپ کی عصمت متحقق ہے اس لیے آپ کا کوئی ایسا گناہ ہو ہی نہیں سکتا جس کی بخشش کی جائے۔ اس لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ آپ کی طرف جو اضافت ذنب ہے اسے یہ سمجھایا جائے کہ مخاطب تو آپ ہیں مگر مقصود آپ کی امت ہے۔

جن مفسرین و مترجمین قرآن نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ میں ذنب سے ذنب امت مراد لیا ہے اور ک ضمیر خطاب کے ساتھ لام کو برائے تعلیل مانا ہے ان کی طرف سے ترجمانی کرتے ہوئے امام احمد رضا فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

اَللَّامُ فِیْ لَکَ لِلتَّعْلِيْلِ وَاِضَافَةُ الذَّنْبِ لِاَدْنٰی مُلَابَسَةٍ اَیْ لِيَغْفِرَ اللّٰهُ بِسَبَبِكَ وَبِجَاهِكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذُنُوْبِ اَهْلِكَ وَمَعَاصِيْهِمْ۔ الخ

(الفیوضات الملکیہ ص ۴۴' مکتبہ رضویہ آرام باغ' کراچی)

لک کے اندر لام برائے تعلیل ہے اور ذنب کی اضافت محض ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ کے سبب سے اور آپ کی عظمت مقام کی وجہ سے آپ کے اہل خانہ کے ذنوب و معاصی کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ الخ (جملہ اہل ایمان جو اگلے پچھلے ہیں ان سب کی مغفرت آپ کے سبب سے ہوگی)

اس سلسلے میں مولانا سعیدی کیا کہتے ہیں؟

احادیث میں مغفرت ذنب کی مراد

پاکستان کے ایک معروف عالم مولانا غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی نے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"متعدد احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام نے اس آیت سے یہ مراد لیا ہے کہ اس آیت میں آپ کی مغفرت کا اعلان ہے اور امت کی مغفرت مراد نہیں اور صحابہ کرام نے آپ کے سامنے یہ مطلب بیان کیا اور آپ نے اس مطلب کی توثیق کردی اس لیے اس آیت سے امت کی مغفرت مراد لینا صحیح نہیں ہے"۔

(ص ۹۸' کتاب الصیام شرح مسلم جلد ثالث ترجمہ غلام رسول سعیدی' فرید بک اسٹال' اردو بازار لاہور' طبع اول ۱۹۸۹ء)

اس کے بعد مولانا سعیدی نے چار حدیثیں پیش کی ہیں جنہیں ہم انہیں کے ترجمہ کے ساتھ نقل کر رہے ہیں۔ پہلی اور چوتھی حدیث مکمل اور دوسری و تیسری حدیث کا ضروری حصہ یہاں منقول ہے۔

۱۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلّٰى

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول

marfat.com

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَھُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ مَا یُطِیْقُوْنَ قَالُوْا اِنَّا لَسْنَا کَھَیْئَتِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ غَفَرَلَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فَیَغْضَبُ حَتّٰی یُعْرَفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْھِہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمَکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۷ مطبوعہ کراچی)

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو کسی عمل کا حکم دیتے تو ایسے عمل کا حکم دیتے جس کو وہ آسانی سے کر سکیں (یعنی مشکل اور دشوار عبادتوں کا حکم نہ دیتے) صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کی مثل نہیں۔ لاریب اللہ تعالٰی نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی ہے (یعنی آپ کے لیے تو قلیل عبادت کافی ہے ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہیے) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ناراض ہوئے حتیٰ کہ آپ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار ظاہر ہوئے اور فرمایا تم سب سے زیادہ متقی اور تم سب سے زیادہ اللہ کا علم رکھنے والا میں ہوں۔ (لہٰذا مجھ سے زیادہ عبادت کی کوشش مت کرو)

۲۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ نے ایک صحابی کے سلسلے میں روایت کی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا آپ نے جواب عنایت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا:

یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَتْقَاکُمْ وَاَخْشَاکُمْ لَہٗ۔

یا رسول اللہ! اللہ تعالٰی نے آپ کے اگلے پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: سنو! خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالٰی سے ڈرنے والا ہوں۔

(ص ۳۵۳ صحیح مسلم اول مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

۳۔ حضرت عائشہ نے ایک صحابی کے سلسلے میں روایت کی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا آپ نے جواب عنایت فرمایا: تو انہوں نے عرض کیا:

لَسْتَ مِثْلَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! قَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ فَقَالَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَخْشَاکُمْ اللّٰہَ وَاَعْلَمُکُمْ بِمَا اَتَّقِیْ۔

یا رسول اللہ! آپ ہماری مثل کب ہیں؟ لاریب اللہ تعالٰی نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کو معاف کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: قسم بخدا! مجھے اللہ تعالٰی سے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور جن چیزوں سے بچنا چاہیے ان کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔

(ص ۳۵۴ صحیح مسلم جلد اول مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

۴۔ عَنِ الْمُغِیْرَۃِ قَالَ قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی تَوَرَّمَتْ قَدَمَاہُ۔ فَقِیْلَ لَہٗ لِمَا تَصْنَعُ ھٰذَا۔ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ قَالَ اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں اس قدر قیام کیا کہ پاؤں مبارک میں ورم آگیا۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر عبادت کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب کی مغفرت کر دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

marfat.com

علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ پہلی حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:
واضح ہو کہ جمہور مفسرین و محدثین وائمہ دین اس امر پر متفق ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم ہیں۔
تفسیرات احمدیہ میں آیت لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ کے تحت لکھا ہے کہ

لَاخِلَافَ لِاَحَدٍ فِیْ اَنَّ نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَرْتَکِبْ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً طَرْفَۃَ عَیْنٍ قَبْلَ الْوَحْیِ وَبَعْدَہٗ۔ کَمَا ذَکَرَہٗ اَبُوْحَنِیْفَۃَ فِی الْفِقْہِ الْاَکْبَرِ۔

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک لمحہ کے لیے بھی قبل نبوت و بعد نبوت کسی صغیرہ و کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ جیسا کہ فقہ اکبر میں سیدنا امام اعظم علیہ الرحمتہ نے تصریح فرمائی ہے۔

نیز علامہ قاضی عیاض، ابواسحٰق و علامہ تقی الدین سبکی و دیگر علماء وائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام سے کوئی گناہ خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ سہواً ہو یا عمداً صادر نہیں ہوا۔ چنانچہ لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ کے کمال نے متعدد معنی لیے ہیں۔

۱۔ علامہ سبکی و شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ نے اس معنی کی تحسین و تعریف کی کہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی بلکہ ازراہ تکریم و تشریف یہ فرمایا گیا کہ اگر کسی گناہ کا امکان بھی فرض کر لیا جائے تو وہ بھی بخش دیا گیا۔ وہ کہتے ہیں مقصود کلام اثبات ذنب یا اس کا غفران نہیں بلکہ اس سے مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

۲۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام ازلی و ابدی طور پر گناہوں سے پاک و منزہ ہیں۔

۳۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کے صدقہ میں امت کی بخشش کا اعلان ہے۔

(عینی جلد اول ص ۱۹۵)

بعض نے کہا کہ ذنب سے مراد اولیٰ ہے یعنی افضل کے بجائے فاضل کو اختیار کرنا اور یہ بات انبیاء کی جلالت شان کی وجہ سے ان کے حق میں گویا ذنب ہے۔ اس آیت میں اسی کی بخشش کا اعلان ہے۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ (عینی جلد اول ص ۱۹۵)

۴۔ علامہ قاضی عیاض نے لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے۔ الخ

(ص ۱۶۱، فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری کتاب الایمان حصہ اول، مکتبہ رضوان لاہور)

چند سطروں کے بعد لفظ ذنب کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں۔
اب آیت کے لفظ ذنب پر غور کیجئے۔

معصیاۃ: اس نافرمانی کو کہتے ہیں جس میں قصد و ارادہ ہو۔ اَلْمَعْصِیَۃُ عُدُوْلٌ عَنِ الْحُکْمِ اِنْحِرَافٌ مِّنَ الطَّاعَۃِ مُخَالَفَۃٌ لِّلْاَمْرِ۔

خطا: صواب کی ضد ہے۔ اس کے معنی نادرست کے ہیں۔ اور ذنب: جس کے معنی دم ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذنب بفتح و سکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر وہ الزام جو کسی پر لگایا جائے۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ الفاظ آئے ہیں:
وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ۔ انہوں نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ

marfat.com

مجھے قتل کر دیں گے۔

یہاں ذنب بمعنی الزام ہے اور غفر کے معنی مٹانے اور چھپانے کے آئے ہیں۔ لہٰذا جب آیت مذکورہ بالا میں لفظ معصیت نہیں آیا ہے تو ایسی صورت میں کیا ضروری ہے کہ یہاں ذنب کے معنی گناہ کے لیے جائیں۔

پس اس تشریح کی روشنی میں ذنب کے معنی الزام کے ہیں۔ غفر کے معنی مٹانے کے۔ ماتقدم سے مراد وہ الزامات ہیں جو کفار نے حضور علیہ السلام پر قبل ہجرت لگائے یعنی یہ کاہن ہیں، شاعر و ساحر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور ما تاخر سے مراد وہ اتہامات ہیں جو انہوں نے حضور علیہ السلام پر بعد از نبوت لگائے کہ یہ فسادی ہیں، مکہ کو اجاڑنے والے اور بھائی بھائی میں جدائی ڈالتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ (معاذ اللہ)

اس آیت کی یہ توجیہ بہت ہی نفیس ہے اور اس توجیہ پر فتح مبین اور مغفرت ذنب کے درمیان نہایت نفیس مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ آیت کا مفہوم یہ ہے۔

ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔ اس کے ذریعہ اللہ نے آپ کے لیے پہلے اور پچھلے الزامات و اتہامات کو مٹا دیا۔

(ص ۱۶۲، فیوض الباری، حصہ اول)

علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے آیت کا ترجمہ کرتے ہیں "اللہ تعالیٰ نے آپ کو آج سے پہلے اور آج کے بعد بھی گناہ سے محفوظ رکھا"۔ اور تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحابہ نے اپنے شوق عبادت سے عرض کیا کہ آپ تو معصوم ہیں، ہم معصوم نہیں اس لیے ہمیں زیادہ عبادت کرنی چاہیے۔ اس پر آپ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ تم سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا میں ہوں۔ پھر آپ نے ذنب کا معنی گناہ اور الزام دونوں بتا کر اس کی تحقیق کی اور آخر میں لکھا۔ ص ۸۵ قسطلانی میں ہے۔

اَیْ حَالَ بَیْنَکَ وَبَیْنَ الذُّنُوْبِ فَلَا تَاْتِیْھَا لِاَنَّ الْمَغْفِرَ السِّتْرُ۔

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو گیا اس لیے آپ سے گناہ صادر نہ ہوا۔

(ص ۲۷۷، نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد اول، برکاتی پبلشرز کھارادر، کراچی)

خلاصہ تفاسیر

پیش کردہ قدیم و جدید تفاسیر و تشریحات کا خلاصہ اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے خلاف اولیٰ عمل کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔

۲۔ بظاہر خطاب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا گیا ہے مگر درحقیقت امت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے اس کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سبب سے امت کے اگلے پچھلے گناہوں کی بشارت دی گئی ہے۔

۴۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قبل ہجرت و بعد ہجرت عائد ہونے والے الزامات کو مٹا دینے کی بشارت دی گئی ہے۔

جن جن علماء و مفسرین نے ان کی تفاسیر میں سے جو تفسیر اختیار کی ہے اسے اپنے نزدیک انہوں نے بہتر سمجھا اور اس کے دلائل بھی دیئے ہیں۔

marfat.com

مذکورہ چار احادیث کا مطلب

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ کی مذکورہ تفاسیر میں جو جس کے نزدیک بہتر ہے اس کے مطابق اس کے نزدیک ان احادیث کا مطلب بھی ہو گا۔ مثلاً

جس مفسر و مترجم کے نزدیک اس آیت کا یہ معنی ہو گا کہ۔۔۔ "تاکہ اللہ آپ کے سبب آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دے"۔ وہ یہ مطلب بتائے گا کہ صحابہ کرام کی مراد یہ ہے کہ یارسول اللہ! آپ کی اللہ کے نزدیک تو وہ رفعت و منزلت ہے کہ اس نے آپ کے صدقے میں آپ کی امت کے گناہ بخش دینے کی بشارت دے دی' اس لیے آپ کی بات ہی کیا۔ فکر اور تشویش تو ہم امتیوں کو ہونی چاہیے۔ ان کے اس خیال کا جواب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس طرح دیا کہ میں تو تم سے زیادہ اس کو جاننے والا اس سے ڈرنے والا ہوں۔ اور کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں کہ اس نے میرے اوپر اتنا انعام و اکرام فرمایا کہ میری وجہ سے میری امت کے اگلے پچھلے گناہ اس نے بخش دیئے۔ جذبہ احسان شناسی و شکر گزاری کی وجہ سے مجھے تو اس کی تم سب سے زیادہ ہی عبادت کرنی ہے۔

مولانا سعیدی کا اس تفسیر و تشریح پر یہ اعتراض کرنا کہ "دنیا میں مغفرت کی بشارت کا حصول اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے جو تمام نبیوں اور رسولوں میں صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل ہوا اور یہ آپ کی بہت بڑی خصوصیت ہے اور اس تقدیر پر یہ آپ کی فضیلت نہیں رہتی' بلکہ آپ کے اگلوں پچھلوں کو یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ دنیا میں ان کی مغفرت کی نوید سنا دی گئی"۔ (ص ۱۰۰' شرح صحیح مسلم' جلد ثالث از غلام رسول سعیدی)

یہ کوئی مستحکم عقلی خدشہ نہیں کیونکہ حضور کی صرف یہی ایک فضیلت و خصوصیت نہیں بلکہ وہ بے شمار فضائل و خصوصیات کے حامل ہیں۔ اور کیا عشرۂ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس دنیا ہی میں مغفرت کی نوید نہیں سنا دی گئی؟

اور جس کو بھی نوید مغفرت ملی کیا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل میں نہیں ملی؟ تو مرکز خصوصیت و مرجع فضیلت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ہوئی۔

اسی طرح مولانا سعیدی کا یہ سوال کہ۔۔۔

اگر اگلوں پچھلوں اور امت کی مغفرت کر دی گئی ہے تو کیا اگلوں پچھلوں اور امت سے ان کی بداعمالیوں کا محاسبہ اور مواخذہ اور ان میں سے بعض کو عتاب اور عذاب نہیں ہو گا؟... اور اگر یہ مطلب بیان کیا جائے گا کہ انجام کار ان کی مغفرت ہو جائے گی اور وہ سزا بھگت کر جنت میں چلے جائیں گے تو یہ کوئی ایسی فضیلت کی بات نہیں ہوئی جو آپ کی بدولت اور آپ کے سبب سے اگلوں پچھلوں اور امت کو حاصل ہو۔ کیونکہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہو اس کی بہر حال نجات ہو جائے گی۔

(ص ۱۰۰' شرح صحیح مسلم' جلد ثالث)

اس کا جواب یہ ہے کہ اگلوں پچھلوں کا حساب و کتاب اور ان کی نجات و مغفرت پہلے یا بعد میں ہو گی یہ سب رحمت خداوندی پر موقوف ہے۔ جیسا کہ انبیاء و مرسلین و صلحائے امت کی شفاعت کا معاملہ ہے کہ وہ اسے جب اور جس طرح چاہے گا قبول فرمائے گا۔ اور خود حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو اللہ کے نزدیک مقبول الشفاعۃ ہیں ان کی شفاعت بھی رحمت خداوندی پر موقوف ہو گی۔ لہٰذا عام اذہان ہی اس سوال سے کچھ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اہل علم پہلی ہی نظر میں اسے بے وزن قرار دیں گے۔

marfat.com

عقلاً مخدوش یا حسا مخبوط

مذکورہ چاروں خلاصہ تفاسیر میں سے نمبر ۳ کے بارے میں مولانا سعیدی کا یہ غیر فطری اور غیر سنجیدہ تبصرہ کہ---"یہ تفسیر احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور عقلاً بھی مخدوش ہے"۔(ص ۹۸، شرح صحیح مسلم، جلد ثالث)

جس جارحانہ تیور کا آئینہ دار ہے اسے موجودہ دور کے وہ جمہور اہل سنت جو امام اہل سنت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی، صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، محدث اعظم سید محمد جیلانی کچھوچھوی و دیگر مقدم علماء و مفسرین جنھوں نے اس تفسیر کو اختیار کیا یا مختلف تفاسیر کے ساتھ ایک تفسیر کے طور پر اسے بھی نقل کیا مثلاً علامہ بدر الدین عینی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ صاوی، محی الدین ابن عربی، علامہ سبکی وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین، ان پر کتنا زبردست اور ناروا حملہ ہے۔ ان کا کوئی غیرت مند عقیدت کیش "عقلاً مخدوش" جیسے سخت ریمارک کا پلٹ کر یہ جواب دے سکتا ہے کہ اس کا قائل خود "حسا مخبوط" ہے۔ اس لیے کسی پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اس کا جواب اور انجام بھی اچھی طرح سوچ لینا چاہیے۔

ایسے دور میں جب کہ "تحفظ توحید" کے نام پر "تنقیص رسالت" کی شرانگیز مہم چلائی جارہی ہو، کیا یہ بات عقلی طور پر قابل قبول نہیں کہ ترجمہ قرآن کے اندر اس کی احتیاط برتی جائے کہ کسی جدید موحد کو بارگاہ رسالت میں انگشت نمائی کا موقع نہ مل سکے؟

واضح رہے کہ مولوی سرفراز گکھڑوی نے "تنقید متین" نامی اپنی کتاب میں جب کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن (از امام احمد رضا فاضل بریلوی) اور خزائن العرفان فی تفسیر القرآن (از صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی) پر لغو و مہمل اعتراضات کیے تو مولانا غلام رسول سعیدی صاحب نے توضیح البیان کے نام سے ایک وقیع کتاب لکھ کر ان اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا تھا اور وہ اس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"اور راقم الحروف چونکہ صدر الافاضل کے مسلک سے وابستہ ہے اور نعیمی سلسلہ سے مستفیض ہے، لہٰذا اس سلسلہ کا ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے میری بھی ذمہ داری تھی کہ اس کتاب کے جواب میں قلم اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے حضرت صدر الافاضل کی معنوی امداد سے اس کتاب کا جواب لکھنا شروع کیا اور انہیں کی روحانی اعانت سے یہ کتاب پایہ تکمیل تک پہنچی"۔(ص ۳۳، توضیح البیان از مولانا غلام رسول سعیدی، طبع جنوری ۱۹۷۹ء، حامد اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور)

مولانا سعیدی کنزالایمان کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی کے علمی کارنامے یوں تو ان گنت اور بے شمار ہیں، لیکن جو خصوصیت آپ کے ترجمہ قرآن کو حاصل ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ یہ ترجمہ تمام تفاسیر معتبرہ کا خلاصہ ہے۔ آسان اور سادہ عبارت کی صورت میں حقائق و معارف کے خزینے سمو کر رکھ دیئے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات پر جو بظاہر اعتراضات ہوئے ہیں ترجمہ کی خوبی سے وہ دور ہو جاتے ہیں۔

اس ترجمہ میں رازی کی موشگافیاں ہیں، غزالی کا تصوف ہے، جامی کی وارفتگی ہے، نعمان کا تفقہ ہے، آلوسی کی ژرف بینی ہے"۔(ص ۲۷، توضیح البیان)

اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھ کر قاری کے دل میں جو تاثر پیدا ہوتا ہے اس کی عکاسی کرتے ہوئے مولانا سعیدی لکھتے ہیں:

"رسول اللہ کا سچا شیدائی اور آپ کا صادق امتی جب اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھتا ہے تو نعت رسالت کی شمیم سے دماغ مہک اٹھتا ہے۔ پیمانہ دل محبت رسالت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ روح جھوم جاتی ہے اور رگ و پے میں عشق رسول خون بن کر دوڑنے

marfat.com

لگتا ہے"۔(ص ۳۲، توضیح البیان)

یہاں اپنی طرف سے کچھ نہ کہہ کر ہم مولانا سعیدی کے انہیں گراں قدر تاثرات کی تائید و تصدیق کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حقیقت فہمی اور حقیقت نگاری کی توفیق عطا فرماتے ہوئے مسلک عشق و عرفان پہ قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

marfat.com

از قلم : حضرت علامہ مفتی محمد اعظم صاحب شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام، بریلی شریف

نبی کیلئے گمراہی محال ہے

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔ (سورۃ الضحیٰ)

اور تمہیں تمہارے رب نے اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔ (ترجمہ رضویہ)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت مجدد دین و ملت حضرت مولانا امام احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمتہ کا یہ ترجمہ عربی لغت، شریعت و عقائد اہلسنت کے بالکل مطابق و تفاسیر قرآن کا عطر تحقیق و نچوڑ ہے۔

تمام اہل حق کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں یعنی شرک و کفر و گمراہی اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو جیسے کذب و خیانت وغیرہا صفات ذمیمہ سے ان کا متصف ہونا اور ہر گناہ کبیرہ کا قصداً یا سہواً اور ہر گناہ صغیرہ کا قصداً ان سے صادر ہونا قبل نبوت و بعد نبوت شرعاً محال ہے--- اب ابوالاعلیٰ مودودی کا ترجمہ پڑھیے۔ "اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی یعنی گمراہ پایا پھر ہدایت دی"۔ مودودی نے جہاں بہت کفریات بکے ہیں وہاں مذکورہ بالا آیت کریمہ کا، اس کا ایک کفری ترجمہ بھی ہے۔ یہ ترجمہ عربی لغت و شریعت و عقائد حقہ اہلسنت و جماعت اور تمام اہل حق کے عقیدہ متفقہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے خلاف: غلط و باطل و گمراہ کن ہے اور حضرت امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمہ جو اوپر ذکر کیا گیا حق و صواب، نور و عرفان، عین ایمان، صحیح ترجمہ قرآن ہے۔ بات مکمل طریقہ سے محقق اس وقت ہوگی جبکہ پہلے لفظ ضالا کی تحقیق ہو جائے۔ ضال اسم فاعل ہے۔ اس کا مصدر ہے ضلال و ضلالت۔ اس کے اصلی حروف ہیں ضـلـل۔ ض اور دو لام۔ اس کا ماضی ہے ضل مضارع ہے یضل۔ مصدر ضلال و ضلالت کا اصلی لغوی معنی ہے گم ہونا۔ اصول تفسیر میں ایک کتاب ہے مختارات، یہ ایک مصری عالم کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے لکھا ہے کہ جب زیادہ دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دیا جاتا ہے تو عربی زبان میں کہتے ہیں ضَلَّ الْمَآءُ فِی اللَّبَنِ، پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ انسان کا گم ہونا دو طرح ہوتا ہے، ایک اپنے سے گم ہونا اس کو بے خودی کہتے ہیں اور دوسرا راستے سے گم ہونا اس کو گمراہی کہتے ہیں۔ تو ضلال و ضلالت کے دو معنی ہوئے: (۱) بے خودی۔ (۲) گمراہی۔ جب مصدر کے دو معنی ہوئے تو ضال اسم فاعل کے بھی دو معنی ہوں گے۔ ایک بے خود دوسرا گمراہ اور جس لفظ کے ایک سے زیادہ معنی موضوع لہ ہوں اس کو لفظ مشترک کہتے ہیں اور لفظ مشترک جب کسی جگہ استعمال کیا گیا تو وہاں اس کا ایک ہی معنی مراد ہوگا جس پر قرینہ قائم ہو--- قرائن میں سے ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جب ایک معنی محال ہو تو دوسرا

marfat.com

معنی مراد ہونا متعین ہے۔

اب آیئے اسی اصل معلوم اور اسی قانون معروف و مشہور پر آیت کریمہ میں لفظ ضالا کی تفسیر و تاویل کی بات کی جائے اور جو معنی مراد ہے اس کا بیان و اظہار کیا جائے اللہ تعالیٰ و تقدس نے اپنے محبوب کو مخاطب فرما کر فرمایا:

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی۔ اور اے محبوب! آپ کو آپ کے رب نے اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

ووجدک میں کاف خطاب سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ آپ ہی کے لیے ضَآلًّا فرمایا گیا--- ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نبی کے لیے گمراہ ہونا محال ہے اس لیے آیت میں ضَآلًّا سے گمراہ مراد لینا محال ہوگیا لہٰذا دوسرا معنی خود رفتہ مراد لینا متعین ہوگیا--- امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت علیہ الرحمتہ نے یہی معنی اپنے ترجمہ کنزالایمان میں بیان فرمایا ہے--- اب رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کس وجہ سے بے خود تھے تو اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ غار حرا میں پہلی وحی اقراء الخ آنے کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ایک روایت ۴۰ دن ایک روایت میں تین سال وحی رک جانے کی وجہ سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انتظار و شوق وحی و ہمکلامی رب کی خاطر بے قرار ہوگئے۔ بے قراری اس قدر بڑھی کہ حضور نے خود فرمایا کہ ارادہ تو نہ کرتا مگر خیال میں گزرتا کہ اپنے کو کسی پہاڑی کے اوپر سے نیچے ڈال کر ہلاک کر ڈالوں--- اور اسی بے قراری کی حالت میں کفار آپ کو طعنہ بھی مارتے کہ معاذ اللہ محمد کے رب نے محمد کو چھوڑ دیا اور مکروہ جانا---

بہرحال! جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم ایک مدت تک وحی نہ آنے کے سبب خود رفتہ و بے خود ہوگئے تو اللہ عزوجل نے وحی کا سلسلہ پھر شروع فرما کر آپ کی بے خودی اور وارفتگی کو دور فرمادیا۔ قرآن کی تفسیر اگر قرآن سے ہو تو یہ بہت عظیم و جلیل، نہایت مستند و معتمد تفسیر ہوتی ہے۔ سورۂ یوسف میں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے لفظ ضلال بے خودی کے معنی میں آیا ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتا مصر سے کنعان لایا جا رہا تھا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں لڑکوں پوتوں سے فرمایا کہ میں اپنے گم شدہ بیٹے یوسف (علیہ السلام) کی خوشبو پا رہا ہوں، اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھیا گیا ہے۔ تو لڑکوں نے کہا کہ خدا کی قسم! آپ اپنی پرانی خود رفتگی میں ہیں جو ایسی بات کہہ رہے ہیں--- اس آیت میں بھی ضلال سے گمراہی مراد لینا محال ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہیں، گمراہی سے پاک ہیں اور سیاق و سباق کے قرینہ سے بھی بے خودی کا ہی معنی مراد لینا متعین۔ ہم وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی سے پہلے کی آیتوں کا ترجمہ بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ خوب اچھی طرح یہ بات واضح ہو جائے کہ یہاں گمراہ معنی مراد لینا سیاق کلام کے بھی خلاف ہے--- رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالضُّحٰی وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ○ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ○ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ○ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ○ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ○ وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی ○

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے۔ یا قسم آپ کے چہرۂ نور فزاء کی اور زلف دوتا کی کہ تمہیں تمہارے رب نے نہیں چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے اور بے شک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا، پھر جگہ دی اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔

marfat.com

شان نزول: چند روز وحی نہ آئی تو کفار نے بطریق طعن کہا کہ محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا اور مکروہ جانا اس پر سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب کی تسکین خاطر فرمایا اور اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اپنے محبوب پر کیں اور کفار کے طعن کا جواب فرمایا کہ میں نے وحی کا سلسلہ کچھ دن بند کر کے اپنے محبوب کو نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا۔ یہ تو محب اور محبوب کے درمیان محبت کا ایک انداز اور ایک شان تھی کہ محب حقیقی نے محبوب حقیقی کے ساتھ پیغام رسانی کا سلسلہ بند کر دیا تاکہ اپنے محبوب کی فرط محبت اور بے قراری کو لوگوں پر ظاہر فرمائے۔ جیسے بلا تشبیہ دنیا میں ایک محب اپنے محبوب کو خط لکھنا' پیغام رسانی کرنا کبھی بند کر دیتا ہے' تاکہ اپنے محبوب کی بے قراری و خود رفتگی کو دیکھے اور یہ زیادتی محبت کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ چھوڑنے اور ناپسند کرنے کے سبب--- اشرف علی تھانوی کا ترجمہ غلط' باطل' ترجمہ کفر و طغیان ہے اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ترجمہ حق و صحیح' اسلام و ایمان اور نور و عرفان ہے۔

غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ (ملتان)

ضرورت نبوت

اس میں شک نہیں کہ انسان میں جسمانیت' حیوانیت اور ملکیت سب کچھ موجود ہے۔ جسم کے متعلقات و مناسبات جسمانیت کے لیے ضروری ہے جیسے زمان و مکان' تشکل و تناہی' ہیئت و مقدار وغیرہ اور حیوانیت کے لوازمات و ملحقات حیوانیت کے لیے لازم ہیں' جیسے کھانا پینا اور اس کے متعلقات۔ اسی طرح ملکیت کے مضمات و متعلقات کا ملکیت کے لیے ہونا ضروری ہے۔ جیسے تسبیح و تحمید لیکن جس طرح جسمانیت و حیوانیت و ملکیت' تینوں انسان کے ارد گرد گھومتی ہیں' اسی طرح ان کے جملہ ضروریات و مناسبات بھی ضروریات و مناسبات انسانیہ کے آس پاس گردش کرتے ہیں' بلکہ یوں کہئے کہ انسان کل کائنات کے حقائق لطیفہ کا مجموعہ ہے اور سب مخلوقات انسان کی خادم اور انسان سب کا مخدوم ہے' لہٰذا کل مخلوقات انسان کی ضروریات کی خادم اور انسانی ضروریات سب کی مخدوم ہیں۔ گویا کل کائنات کی ضروریات' ضروریات انسانیہ کے محور پر گھوم رہی ہیں۔ دنیائے انسانیت کا یہ عظیم الشان نظام دامن نبوت سے وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن افراد انسانی کا رابطہ بارگاہ نبوت سے قائم نہیں ہوا۔ وہ حیوانیت اور بہیمیت کے گڑھوں میں جا گرے۔

ضرورت نبوت پر پہلی دلیل

مقصد تخلیق کے حصول کا موقوف علیہ ہمیشہ ضروری ہوا کرتا ہے۔ انسان معرفت الٰہیہ کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور خدا کی معرفت کا حاصل ہونا نبوت و رسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے نبوت و رسالت کا وجود انسان کے لیے ضروری ہے۔ منکرین نبوت کا یہ کہنا علم و عقل کی روشنی میں قطعی باطل ہے کہ جب انسان کے پاس حواس اور عقل دونوں موجود ہیں تو اسے نبوت و رسالت کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لیے یہ حواس کافی ہیں نہ عقل' جن لوگوں نے خدا کی معرفت کے لیے حواس کو کافی سمجھا وہ محسوسات و مظاہر کائنات کی پرستش میں مبتلا ہو گئے اور جنہوں نے عقل پر اعتماد کیا ان میں اکثر لوگ خدا کے منکر ہو گئے اور جو صریح انکار کی جرأت نہ کر سکے' انہوں نے ذات و صفات کے مسائل میں ایسی ٹھوکریں کھائیں کہ معرفت کی راہوں سے بہت دور جا پڑے اور عقل ناتمام کی وادیوں میں بھٹک کر ظنون و اوہام کے گڑھوں میں جا گرے۔ قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے حق میں ارشاد فرمایا: "اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ" رہا یہ امر کہ خدا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کی معرفت ضروری ہے یا نہیں' تو یہ ایک علیحدہ موضوع ہے یہاں صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ موضوع کا وجود صانع کے وجود کی دلیل ہے اور مصنوع کی تخلیق کسی حکمت و مقصد کے بغیر نہیں ہوتی اور کسی مصنوع کی حکمیت تخلیق کا فوت ہو جانا اس مخلوق کے عبث ہونے کو مستلزم ہے۔ انسان کے اوصاف و خواص اس امر کی دلیل ہیں کہ وہ اپنے خالق کا

marfat.com

مظہر ہے۔ اب اگر وہ اس حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی نہ پہچانے تو اس نے خود اپنے وجود کو عبث قرار دیا اور اگر پہچانے تو وہ ذات باری تعالیٰ کا مظہر ہے لہٰذا اپنے آپ کو صحیح معنوں میں پہچاننا دراصل اپنے خالق کو پہچاننا ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ" لہٰذا ثابت ہو گیا کہ معرفت خداوندی کے بغیر انسان کا وجود عبث ہے اور اگر انسان چاہتا ہے کہ میرا وجود عبث نہ ہو تو معرفت الٰہیہ کے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔

ضرورت نبوت پر دوسری دلیل

قانون فطرت یہ ہے کہ ہر نوع کی مدرکات کو معلوم کرنے کے لیے ادراک عطا کیا گیا ہے مثلاً مبصرات کو جاننے کے لیے ادراک بصری اور مسموعات کے لیے ادراک سمعی۔ علیٰ ہذا القیاس پانچوں حواس کو لیجئے ہر نوع محسوس کے لیے اسی نوع کا حاسہ ہمارے اندر پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد معقولات کا وجود ہے جنہیں معلوم کرنے کے لیے عقل عطا فرمائی گئی۔ ادراک انسانی کی تگ و دو حواس و عقل سے آگے نہ تھی مگر اس کی ضروریات کا تعلق ان دونوں سے آگے تھا جسے عالم غیب کہا جاتا ہے۔ جب تک اس عالم تک کسی کی رسائی نہ ہو اس مقام کے ساتھ متعلقہ انسانی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ نبوت جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے "اطلاع علی الغیب" ہی کا نام ہے، لہٰذا انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کے لیے نبوت کا ہونا ضروری ہے۔

ضرورت نبوت پر تیسری دلیل

حاسہ سبب ادراک ہے اور اس سے غلطی بھی واقع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے ازالہ کے لیے عقل کا اس پر حاکم ہونا ضروری ہے مگر جب عقل بھی ٹھوکر کھائے تو اس کا ازالہ نہ عقل کر سکتی ہے نہ حواس۔ کیونکہ حواس عقل کے محکوم ہیں اور عقل بحیثیت عقل ہونے کے مساوی ہے، لہٰذا ضروری ہوا کہ عقل پر ایسی چیز کو حاکم تسلیم کیا جائے جو غلطی سے پاک ہے اور وہ نبوت ہے کیونکہ نبوت ہی غلطی سے مبرا ہے۔ لہٰذا اختلاف عقل کی مضرتوں سے بچنے کے لیے "نبوۃ" کو ماننا ضروری ہے۔ نبوت کا غلطی سے پاک ہونا ہی عصمت نبوت کا مفہوم ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ "عصمۃ" لوازم نبوت سے ہے، اس مقام پر زلات انبیاء علیہم السلام سے وہم پیدا کرنا درست نہیں۔

استدراک

شاید اس بیان کی روشنی میں ضرورت نبوت کے ساتھ اجرائے نبوت کا شبہ پیدا کر لیا جائے۔ اس لیے گزارش ہے کہ ضرورت نبوت سے اجرائے نبوت ہرگز لازم نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے مطابق خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث فرمایا جب کہ نوع انسانی اپنی حیات کے منازل طے کرتی ہوئی ایسے مرحلہ پر پہنچ گئی تھی کہ اس کے لیے جو نظام مقرر کیا جائے قیامت تک اس کی تمام ضروریات کے لیے وہی قابل عمل ہو، چنانچہ ارشاد فرمایا: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" میں نے آج تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور میں نے تمہارے لیے تمہارے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ یہ ارشاد خداوندی منکرین ختم نبوت کے اس شبہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کافی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبوت محمدیہ کے دامن سے ایسا دین وابستہ ہے جو قیامت تک پیش آمدہ ضروریات

marfat.com

کے پورا ہونے کا واحد ذریعہ ہے۔ نبوت و رسالت محمدیہ ہی بنی نوع انسان کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے۔ اس کے بعد کسی کو نبوت دیا جانا مقصود نہیں۔ ضرورت نبوت کے ایسے اجراء نبوت کو لازم سمجھنا اکمال دین کے منافی ہے۔ ضرورت نبوت کے بعد حکمت بعثت پر بھی غور کرتے چلیں تاکہ عصمت و نبوت کا باہمی تعلق اور زیادہ ہو جائے۔

بعثت انبیاء کی حکمتیں

قرآن کریم میں بعثت انبیاء علیہم السلام کی حکمتیں بکثرت آیات میں بیان کی گئی ہیں جن میں بعض حسب ذیل ہیں:

۱- "وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ"۔ (پارہ ۵، سورۃ نساء)

۲- "وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ"۔ (پارہ ۷، سورۃ انعام)

۳- "وَمَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا"۔ (پارہ ۲۲، سورۃ احزاب)

۴- "وَمَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ"۔ (پارہ ۵، سورۃ نساء)

۵- "لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَاِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ"۔

(پارہ ۴، سورۃ آل عمران)

ضرورت نبوت کے ضمن میں جن امور کو ہم نے بیان کیا ہے۔ یہ آیات مبارکہ روز روشن کی طرح ان کی تائید کرتی ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت سے متعلق حسب ذیل حکمتوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔

۱- اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرانا۔

۲- عالم غیب سے متعلق آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری دینا اور عذاب الٰہی سے ڈرانا۔

۳- اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا نجات کا اخروی اور سعادت ابدی کے لیے شرط ہونا۔

۴- اطاعت رسول کا اطاعت خداوندی ہونا، تاکہ بندوں کے لیے اطاعت الٰہی کی راہ متعین ہو جائے۔

۵- آیات الٰہیہ کو تلاوت کرنا۔

۶- ایمان والوں کا ظاہر و باطن پاک کرنا۔

۷- کتاب الٰہی اور حکمت و دانائی کی تعلیم دینا۔

بیان سابق کی تفصیلات کو ذہن نشین کرنے کے بعد اگر نبوت اور رسالت کے ان مناصب و بعثت انبیاء علیہم السلام پر غور کیا جائے تو یقیناً عصمت نبوت کا اقرار کرنا پڑے گا۔ کم از کم اتنی بات تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی صلاحیت کسی میں نہ ہو وہ کام اس کو سپرد نہ کیا جاتا۔ ایک ظالم کو کرسی عدالت پر بٹھانا، ان پڑھ آدمی کو علم و حکمت کی موشگافیوں کا کام سونپنا، کسی بدکار فاسق و فاجر کو عفیفات کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لیے متعین کرنا۔ بیمار و ناتواں کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دینا۔ گم کردہ راہ سے ہدایت قلب کرنا کسی عاقل کا کام نہیں۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان امور کی صلاحیتوں کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ ان کی انجام دہی کا منصب انبیاء کرام علیہم السلام کو سونپ دے؟ جب یہ ممکن نہیں تو ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت کے ساتھ وہ تمام قوتیں اور صلاحیتیں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کو عطا فرمائی ہیں جن کا ہونا ان کے لیے ضروری تھا اور یہی عصمت کا مفہوم ہے جس کے بغیر "نبوۃ" ایسی ہے جیسے بینائی کے بغیر آنکھ اور روشنی کے بغیر سورج۔

marfat.com

از قلم : مولانا غلام رسول سعیدی شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ' کراچی

منصب نبوت کی

تفہیم و تشریح

اسلامی عقائد میں عقیدہ رسالت نہایت اہمیت کا حامل ہے حتیٰ کہ کوئی شخص رسول کو مانے بغیر خدا کو مان لے تو اس کا یہ ایمان مقبول نہیں ہے۔ اگر مقام رسالت کی ادنیٰ بے ادبی ہو جائے تو عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں اکارت ہو جاتی ہیں اور اگر کوئی شخص کمالات رسالت کو بڑھا کر الوہیت کی سطح پر لے آئے تو وہ ورطہ شرک میں گر جاتا ہے۔ الحاد اور دہریت نے یہ شبہات پیدا کر دیئے کہ نبی کی کیا ضرورت ہے' وصال خدا تو اس کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ رسول کی حیثیت ایک مرکز ملت اور سربراہ مملکت سے زیادہ نہیں ہے' اس لیے اس کے اقوال اور افعال قیامت تک باقی رہنے والے قوانین کی اساس نہیں ہو سکتے۔

بعض لوگوں نے یہ کہا کہ رسول ہماری طرح ایک عام انسان تھے۔ فرق یہ ہے کہ ان پر وحی آتی تھی۔ اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ نبوت سے متعلق تمام اہم حقائق دلائل کے ساتھ مختصراً پیش کر دیئے جائیں' تاکہ ایک عام انسان کو مقام رسول سے آگہی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

ضرورت نبوت

انسان حواس و خرد کا مالک ہے نظر و فکر کی استعداد رکھتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے احکام کی معرفت میں قدم قدم پر رسول کا محتاج ہے۔ فلاح آخرت تو دور کی بات ہے دنیا میں بھی صالح حیات کا کوئی لمحہ اعانت وحی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتا ہے۔ علماء اسلام نے ضرورت نبوت پر متعدد دلائل فراہم کیے ہیں۔ بعض ازاں یہ ہے۔

۱- واقعات عالم اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ جن لوگوں نے نبی اور رسول کے بغیر خالق کو تلاش کیا وہ مظاہر پرستی کا شکار ہو گئے۔ کسی نے آگ کی پوجا کی اور کسی نے گئو ماتا کی۔ کوئی بت پرستی کا شکار ہوا اور کوئی کواکب پرستی کا۔ لہٰذا تاریخ اور تجربے سے یہ ثابت ہے کہ نبی اور رسول کے بغیر انسان خدا پرستی کا صحیح تصور نہیں پا سکتا۔

۲- اللہ تعالیٰ کی ذات مبداء فیاض ہے اور انسان اکتساب فیض کرنے والے ہیں اور افادہ و استفادہ کے لیے ضروری ہے کہ

marfat.com

مفید اور مستفیض کے درمیان کوئی نہ کوئی مناسبت ہو جبکہ واجب اور ممکن اور قدیم اور حادث کے درمیان کسی قسم کی کوئی مناسبت نہ تھی تو افاضہ واستفاضہ کیسے ہو سکتا تھا۔ فیض دینے والا خالق قادر اور لینے والی مخلوق عاجز تھی۔ تو اس کی رحمت نے چاہا کہ ایک ایسی مخلوق پیدا کرے جو عام بندوں اور خدا کے درمیان برزخ کی شاخ رکھتی ہو جس کی ایک صفت اللہ سے واصل اور دوسری بندوں میں شامل ہو، تاکہ وہ پہلی حیثیت سے خدا سے فیض لے اور دوسری حیثیت سے بندوں کو فیض دے اور اس مخلوق کا نام اس نے نبی ورسول رکھا۔

۳۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے خارج اور ظاہر کے ادراک کے لیے حواس کو پیدا کیا اور معانی اور بواطن کے ادراک کے لیے عقل کو پیدا کیا' اسی طرح غیب کے ادراک کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو پیدا فرمایا اور جس طرح صورت کا بغیر حواس کے اور معنی کا بغیر عقل کے انسان کی سمجھ میں آنا محال ہے۔ اسی طرح غیب کا ادراک بغیر نبوت کے ناممکن ہے۔ حشرونشر' جنت ودوزخ' حساب وکتاب اور دوسرے امور جن کا تعلق غیب سے ہے اور خود اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو غیب الغیب ہے ان میں سے کسی چیز کو بھی ہم نبی کی وساطت کے بغیر نہیں جان سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہماری اس ضرورت کے سبب نبی اور رسول کو پیدا فرمایا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو دیکھنے کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن یہ آنکھ اس وقت تک کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتی جب تک کہ خارجی نور اس کا معاون نہ ہو۔ اس طرح عقل کو اللہ تعالیٰ نے معرفت ذات کے لیے پیدا فرمایا ہے لیکن عقل اس وقت تک ذات الٰہی کی معرفت نہیں پا سکتی جب تک آفتاب نبوت اس کا معاون نہ ہو۔

۵۔ بسا اوقات حواس غلطی کر جاتے ہیں مثلاً متحرک سواری میں بیٹھے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حواس کی ایسی غلطیوں کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا فرمایا لیکن بعض اوقات عقل بھی مغالطہ کھا جاتی ہے' لہٰذا ضروری تھا کہ عقل کی اصلاح کے لیے بھی کسی ہادی کو پیدا کیا جاتا جو حقیقت عقل کی اصلاح کرنے والی ہے۔ وہی نبوت ہے۔

۶۔ انسان طبعی طور پر شہوت اور غضب سے مغلوب ہوتا ہے اور دنیا میں منہمک اور آخرت سے غافل ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری تھا کہ کوئی شخص اپنی تعلیم سے اس میں دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت پیدا کرے۔ عذاب کی وعید سے خوف خدا اور ثواب کی ترغیب سے شوق وصال پیدا کرے۔ اس ضرورت کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

۷۔ انسان مصنوعات کی رہنمائی سے عقل کے ذریعے اگر صانع کا عرفان حاصل بھی کر لے تب بھی اس کے احکام کی تفصیلات کو عقل محض سے نہیں جان سکتا اور تفصیل احکام میں وہ نبی کا محتاج ہے تو اپنے احکام کی تفصیل بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی کو پیدا فرمایا۔

۸۔ اگر اللہ تعالیٰ فقط کتاب نازل کر دیتا اور نبی پیدا نہ کرتا تو عرفان ذات کے لیے یہ بھی ناکافی تھا کیونکہ کتاب فقط احکام کا علم دیتی ہے اس کی تشریح نہیں کرتی۔ نبی کے بغیر عقل انسانی ٹھوکریں کھاتی پھرتی۔ پس اللہ نے نبی بھیج کر عقل انسانی پر کرم فرمایا کہ وہ احکام کی تشریح نبوت کی زبان سے پا سکے۔

۹۔ اگر ہمارے سامنے یہ احکام ہوتے تو ممکن تھا کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ احکام انسان --- کے لیے قابل عمل نہیں۔ اس لیے نبی ان احکام پر عمل کر کے ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ احکام دشوار نہیں' قابل عمل ہیں۔ وجود نبوت کے بغیر ان احکام کے لائق عمل ہونے کی کوئی سند نہیں ہے۔

۱۰۔ کتاب سے فقط احکام کا علم حاصل ہوتا ہے' ان پر عمل کرنے کا طریقہ اور نمونہ صرف نبی کی ذات سے ملتا ہے۔ نبی صرف حامل کتاب نہیں ہوتا۔ مجسم کتاب ہوتا ہے۔ اس کی سیرت اور کردار عبارت کتاب کی' اور عبارت کتاب اس کی سیرت اور کردار

marfat.com

کی تعبیر ہوتی ہے۔

حقیقت نبوت

اصلاح شرع میں نبی اس انسان کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے مخلوق کے پاس بھیجا ہو۔ اور اس کی تائید معجزہ سے فرمائی ہو۔ ہر نبی کے لیے معجزہ ضروری ہے۔ اولاً: تو اس لیے کہ نبوت صادقہ اور کاذبہ کے درمیان فارق صرف معجزہ ہے اللہ تعالیٰ جھوٹے نبی کے صدق پر کوئی خارق عادت ظاہر نہیں فرماتا۔ اب اگر سچے نبی کے صدق پر بھی کوئی امر خارق ظاہر نہ کیا جائے تو سچے اور جھوٹے نبی کے درمیان امتیاز ہو سکے گا اور یہ مقصد بعثت کے منافی ہے۔ ثانیاً: اس لیے کہ بخاری شریف میں ہے کہ "انبیاء میں کوئی نبی نہ تھا مگر اسے ایسی نشانیاں دی گئیں جو ایک بشر کے ایمان لانے کے لیے کافی تھیں"۔

علماء اصول نے نبی اور رسول میں فرق کیا ہے نبی اس انسان کو کہتے ہیں جس پر وحی اتری--- عام ازیں کہ وہ صاحب کتاب ہو یا نہ ہو اور رسول وہ شخص ہے جو کتاب اور وحی دونوں کا حامل ہو۔ اس جگہ ایک شبہ ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کے پاس جب وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے شیطان نہیں۔ امام رازی نے اس کا جواب یوں دیا ہے کہ جس طرح نبی اپنے صدق کے اظہار کے لیے امت کے سامنے معجزہ پیش کرتا ہے۔ اسی طرح جب فرشتہ نبی کے پاس وحی لے کر آتا ہے تو وہ بھی اپنے صدق کو ظاہر کرنے کے لیے نبی کے سامنے معجزہ لاتا ہے اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک وصف دیا ہے جس کی وجہ سے ہم انسان اور حیوان کے درمیان امتیاز کر لیتے ہیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نبی کو اس وصف کے ساتھ ایک اور وصف بھی دیا ہے جس سے اس کے نزدیک ملائکہ اور شیاطین میں امتیاز ہو جاتا ہے۔[1] ہم چونکہ صرف حواس اور عقل سے ادراک کرتے ہیں۔ اس لیے ہم پر فقط وہی امور منکشف اور متمیز ہوتے ہیں جو حواس اور عقل کے دائرہ میں ہیں اور نبی حواس کے علاوہ ایک اور صفت سے بھی ادراک کرتا ہے جس سے اس پر امور غیبیہ منکشف ہوتے ہیں' اس لیے فرشتہ کی لائی ہوئی وحی اس کے نزدیک ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر اور آفتاب سے زیادہ صاف اور یقینی ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر نزول وحی کی کتنی صورتیں ہیں۔ اس کا کسی عدد متعین میں احصار تو نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ علماء کرام نے تتبع اور تلاش سے جس قدر صورتوں کو معلوم کیا ہے وہ یہ ہیں۔

(الف) خواب کے ذریعے کوئی حکم دیا جائے' جس طرح حضرت ابراہیم کو خواب میں دکھایا گیا کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کر رہے ہیں۔

(ب) گھنٹی کی آواز کی طرح وحی محسوس ہو۔

(ج) نبی کے دل میں کوئی بات القاء کی جائے۔

(د) جبرائیل نبی سے کسی معروف انسان کی شکل میں آ کر کلام کرے جیسا کہ جبرائیل نے دحیہ کلبی کی شکل میں آ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔

(ہ) جبرائیل کسی غیر معروف انسان کی شکل میں آ کر کلام کیا کریں' جیسے جبرائیل نے اعرابی کی شکل میں آ کر حضور علیہ الصلوۃ والتسلیم سے گفتگو کی۔

---

[1] اِنَّ لَهٗ صِفَةً بِهَا تُتِمُّ لَهُ الْاَفْعَالُ الْخَارِقَةُ لِلْعَادَاتِ كَمَا اَنَّ لَنَا صِفَةً بِهَا تُتِمُّ الْحَرَكَاتُ الْمُقْتَرِنَةُ بِاِرَادَتِنَا وَاخْتِيَارِنَا وَهِيَ الْقُدْرَةُ۔ (احیاء العلوم ج ۴' ص ۱۹۰)

martat.com

(و) جبرائیل اپنی اصلی شکل میں آکر ہمکلام ہو جیسے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جبرائیل نے اصلی شکل میں آکر باتیں کیں۔

(ز) اللہ تعالیٰ پردہ کی اوٹ سے کلام کرے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ ہمکلام ہوا۔

(ح) اللہ تعالیٰ نبی سے بیداری میں بے پردہ کلام کرے جیسے حضور سے شب معراج میں کلام فرمایا۔

(ط) اللہ تعالیٰ رسول سے اس کی نیند میں کلام فرمائے' جیسے معراج منامی کے واقعات میں۔

(ی) اسرافیل کے ذریعے وحی کی جائے جیسے بعثت سے پہلے اسرافیل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔(بروایت شعبی)

(ک) نیند میں نبی فرشتوں کا کلام سنے اور ایسے متعدد واقعات ہیں۔

اعجاز نبوت

معجزہ نبی کے اختیار میں ہوتا ہے یا نہیں؟ اس میں بعض متاخرین نے اختلاف کیا ہے اور بعض مبتدعین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جس طرح لکھتے وقت کاتب کے ہاتھ میں قلم بے بس اور بے اختیار ہوتا ہے۔ اسی طرح اظہار معجزہ کے وقت نبی بھی بے اختیار اور بے بس ہوتا ہے اور حق یہ ہے کہ معجزے کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو نبی کا فعل ہو جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لعاب دہن لگا کر حضرت ابو قتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ کو لگا دینا' سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی کو جوڑ دینا۔ معجزہ کی یہ قسم نبی کے اختیار میں ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو نبی کا فعل نہ ہو لیکن اس کا کسی وجہ سے نبی کے ساتھ تعلق ہو جیسے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کلام الٰہی کا نزول یا پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگنا' یہ معجزے ہیں۔ لیکن ان کے اظہار میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اختیار کا دخل نہ تھا۔

جو معجزہ نبی کا فعل ہوتا ہے اس کا اختیاری ہونا ایسا ہی ہے جس طرح ہمارے افعال ہمارے اختیار میں ہوتے ہیں کہ ان افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اور کاسب ہم ہیں۔ اسی طرح جو معجزات انبیاء علیہم السلام کے افعال ہیں' ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے کاسب انبیاء علیہم السلام ہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری ایک صفت ہے جس سے ہمیں حرکات اختیار پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کی ایک صفت ہوتی ہے جس کے سبب معجزات ان کے اختیار میں ہوتے ہیں اور میر سید شریف جرجانی فرماتے ہیں کہ صحیح ترین بات یہی ہے کہ معجزہ انبیاء کا مقدور ہوتا ہے۔(۱)

منصب نبوت

نبی کو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنا کر بھیجتا ہے' چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ — جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔

(۱) اِنَّ نَفْسَ هٰذَا الْحَرَكَةِ مُعْجِزَةٌ مِّنْ جِهَةِ كَوْنِهَا خَارِقَةً لِّلْعَادَةِ وَمَخْلُوْقَةً وَاِنْ كَانَتْ مَقْدُوْرَةً لِنَبِیِّ اللّٰهِ تَعَالٰی وَهُوَ الْاَصَحُّ۔(شرح مواقف ص۶۲۶)

marfat.com

لہٰذا نبی زمین پر خدا کا نائب مطلق اور خلیفہ علی الاطلاق بن کر آتا ہے۔ نبی کا قول اللہ کا قول، نبی کا فعل اللہ کا فعل اور نبی کی مرضی اللہ کی مرضی ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ — جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کر لی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ۔ — جس نے رسول سے بیعت کی اس نے اللہ سے بیعت کر لی۔

اسی وجہ سے ابن تیمیہ نے کہا:

وَقَدْ اَقَامَهُ اللّٰهُ مَقَامَ نَفْسِهٖ فِيْ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ وَاِخْبَارِهٖ وَبَيَانِهٖ۔ (الصارم المسلول) — اللہ تعالیٰ نے نبی کو امر و نہی اور خبر و بیان میں اپنا قائم مقام بنا کر بھیجا ہے۔

نبی قوانین کا واضع اور احکام کا شارع ہوتا ہے۔ اس کا امر خدا کا امر اور اس کی نہی خدا کی نہی ہوتی ہے۔ نبی کے حکم دینے کے بعد امت کے لیے عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔ "مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" اور نبی کے فیصلہ کے بعد اس سے اختلاف تو کجا اس کو ناگوار سمجھنے سے بھی انسان مسلمان نہیں رہتا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ — آپ کے رب کی قسم! کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ کا حکم نہ مان لے اور آپ کا کیا ہوا فیصلہ اسے ناگوار بھی نہ ہو۔

حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو صریح احکام کے باوجود منصب نبوت کو مرکز ملت کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا مرکز ملت یا سربراہ مملکت سے نفاق رکھنے کے سبب تو کوئی شخص کافر ہو جاتا ہے۔ جب کہ نبی سے نفاق رکھنے کی وجہ سے تو کوئی شخص مسلمان نہیں رہتا۔(۱) کیا مرکز ملت کے فیصلہ کو ناگوار سمجھنے سے آدمی دین سے نکل جاتا ہے۔ حالانکہ نبی کا فیصلہ جس کو پسند نہ ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔(۲) مرکز ملت کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ جس چیز کو چاہے حلال کر دے اور جس کو چاہے حرام کر دے۔ اس کے برخلاف نبی کو حلال اور حرام کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔(۳) مرکز ملت کے اقوال و افعال حجت شرعیہ نہیں ہوتے۔ اس کے برعکس نبی کا ہر قول اور ہر فعل شرعی ہے۔ نبی کا ہر وقت وحی سے رابطہ رہتا ہے۔ اس لیے اس کی ہر بات مستند ہوتی ہے اور مرکز ملت کی اپنی استقامت پر کوئی سند نہیں ہوتی۔(۴)

انکار حدیث کی بنیاد اس امر پر ہے کہ نبی کی حیثیت مرکز ملت کے مساوی ہے۔ جس طرح ایک سربراہ مملکت کے احکام اس کے دور حکومت میں نافذ ہوتے ہیں، قیامت تک لاگو نہیں ہوتے۔ اسی طرح نبی کی احادیث بھی اپنے وقت میں حجت تھیں۔ قیامت تک کے لیے سند نہیں ہیں اور اب جب یہ ظاہر ہو گیا کہ نبی کو مرکز ملت پر قیاس کرنا قطعاً باطل اور فاسد ہے تو احادیث

---

(۱) اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔

(۲) ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔

(۳) يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔

(۴) مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

marfat.com

نبویہ کا حجت ہونا بھی بے غبار ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی کتاب کا معلم اور شارح بن کر آتا ہے۔ نبی کی تعلیم سے آیات کے معانی متعین ہوتے ہیں اور احادیث رسول سے صرف نظر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی کتاب کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ الغرض نبی کتاب کا شارح' ایمان کا منبع اور اللہ کا نائب ہوتا ہے اور مرکز ملت اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔

علوم نبوت

نبی اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا عارف اور کتاب کے احکام و اسرار کا عالم ہوتا ہے۔ افراد امت کے ایمان اور نفاق اور حسنات و سیئات سے واقف ہوتا ہے۔ شہادت اور غیب پر یکساں نظر رکھتا ہے۔ امام غزالی حقیقت نبوت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ عقل سے آگے ادراک کا ایک اور ذریعہ ہے جہاں سے ایک اور آنکھ کھلتی ہے۔ اس آنکھ سے نبی غیب کے آئندہ ہونے والے واقعات کو اور دوسرے ان حقائق کو دیکھ لیتا ہے جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوتی۔(۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ غیب کی دو قسمیں ہیں۔ غیب اضافی اور غیب مطلق۔ غیب اضافی وہ ہے جو سب کے لیے غیب نہ ہو بعض سے غائب اور بعض پر ظاہر ہو۔ جس طرح صورت اور رنگ غیب ہیں لیکن اندھے کے لیے' بینا کے لیے نہیں۔ اسی طرح جن اور ملائکہ' جنت اور دوزخ غائب ہیں لیکن انسانوں کے لیے' فرشتوں کے لیے نہیں۔ اور بھوک اور پیاس' شہوت و غضب فرشتوں کے لیے غیب ہیں انسانوں کے لیے نہیں۔ پس یہ تمام صورتیں غیب اضافی کی ہیں' اور جو چیز تمام مخلوقات کی نظر سے غیب ہو' وہ غیب مطلق ہے اور اس غیب پر اللہ صرف اپنے نبی اور رسول کو مطلع کرتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کی اس تقریر سے معلوم ہوا کہ غیب کا علم یوں تو عام انسانوں کو بھی ہوتا ہے اور فرشتوں کو بھی لیکن جو غیب نبی کے ساتھ مختص ہے وہ سب سے خاص اور منفرد غیب ہے اور وہی اس آیت کریمہ کا منشاء ہے۔

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔

اللہ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب خاص پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوا ان لوگوں کے جن پر اللہ راضی ہے اور وہ اللہ کے رسول ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جو علم دیا ہے اس کا ذکر یوں فرماتا ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔

شیطان اور اس کی ذریات روئے زمین میں تمام بنی آدم کو دیکھتی ہیں۔

پس ضروری ہوا کہ نبی کا علم شیطان سے زیادہ ہو' ورنہ شیطان علم کے اعتبار سے نبی پر غالب ہوگا اور یہ سراسر باطل ہے۔

اولاً: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ۔

میں اور میرے رسول غالب ہیں۔

ثانیاً: اس لیے کہ جب شیطان نبی پر غالب ہو تو جس طرح وہ دوسروں کو گمراہ کرنے پر قادر ہے' اسی طرح نبی کو گمراہ کرنے پر قادر ہوگا۔ حالانکہ شیطان نے خدا کے سامنے خود اعتراف کیا ہے کہ

(۱) دوراء العقل طود اخر تنفخ فيه عين اخرى يبصر باالغيب وما سيكون فى المستقبل اموراخرا العقل معزول عنها المنقذ من الضلال۔(ص ۴۵)

marfat.com

فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔

اے رب! تیری عزت و جلال کی قسم! میں سب لوگوں کو گمراہ کردوں گا ماسوا تیرے مخلص بندوں کے۔

پس ضروری ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو تمام روئے زمین کے بنی آدم کا علم عطا فرمایا ہے۔۔۔ حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو شیطان کے لیے روئے زمین کا علم مانتے ہیں اور نبی کے لیے پس دیوار کا علم بھی تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

ہم نے ابراہیم کو تمام آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھلائیں۔

امام رازی اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ تحت الثریٰ سے عرش عظیم تک کوئی حقیقت نہیں تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابراہیم کو دکھلا دیا۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ شیطان کا علم علوم نبوت کی عظمتوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر شیطان روئے زمین کے بنی آدم کو دیکھتا ہے تو نبی کی نظر میں فرش سے عرش تک کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہوتی اور شیطان تو کجا فرشتوں کا علم بھی نبی کے علم سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔

امام غزالی فرماتے ہیں۔ مخلوقات میں آخری مرتبہ نبی کا ہوتا ہے۔ جس پر تمام حقائق منکشف ہوتے ہیں اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ نبی کی ایک صفت ہے جس سے وہ نیند یا بیداری میں آئندہ ہونے والے واقعات کو غیب سے جان لیتا ہے اور اس صفت سے وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے اور غیب کے امور کو دیکھ لیتا ہے۔

"اِنَّ لَہٗ صِفَۃً بِھَا یُدْرِکُ مَا سَیَکُوْنُ فِی الْغَیْبِ اِمَّا فِی الْیَقْظَۃِ اَوْ فِی الْمَنَامِ اِذْ بِھَا یُطَالِعُ اللَّوْحُ الْمَحْفُوْظُ فَیَرٰی مَا فِیْہِ مِنَ الْغَیْبِ"۔

لوح محفوظ کے علوم کا احاطہ کر لینا غیب مطلق کو جان لینا اور کتاب کے احکام و اسرار کا عالم ہونا اگرچہ یہ بھی علوم نبوت کی عظیم اقسام ہیں لیکن نبوت کا اصل کمال اللہ تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا عرفان ہے۔ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے ثمرات کے عارف ہوتے ہیں اور دنیا میں ہونے والے ہر واقعہ اور حادثہ کا ربط اللہ تعالیٰ کی صفات سے جوڑ لیتے ہیں۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ فلاں واقعہ فلاں صفت کا ثمرہ ہے۔ وہ صفات شناسائے ربوبیت ہوتے ہیں اور آنے والے حوادث کا رخ ابروئے الوہیت سے پہچان لیتے ہیں۔

استصواب

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے علوم میں ایسا ہی عموم اور شمول ہوتا ہے تو علم کے باوجود حضرت آدم نے دانہ گندم کیوں کھایا۔ جب حضرت یعقوب کو علم تھا کہ حضرت یوسف کنوئیں میں سلامت ہیں تو ان کے غم میں کیوں روتے رہے۔ جب حضور کو علم تھا کہ کفار کی دعوت پر ۷۰ قاریوں کو بھیجنا بالاخر کفار کے ہاتھوں ان کی شہادت کا سبب ہو گا تو آپ نے انہیں کیوں بھیجا۔ جواباً گزارش ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا علم ایسا ہرگز نہیں ہوتا کہ اس پر غفلت یا نسیان آسکے۔ ثانیاً: عرض یہ ہے کہ ان مثالوں سے علم کی نفی ہرگز نہیں ہوتی۔ حضرت آدم کو یقیناً علم تھا کہ دانہ گندم سبب مواخذہ ہے لیکن انہوں نے بھول کر کھایا۔ اور حضرت یعقوب کو قطعاً معلوم تھا کہ حضرت یوسف سلامت ہیں اور ان سے ملاقات ہو گی کیونکہ ان کے خواب کی تعبیر پوری ہونی تھی مگر غلبہ محبت کے باعث وہ خود فراموشی کے عالم میں تھے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کفار کی

marfat.com

خباثتوں کے علم کے باوجود صحابہ کرام کو بھیجنا متعدد حکمتوں کے سبب تھا۔ ایک یہ کہ حضور یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ قتل کے خوف سے تبلیغ دین نہیں چھوڑنی چاہیے۔ دوسری یہ کہ حضور نے علم کے باوجود قضاء و قدر کی موافقت کے لیے صحابہ کو بھیجا۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ اگر حضور کفار کی دعوت پر قاریوں کو نہ بھیجتے تو کل حشر کے دن کفار اللہ تعالیٰ کے سامنے حضور کے خلاف استغاثہ کرتے کہ ہم نے طلب ہدایت کے لیے مبلغ مانگے تھے تیرے نبی نے ان کو نہیں بھیجا۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ حضور نے باوجود علم کے صحابہ کو بھیج کران کے لیے شہادت کی سعادت کا موقع فراہم کیا جس کے لیے وہ ترستے رہتے تھے‘ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ قاریوں کے بھیجنے پر اعتراض اس شخص کے ذہن میں ہوگا جس کے مطمح نظر دنیا کے سوا کچھ نہ ہو۔ ورنہ سچے مسلمان کے لیے شہادت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور خوف شہادت سے تبلیغ کو چھوڑ دینا نہ مردانگی ہے نہ مسلمانی۔

جن جزوی واقعات سے منکرین کمالات نبوت انبیاء علیہم السلام کے علوم کی نفی کرتے ہیں ان سب کا یہی حال ہوتا ہے یا وہاں نفس علم کے باوجود بعض حکمتوں کو پورا کرنے کے لیے مثلاً تعلیم دین اور تکمیل شریعت کی خاطر اللہ تعالیٰ بعض چیزوں سے نبی کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور ایسا علم جس پر کسی حال میں غفلت اور نسیان نہ آسکے‘ صرف اللہ تعالیٰ کے علم لازوال میں ہی ممکن ہے۔

عصمت نبوت

نبی کا ایک مرکزی وصف عصمت ہے۔ اسی وصف کی اساس پر شریعت تعمیر ہوتی ہے اور اگر نبوت کی حقیقت سے عصمت کو الگ کر دیا جائے تو اس کے لائے ہوئے دین کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔ میر سید شریف جرجانی نے شرح مواقف اور سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں عصمت کی جو تعریف کی ہے‘ اس کا حاصل یہ ہے کہ گناہوں کے تمام مقاصد اور نیکیوں کے تمام فوائد پر نظر رکھنے کی وجہ سے نبی کو ایک ایسا ملکہ فاضلہ اور وصف راسخ حاصل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ معصیت پر قدرت کے باوجود اس سے بچا رہتا ہے اور جوں جوں اس کے سینہ پر وحی الٰہی کی بارش ہوتی ہے‘ اللہ تعالیٰ سے اس کا رابطہ قوی ہوتا ہے‘ اس وصف کا رخ بڑھتا چلا جاتا ہے۔

عقلی اور نقلی دلائل سے علماء اسلام نے عصمت انبیاء کے ثبوت پر متعدد دلائل فراہم کیے ہیں۔ بعض از اں یہ ہیں:

۱۔ نبی کے تمام افعال و اقوال دلیل شرعی ہوتے ہیں۔۔۔ اگر اس کے اقوال و افعال میں معصیت آجائے تو ان سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔

۲۔ نبی کے صدق پر معجزہ دلیل ہوتا ہے۔ اگر نبی جھوٹ بولے تو معجزہ سے اعتماد ساقط ہو جائے گا۔

۳۔ اگر نبی فاسق ہو تو اس کی پیروی حرام ہوگی۔ حالانکہ امت پر نبی کی پیروی واجب ہے۔

۴۔ خدا کے شدید غضب کی بات‘ اور بہت ناپسندیدہ چیز یہ ہے کہ انسان وہ بات کہے جسے خود نہ کرتا ہو۔ اب اگر نبی کا اپنا دامن شر سے آلودہ ہو اور وہ لوگوں کو خیر کی تلقین کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے شدید غضب کا مستحق ہوگا۔ حالانکہ اللہ نبی سے زیادہ کسی پر راضی نہیں ہوتا۔ مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ جن پر اللہ راضی ہے وہ اس کے رسول ہیں۔

۵۔ اگر انبیاء میں فسق ہوتا تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوتی۔ حالانکہ ان کی گواہی کا قبول کرنا واجب ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے گواہ ہوتے ہیں۔

۶۔ قرآن حکیم میں انبیاء کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ یہ سب نیک ہیں۔

marfat.com

۷- ایک اور جگہ فرماتا ہے:

اِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ۔ یہ ہمارے نزدیک اخیار اور پسندیدہ ہیں۔

۸- شیطان نے بھی خدا کے سامنے اعتراف کیا کہ انبیاء کو گمراہ نہ کر سکے گا۔

لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔

۹- انبیاء فرشتوں سے برتر ہیں اور جب فرشتے معصوم ہیں تو انبیاء کی عصمت بدرجہ اتم ثابت ہوتی ہے۔

۱۰- العیاذ باللہ اگر انبیاء گنہگار ہوتے تو مستحق عذاب ہوتے، حالانکہ انبیاء نہ صرف یہ کہ خود عذاب سے بری ہوں گے بلکہ ان کی شفاعت سے ہم جیسے لاکھوں گنہگار نجات پائیں گے۔

بعثت سے قبل اور بعد نبی سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوتا۔ نہ کبیرہ نہ صغیرہ، نہ سہواً نہ عمداً۔ البتہ انسیان اور اجتہادی خطا نبی کے حق میں جائز ہے۔ قرآن حکیم میں جن زلات انبیاء کا ذکر ہے وہ سب اسی قبیل سے ہیں اور انبیاء کا اس پر استغفار کرنا محض ان کی تواضع و انکساری ہے۔

خصائص نبوت

انبیاء علیہم السلام جسمانی اور روحانی کمالات کے اعتبار سے انسانیت کے اعلیٰ ترین افراد ہوتے ہیں۔ امام غزالی فرماتے ہیں۔ نبی کی حقیقت سوا نبی کے کوئی دوسرا نہیں جان سکتا۔ امام رازی، حلیمی سے نقل کرتے ہیں کہ انبیاء کی حقیقت عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ بشریت کے جس قالب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلیات کا مرکز بنانے کے لیے منتخب کرلیا ہو وہ عام لوگوں کی مثل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نبی کی آنکھوں میں ایسی صفت رکھتا ہے۔ جس سے وہ غیب و شہادت دونوں کو دیکھ سکے۔ اس کے دل کو ایسی استعداد عطا کرتا ہے جس سے وہ بار وحی کا متحمل ہو سکے۔ اور اس کی فکر کو وہ جرات دیتا ہے۔ جس سے وہ صفات الٰہیہ پر کمند پھینک سکے۔

ذیل میں ہم نبی کے حواس خمسہ کی جھلکیاں پیش کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ نبی عام لوگوں کی مثل نہیں ہوتا۔

باصرہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی آنکھ سے فرش تا عرش حقائق دیکھے۔ حضور نے فرمایا "میں تمہیں سامنے اور پس پشت یکساں دیکھتا ہوں"۔

ایک مرتبہ فرمایا "میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب دیکھ لیے"۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھا۔

سامعہ: نبی وحی کو سنتا ہے۔ جنات اور فرشتوں کی آواز سنتا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نے مسافت بعیدہ سے چیونٹی کی آواز سن لی اور حضور نے بے پردہ خدا کا کلام سنا۔

شامہ: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کوسوں دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو ان کے کرتے سے سونگھ لی۔

ذائقہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لقمہ چکھ کر اس میں ملا ہوا زہر معلوم کرلیا۔

لامسہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بدن چھوتے ہی آگ گلزار ہو گئی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی حلیمی نے نبی کے چھیالیس خواص نقل کیے ہیں۔ ہم ان سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

marfat.com

۱- نبی اللہ سے بلاواسطہ کلام کرتا ہے۔
۲- فرشتوں' جنوں اور غیب کو دیکھ لیتا ہے۔
۳- حیوانات' نباتات اور جمادات سے ہمکلام ہوتا ہے۔
۴- ماضی اور مستقبل کے واقعات کو جانتا ہے۔
۵- اس کی عقل کامل ہوتی ہے اور اس کا کیا ہوا فیصلہ خطا سے محفوظ ہوتا ہے۔
۶- نبی دلوں کے حال پر مطلع ہوتا ہے۔ نبی کے خواص میں سے یہ بھی ہے کہ وہ قوانین کی تقویم اور شریعت کی تشکیل کرتا ہے اور صرف قوانین کا واضع ہی نہیں ہوتا بلکہ ان قوانین کو نافذ کرتا ہے اور ایک ایسا معاشرہ بنا کر جاتا ہے جو اس کے لائے ہوئے دین کی مکمل تعبیر ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ سے مزاج بدل جاتے ہیں۔ فطرتیں پلٹ جاتی ہیں وہ راہزنوں کو راہبر اور خائنوں کو امانت دار اور بت پرستوں کو بت شکن بنا دیتا ہے۔ شر بھی نبی کے دامن میں آجائے تو خیر بن کر نکلتا ہے۔ بحر و بر اس کے تابع اور عناصر مسخر ہوتے ہیں۔ دریا اس کے لیے راستہ چھوڑ دیتا ہے اور درخت اس کے حکم پر جڑوں سمیت دوڑے چلے آتے ہیں۔

الوہیت اور نبوت

نبی اپنے تمام کمالات کے باوصف بندہ ہوتا ہے اور ہر قدم پر اللہ کی نصرت اور اس کی رحمت کا محتاج ہوتا ہے۔ نہ نبی کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم --- سے کوئی نسبت ہوتی ہے۔ نہ اس کی قدرت کو اللہ کی قدرت سے کوئی علاقہ ہوتا ہے۔ ایک ذرہ کے علم میں بھی اللہ اور اس کے رسول کے علم میں کوئی مماثلت نہیں ہوتی اور ایک رائی کے دانہ پر بھی قدرت میں خدا اور نبی میں کوئی مساوات نہیں ہوتی۔ نبی کا جو کمال بھی ہوتا ہے وہ خدا کا دیا ہوا مستعار اور جائز الزوال ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر وصف ذاتی قدیم اور لازوال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی غافل نہیں ہوتا اور نبی کی توجہ بسا اوقات بعض چیزوں سے ہٹ جاتی ہے۔ خدا اور رسول میں اگرچہ قدم و حدوث اور اصل و استعارہ کا فرق ہوتا ہے لیکن یہ فرق چونکہ عقلی اور نظری ہے اور عام ذہنی سطح سے بلند ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انبیاء کو ایسے احوال و عوارض میں مبتلا کرتا ہے جس سے اس کے کمالات کا حادث اور مستعار ہونا عام لوگوں کو بھی محسوس اور معلوم ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ متعدد مرتبہ نبی پر غفلت طاری کرتا ہے' تاکہ نبی کے وسیع علم کو دیکھ کر عام آدمی نبی کے علم پر اللہ تعالیٰ کے علم کا دھوکا نہ کھا سکے۔ اسی طرح عصمت کے باوصف بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی کو نسیان یا اجتہادی خطا کے عارضہ سے ممنوعہ کاموں میں مبتلا کرتا ہے تاکہ نبی کی معصومیت ایک عام انسان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نزاہت کاملہ سے مشتبہ نہ ہو جائے اور یونہی نبی کو تسخیر کائنات کی قدرت دینے کے باوجود اللہ تعالیٰ نبی کو درد اور تکلیف اور دوسرے عوارض بشریہ میں مبتلا کرتا ہے' تاکہ کوئی شخص نبی کی قدرت پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اور اس کی طاقت پر اللہ تعالیٰ کا دھوکا نہ کھا سکے۔

مقام نبوت

اللہ تعالیٰ کا نبی اپنی مخلوق میں سب سے بلند ہوتا ہے۔ سالہا سال سے لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے اور عرصہ دراز سے تسبیح کرنے والے فرشتوں کے سامنے جب پہلا نبی آیا تو سارے فرشتے اس کے حضور سجدے میں گر گئے۔ آدم اور ملائکہ کی پہلی ملاقات سے ہی ظاہر ہو گیا کہ جس مقام پر فرشتوں کے علم کی انتہا ہوتی ہے' وہاں سے علوم نبوت کی ابتدا ہوتی ہے۔

marfat.com

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے فرمایا:

اَنۡۢبِـُٔوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ۔ مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

تو انہوں نے جواب میں کہا:

لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا۔ تیرے دیئے ہوئے علم کے سوا ہمارے پاس اور کوئی علم نہیں۔

اور یہ کہہ کر انہوں نے اللہ کے علم کے مقابلہ میں اپنا علم بھی ثابت کر لیا اور جب عرصہ محشر میں اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے پوچھے گا: "مَاذَآ اُجِبۡتُمۡ" یعنی جب تم نے مخلوق کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے کیا کہا۔ تو وہ سب یک زبان ہو کر عرض کریں گے: "لَا عِلۡمَ لَنَا اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ"۔ اے اللہ! تیرے بیکراں علم کے سامنے ہمارا علم کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ کمال ادب بھی ہے کہ سورج کے سامنے چراغ کو نہ لایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم کے مقابلہ میں اپنے علم کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ صمدیت کے ادب و احترام میں جو اخیار کا مقام ہے وہاں فرشتوں کا تصور بھی نہیں جا سکتا۔

انبیاء کرام کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں: ایک حیثیت سے ان کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ہوتا ہے اور دوسری حیثیت سے وہ امت سے متعلق ہوتے ہیں' اسی وجہ سے ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ ایک وقت وہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر سے قافلہ کی روانگی سے پہلے کنعان میں بیٹھ کر فرماتے ہیں: "اِنِّیۡ لَاَجِدُ رِیۡحَ یُوۡسُفَ"۔ (میں (حضرت) یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں) اور ایک وقت وہ ہے کہ گھر کے قریب کنوئیں میں حضرت یوسف (علیہ السلام) گرے ہوئے ہیں اور آپ کا ذہن اس طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں تو پھر کائنات کی کسی اور شئے کی طرف ان کا التفات نہیں ہوتا اور جب مخلوق کی طرف متوجہ ہوں تو کوئی چیز ان سے مخفی نہیں رہتی۔

نبی چونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے اس لیے اس کا اصل مقام اللہ تعالیٰ کی ذات میں انہماک اور اس کی صفت میں استغراق ہوتا ہے۔ وہ اپنی فطرت اور مزاج سے اللہ تعالیٰ کے جلوؤں میں کھویا رہتا ہے۔ نبی کی خلوت اللہ کی دید اور اس کی جلوت اللہ کی شنید ہوتی ہے۔ وہ اسی کی تجلیات میں محو رہتا ہے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ مخلوق کی ہدایت مقصود ہوتی ہے۔ اس لیے وہ فرشتوں کو بھیج کر نبی کو اسی عالم محویت سے ہٹاتا ہے اور مقام بعثت پر فائز کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ پیارے تم تو منزل رسیدہ ہو' ذرا اس امت کو بھی مقام آشنا کر دو۔ جس محویت اور انہماک سے ہمیں دیکھتے ہو' اس دید کا کچھ حصہ امت کو بھی عطا کر دو' اٹھو پنجہ ابلیس میں اسیر لوگوں کو' ضلالت کے ماروں کو صراط مستقیم دکھا دو' یہ مخلوق اپنی بدکاریوں کے سبب جہنم کے کنارے آ پہنچی ہے۔ اسے آگ میں گرنے سے بچا لو' اپنی انقلاب آفریں نظروں سے کام لو اور اس معاشرہ کو بدل ڈالو' بت پرستی کے متوالوں کو توحید کا رسیا کر دو' اور ابلیسی کام کرنے والوں کو فرشتوں کی پاکیزگی دے دو۔

marfat.com

از : اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

ندائے یارسول اللہ

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید موحد مسلمان جو خدا اور رسول کو جانتا ہے، نماز کے بعد اور دیگر اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بکلمہ یا ندا کرتا ہے اور "اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" کہا کرتا ہے، یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اسے اس کلمہ کی وجہ سے کافر و مشرک کہیں ان کا کیا حکم ہے؟ بَیِّنُوْا بِالْکِتَابِ تُوْجَرُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہِ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُولِی الصِّدْقِ وَالصَّفَا۔

الجواب

کلمات مذکورہ بے شک جائز ہیں، جن کے جواز میں کلام نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا ضال مضل، جسے اس مسئلے کے متعلق قدرے تفصیل دیکھنی ہو۔ شفاء السقام امام علامہ بقیۃ المجتہدین الکرام تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی سبکی و مواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری و شرح مواہب علامہ زرقانی و مطالع المسرات علامہ فاسی و مرقاۃ شرح مشکوۃ علامہ قاری و لمعات و اشعۃ اللمعات شروح مشکوۃ و جذب القلوب الی دیار المحبوب و مدارج النبوۃ، تصانیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی و افضل القریٰ شرح ام القریٰ امام ابن حجر مکی وغیرہا کتب و کلام علمائے کرام و فضلائے عظام رحمتہ العزیز العلام کی طرح رجوع لائے۔ یا فقیر کا رسالہ "اَلْاِہْلَالُ بِفَیْضِ الْاَوْلِیَاءِ بَعْدَ الْوِصَالِ" کا مطالعہ کرے۔

یہاں فقیر بقدر ضرورت چند کلمات اجمالی لکھتا ہے۔ حدیث صحیح مذہل بطراز گراں بہائے تصحیح جسے امام نسائی و امام ترمذی و ابن ماجہ و حاکم و بیہقی و امام الائمہ ابن خزیمہ و امام ابوالقاسم طبرانی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور حاکم نے بر شرط بخاری و مسلم صحیح کہا اور امام عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد و تنقیح نے ان کی تصحیح کو مسلم و مقرر رکھا جس میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں کہے:

marfat.com

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔

الٰہی! میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں' یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا ہو' الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

(ابو عیسیٰ ترمذی: ترمذی شریف' محمد بن زید قزوینی: ابن ماجہ شریف' امام حاکم: مستدرک' ابوبکر محمد بن اسحٰق: صحیح ابن خزیمہ)

امام طبرانی کی معجم میں یوں ہے:

وَکَانَ عُثْمَانُ لَا یَلْتَفِتُ اِلَیْهِ وَلَا یَنْظُرُ فِیْ حَاجَتِهٖ فَلَقِیَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَشَکٰی ذَالِکَ اِلَیْهِ فَقَالَ لَهٗ عُثْمَانُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اِئْتِ الْمِیْضَاءَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ اِئْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِیْهِ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فَیَقْضِیْ حَاجَتِیْ وَتَذْکُرُ حَاجَتَکَ وَرُحْ اِلَیَّ اَرُوْحُ مَعَکَ۔ فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ فَصَنَعَ مَا قَالَ لَهٗ ثُمَّ اِلٰی بَابِ عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَجَاءَ الْبَوَّابُ حَتّٰی اَخَذَهٗ بِیَدِهٖ فَاَدْخَلَهٗ عَلٰی عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَاَجْلَسَهٗ مَعَهٗ عَلَی الطِّنْفَسَةِ وَقَالَ مَا حَاجَتُکَ؟ فَذَکَرَ حَاجَتَهٗ فَقَضَاهَا ثُمَّ قَالَ مَا ذَکَرْتَ حَاجَتَکَ حَتّٰی کَانَتْ هٰذِهِ السَّاعَةَ وَقَالَ مَا کَانَ لَکَ مِنْ حَاجَةٍ فَائْتِنَا ثُمَّ اِنَّ الرَّجُلَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهٖ فَلَقِیَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ فَقَالَ لَهٗ جَزَاکَ اللّٰهُ خَیْرًا مَا کَانَ یَنْظُرُ فِیْ حَاجَتِیْ وَلَا یَلْتَفِتُ اِلَیَّ حَتّٰی کَلَّمْتَهٗ فِیَّ فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَیْفٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَاللّٰهِ مَا کَلَّمْتُهٗ وَلٰکِنْ شَهِدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

یعنی ایک حاجت مند اپنی حاجت کے لیے امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آتا جاتا' امیرالمومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے۔ اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کی شکایت کی' انہوں نے فرمایا: وضو کر کے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ' پھر دعا مانگ! الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں' یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے اور اپنی حاجت ذکر کر' پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ حاجت مند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لا اقل کبار تابعین سے تھے) یوں ہی کیا' پھر آستان خلافت پر حاضر ہوئے' دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیرالمومنین کے حضور لے گیا' امیرالمومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا' مطلب پوچھا' عرض کیا' فوراً روا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان نہ کیا' پھر فرمایا۔۔۔ جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے اور کہا اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ امیرالمومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی' عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تو تمہارے معاملہ میں امیرالمومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہوا یہ کہ

marfat.com

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَتَاهُ رَجُلٌ ضَرِيْرٌ فَشَكَا اِلَيْهِ ذِهَابَ بَصَرِهٖ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِئْتِ الْمِيْضَاةَ فَتَوَضَّاْ ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ ادْعُ بِهٰذِهِ الدَّعَوَاتِ فَقَالَ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَطَالَ بِنَا الْحَدِيْثُ حَتّٰى دَخَلَ عَلَيْنَا الرَّجُلُ كَاَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بِهٖ ضَرٌّ قَطُّ۔

میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ نابینائی کی شکایت کی' حضور نے یونہی اس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت پڑھے پھر یہ دعا کرے' خدا کی قسم! ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ باتیں ہی کر رہے تھے وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی اندھا نہ تھا۔

(مطبع امین کمپنی اردو بازار دہلی: ج ۲' ص ۱۹۷' احیاء التراث العربی: ج ۱' ص ۱۴۱' ۴۴' دار الفکر بیروت: ج ۱' ص ۵۱۹' امام طبرانی: معجم صغیر: ص ۱۰۳)

امام طبرانی پھر امام منذری فرماتے ہیں' والحدیث صحیح امام بخاری کتاب الادب المفرد میں اور امام ابن السنی و امام ابن بشکوال روایت کرتے ہیں:

اِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا خَدِرَتْ رِجْلُهٗ فَقِيْلَ لَهٗ اُذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ فَصَاحَ يَا مُحَمَّدَاهُ فَانْتَشَرَتْ۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا' کسی نے کہا: انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں' حضرت نے با آواز بلند کہا' یا محمداہ! فوراً کھل گیا۔

(محمد بن اسماعیل بخاری' کتاب الادب مطبوعہ مکتبہ ص ۱۵۰ وَلَفْظُ الْبُخَارِيِّ' ص ۱۹۳' خَدِرَتْ رِجْلُ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اُذْكُرْ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَيْكَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدَاهُ' ۱۲ منہ)

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الاذکار میں اس حدیث کا مثل حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس کسی آدمی کا پاؤں سو گیا۔ تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: تو اس شخص کو یاد کر جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے' تو اس نے یَا مُحَمَّدَاہُ کہا' اچھا ہو گیا۔

(امام نووی' کتاب الاذکار' مطبع مکتبہ دار التعاون' مکہ ص ۱۳۵)

اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا اوروں سے بھی مروی ہوا۔ اہل مدینہ میں قدیم سے اس یَا مُحَمَّدَاہُ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔

علامہ شہاب الدین مصری نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

هٰذَا مِمَّا تَعَاهَدَهٗ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ۔

حضرت بلال بن الحارث مزنی سے قحط عام الرمادہ میں کہ بعد خلافت فاروقی سنہ ۱۸ھ میں واقع ہوا' ان کی قوم بنی مزینہ نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں' کوئی بکری ذبح کیجئے۔ فرمایا: بکریوں میں کچھ نہیں رہا۔ انہوں نے اصرار کیا۔ آخر ذبح کی' کھینچی تو نری سرخ ہڈی نکلی۔ یہ دیکھ کر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ندا کی یَا مُحَمَّدَاہُ! پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی "ذَكَرَهٗ فِي الْكَامِلِ"۔

(شہاب الدین خفاجی' نسیم الریاض' دار الفکر بیروت' ج ۳' ص ۳۵۵)

امام مجتہد فقیہ اجل عبد الرحمٰن ہذلی کوفی مسعودی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے اور اجلہ تبع

marfat.com

تابعین و اکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں، سر پر بلند ٹوپی رکھتے جس میں لکھا تھا مُحَمَّدٌ یَا مَنْصُوْرُ اور ظاہر ہے کہ "اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ" (ترجمہ) یا محمداہ کہنا اہل مدینہ کا معمول تھا۔ قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے:

ہیثم بن جمیل لطاکی کہ ثقات علمائے محدثین سے ہیں، انہیں امام اجل کی نسبت فرماتے ہیں:

"رَاَیْتُ وَعَلٰی رَاْسِهٖ قَلَنْسُوَةٌ اَطْوَلُ مِنْ ذِرَاعٍ مَکْتُوْبٌ فِیْمَا مُحَمَّدٌ یَا مَنْصُوْرُ ذَکَرَهٗ فِی تَهْذِیْبِ التَّهْذِیْبِ وَغَیْرِهٖ"۔(۱)

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاویٰ میں ہے:

سُئِلَ عَمَّا یَقَعُ مِنَ الْعَامَّةِ مِنْ قَوْلِهِمْ عِنْدَ الشَّدَائِدِ یَا شَیْخَ فُلَانٍ وَنَحْوَ ذٰلِکَ مِنَ الْاِسْتِغَاثَةِ بِالْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالصَّالِحِیْنَ وَهَلْ لِلْمَشَائِخِ اِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ اَمْ لَا؟ فَاَجَابَ بِمَا نَصَّهٗ اَنَّ الْاِسْتِغَاثَةَ بِالْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْاَوْلِیَاءِ وَالْعُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ جَائِزَةٌ وَلِلْاَنْبِیَاءِ وَالرُّسُلِ وَالْاَوْلِیَاءِ وَالصَّالِحِیْنَ اِغَاثَةٌ بَعْدَ مَوْتِهِمْ--- الخ

یعنی ان سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت انبیاء و مرسلین و اولیاء و صالحین سے فریاد کرتے ہیں اور یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے مثل کلمات کہتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں اور اولیاء بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء و مرسلین و اولیاء و علماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔

(الشیخ حسن العدوی المزادی مشارق الانوار (المکتبہ اشرفیہ، مصر) ص ۵۹)

علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار فتاویٰ خیریہ میں فرماتے ہیں:

قَوْلُهُمْ یَا شَیْخَ عَبْدِ الْقَادِرِ نِدَاءٌ فَمَا الْمُوْجِبُ لِحُرْمَتِهٖ۔

لوگوں کا کہنا کہ یا شیخ عبدالقادر یہ ایک ندا ہے، پھر اس کی حرمت کا کیا سبب ہے؟

(علامہ خیر الدین رملی، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ ارگ بازار قندھار، افغانستان، ج ۲، ص ۲۸۲)

سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

سُئِلْتُ عَمَّنْ یَقُوْلُ فِیْ حَالِ الشَّدَائِدِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوْ یَا عَلِیُّ اَوْ یَا شَیْخَ عَبْدَ الْقَادِرِ مَثَلًا هَلْ هُوَ جَائِزٌ شَرْعًا اَمْ لَا---؟ اَجَبْتُ نَعَمْ اَلْاِسْتِغَاثَةُ بِالْاَنْبِیَاءِ وَنِدَاءُ وُهُمْ وَالتَّوَسُّلُ بِهِمْ اَمْرٌ مَشْرُوْعٌ وَشَیْئٌ مَرْغُوْبٌ لَا یُنْکِرُهٗ اِلَّا مُکَابِرٌ اَوْ مُعَانِدٌ وَقَدْ حُرِمَ بَرَکَةَ الْاَوْلِیَاءِ الْکِرَامِ--- الخ

یعنی مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں جو مصیبت کے وقت میں کہتا ہے یا رسول اللہ، یا یا علی، یا یا شیخ عبدالقادر مثلاً۔ آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا، ہاں! اولیاء سے مدد مانگنی اور انہیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسل کرنا شرع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا صاحب عناد اور بے شک وہ اولیاء کرام کی برکت سے محروم ہے۔

(۱) ابو عبداللہ محمد بن احمد، میزان الاعتدال، دارالمعرفہ للطباعہ، بیروت ج ۲، ص ۵۷۴، (ترجمہ) میں نے ان کو دیکھا کہ وہ اپنے سر پر ہاتھ سے بھی لمبی ٹوپی رکھتے تھے جس میں لکھا تھا "مُحَمَّدَاہُ یَا مَنْصُوْرُ"۔

marfat.com

امام ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں تین اولیاء عظام کا عظیم الشان واقعہ بہ سند مسلسل روایت کیا کہ وہ تین بھائی سواران دلاور ساکنان شام تھے کہ ہمیشہ راہ خدا میں جہاد کرتے۔

فَاَسَرَهُ الرُّوْمُ مَرَّةً فَقَالَ لَهُمُ الْمَلِكُ اِنِّیْ اَجْعَلُ فِیْکُمُ الْمُلْکَ وَاَزْوَاجُکُمْ بَنَاتِیْ وَتَدْخُلُوْنَ فِی النَّصْرَانِیَّةِ فَاَبَوْا وَقَالُوْا یَامُحَمَّدَاهُ۔

یعنی ایک بار نصارائے روم انہیں قید کر کے لے گئے۔ بادشاہ نے کہا میں تمہیں سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تمہیں بیاہ دوں گا۔ تم نصرانی ہو جاؤ' انہوں نے نہ مانا اور ندا کی یا محمداہ۔

بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کرا کر دو صاحبوں کو اس میں ڈال دیا' تیسرے کو اللہ تعالیٰ نے ایک سبب پیدا فرما کر بچالیا' وہ دونوں چھ مہینے کے بعد مع ایک جماعت ملائکہ کے بیداری میں ان کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے۔ انہوں نے حال پوچھا' فرمایا:

مَا کَانَتْ اِلَّا الْغَطْسَةُ الَّتِیْ رَاَیْتَ حَتّٰی خَرَجْنَا فِی الْفِرْدَوْسِ۔

بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا' اس کے بعد ہم جنت اعلیٰ میں تھے۔

امام فرماتے ہیں:

کَانُوْا مَشْهُوْرِیْنَ بِذَالِکَ مَعْرُوْفِیْنَ بِالشَّامِ فِی الزَّمَنِ الْاَوَّلِ۔

یہ حضرات زمانہ سلف میں شام میں مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف۔

پھر فرمایا: شعراء نے ان کی منقبت میں قصیدے لکھے' ازاں جملہ یہ بیت ہے:

سَیُعْطِی الصَّادِقِیْنَ بِفَضْلِ صِدْقٍ
نَجَاةٍ فِی الْحَیٰوةِ فِی الْمَمَاتِ

قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سچے ایمان والوں کو ان کے سچ کی برکت سے حیات و موت میں نجات بخشے گا۔

(جلال الدین سیوطی' امام: شرح الصدور: مطبوعہ خلافت اکیڈمی' سوات۔ ص ۸۹' ۹۰ بحوالہ عیون الحکایات)

یہ واقعہ عجیب' نفیس و روح پرور ہے۔ میں بخیال تطویل اسے مختصر کر گیا' تمام و کمال امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور میں ہے: "مَنْ شَاءَ فَلْیَرْجِعْ اِلَیْهِ" یہاں مقصود اس قدر ہے کہ مصیبت میں --- یا رسول اللہ! کہنا شرک ہے تو مشرک کی مغفرت و شہادت کیسی اور جنت الفردوس میں جگہ پانی' کیا معنی اور ان کی شادی میں فرشتوں کو بھیجنا کیونکر معقول؟ اور ان ائمہ دین نے یہ روایت کیونکر مقبول اور ان کی شہادت و ولادت کس وجہ سے مسلم رکھی اور وہ مردان خدا خود بھی سلف صالح میں تھے کہ واقعہ شہر طرطوس کی آبادی سے پہلے کا ہے۔ "کَمَا ذَکَرَهُ فِی الرِّوَایَةِ نَفْسِهَا" اور طرطوس ایک ثغر ہے یعنی دارالاسلام کی سرحد کا شہر جسے خلیفہ ہارون الرشید نے آباد کیا "کَمَا ذَکَرَهُ الْاِمَامُ السُّیُوْطِیُّ فِیْ تَارِیْخِ الْخُلَفَاءِ"۔

(علامہ سیوطی فرماتے ہیں طرطوس کی تعمیر ابو مسلم نے کی' شرح الصدور عربی' ص ۸۹' ۱۲۰۰۔۔۔ قاری)

ہارون الرشید کا زمانہ زمانہ تابعین و تبع تابعین تھا تو یہ تینوں شہدائے کرام اگر تابعی نہ تھے لَا اَقَلَّ تَبَعُ تَابِعِیْنَ سے تھے۔ وَاللّٰهُ الْهَادِیْ۔

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنِ اسْتَغَاثَ بِیْ فِیْ کُرْبَةٍ کُشِفَتْ عَنْهُ

یعنی جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف دفع

marfat.com

وَمَنْ نَادٰی بِاسْمِیْ فِیْ شِدَّةٍ فُرِّجَتْ عَنْهُ وَمَنْ تَوَسَّلَ بِیْ اِلَی اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِیْ حَاجَةٍ قُضِیَتْ لَهٗ وَمَنْ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ یَقْرَؤُ فِیْ کُلِّ رَکْعَةٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ سُوْرَةَ الْاِخْلَاصِ اِحْدٰی عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ یُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْاِسْلَامِ وَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ وَیَذْکُرُنِیْ ثُمَّ یَخْطُوْ اِلٰی جِهَةِ الْعِرَاقِ اِحْدٰی عَشْرَةَ خُطْوَةً یَذْکُرُ فِیْهَا اِسْمِیْ وَیَذْکُرُ حَاجَتَهٗ فَاِنَّهَا تُقْضٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ۔

ہو اور جو کسی سختی میں میرانام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہو اور جو کسی حاجت میں اللہ تعالیٰ کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت بر آئے اور جو دو رکعت نماز ادا کرے، ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام پھیر کر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور مجھے یاد کرے، پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے، ان میں میرانام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے، اس کی وہ حاجت روا ہو۔ اللہ کے اذن سے۔

اکابر علمائے کرام و اولیاء عظام مثل امام ابوالحسن نور الدین علی بن جریر لخمی شطنوفی و امام عبداللہ بن اسعد یافعی مکی، مولانا علی قاری مکی صاحب مرقاۃ شرح مشکوۃ و مولانا ابوالمعالی محمد مسلمی قادری و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم رحمتہ اللہ علیہم اپنی تصانیف جلیلہ بہجۃ الاسرار و خلاصۃ المفاخر و نزہۃ الخاطر و تحفہ قادریہ و زبدۃ الآثار وغیرہا میں یہ کلمات رحمت آیات حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل و روایت فرماتے ہیں:

یہ امام ابوالحسن نور الدین علی مصنف بہجۃ الاسرار شریف، اعاظم علماء و ائمہ قرات و اکابر اولیاء و سادات طریقت سے ہیں، حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صرف دو واسطے رکھتے ہیں۔ امام اجل حضرت ابو صالح نصر قدس سرہ سے فیض حاصل کیا، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق نور اللہ مرقدہ سے، انہوں نے اپنے والد ماجد حضور پرنور سید السادات غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، شیخ محقق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں۔ یہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم و شریف و مشہور ہے اور اس کے مصنف علماء قرات سے عالم معروف و مشہور اور ان کے احوال شریفہ(۱) کتابوں میں مذکور و مسطور۔ (عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: زبدۃ الآثار، فارسی، بکسلنگ کمپنی، بمبئی ۱۳۰۴ھ، ص ۲)

امام شمس الدین ذہبی کہ علم حدیث و اسماء الرجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار اس جناب کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کے مداح لکھے۔

امام محدث محمد بن محمد بن الجزری مصنف حصن حصین اس کے سلسلہ تلامذہ میں ہیں، انہوں نے یہ کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند و اجازت حاصل کی۔

(عبدالحق محدث دہلوی، شیخ محقق: زبدۃ الآثار، فارسی، بکسلنگ کمپنی، بمبئی ۱۳۰۴ھ، ص ۲)

ان سب باتوں کی تفصیل اور اس نماز مبارک کا دلائل شرعیہ و اقوال و افعال علماء و اولیاء سے جلیل فقیر غفراللہ تعالیٰ کے رسالہ "انہار الانوار من یم صلوۃ الاسرار" میں ہے---

فَعَلَیْكَ بِهَا تَجِدُ فِیْهَا مَا یَشْفِی الصُّدُوْرَ وَیَکْشِفُ الْعَمٰی وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب الواقع الانوار فی طبقات الاخیار میں فرماتے ہیں:

(۱) امام جلال الدین سیوطی نے ان جناب کو اَلْاِمَامُ الْاَوْحَدُ لکھا۔ یعنی امام یکتا بے نظیر ۱۲۔

marfat.com

سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید بازار میں تشریف لیے جاتے تھے' ان کے جانور کا پاؤں پھسلا' پکارا یاسیدی محمد یاغمری' ادھر ابن عمر حاکم صعید کو بحکم سلطان چقمق قید کیے لیے جاتے تھے' ابن عمر نے فقیر کا ندا کرنا سنا' پوچھا یہ سیدی محمد کون ہیں؟ کہا میرے شیخ' کہا میں ذلیل بھی کہتا ہوں۔

يَاسَيِّدِىْ مُحَمَّدُ يَاغَمْرِىُّ لَاحِظْنِىْ۔ اے میرے سردار' اے محمد غمری مجھ پر نظر عنایت کر۔

ان کا یہ کہنا کہ حضرت سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور مدد فرمائی کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی جان پر بن گئی' مجبورانہ ابن عمر کو خلعت دے کر رخصت کیا۔

(عبد الوہاب شعرانی امام: طبقات الکبریٰ' مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ' مصر' ج ۲' ص ۹۴)

اسی میں ہے:

سیدی شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے حجرہ خلوت میں وضو فرما رہے تھے ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کہ غائب ہو گئی حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کو نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے' جب تک وہ پہلی واپس آئے۔ ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع اور ہدایا کے حاضر لایا اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو جزائے خیر دے' جب چور میرے سینے پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا' میں نے اپنے دل میں کہا یاسیدی محمد یا حنفی! اسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آکر اس کے سینہ پر لگی کہ غش کھا کر الٹا ہو گیا اور مجھے بہ برکت حضرت اللہ عزوجل نے نجات بخشی۔ (عبد الوہاب شعرانی' امام: طبقات الکبریٰ' مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ' مصر' ج ۲' ص ۹۴)

اسی میں ہے:

ولی ممدوح قدس سرہ کی زوجہ مقدسہ بیماری سے قریب مرگ ہوئیں تو وہ یوں ندا کرتی تھیں "يَا سَيِّدِىْ اَحْمَدُ يَابَدَوِىْ خَاطِرُكَ مَعِىَ" "اے میرے سردار اے احمد بدوی' حضرت کی توجہ میرے ساتھ ہے۔ ایک دن حضرت سیدی احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کب تک مجھے پکارے گی اور مجھ سے فریاد کرے گی تو جانتی نہیں کہ تو ایک بڑے صاحب تمکین (یعنی اپنے شوہر) کی حمایت میں ہے اور جو کسی ولی کبیر کی درگاہ میں ہوتا ہے ہم اس کی ندا پر اجابت نہیں کرتے' یوں کہہ کہ یاسیدی یا حنفی! کہ یہ کہے گی تو اللہ تعالیٰ تجھے عافیت بخشے گا۔ ان بی بی نے یونہی کہا' صبح کو خاصی تندرست اٹھیں' گویا کبھی مرض نہ تھا۔ (عبد الوہاب شعرانی' امام: طبقات الکبریٰ' مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ' مصر' ج ۲' ص ۹۴)

اسی میں ہے:

حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مرض موت میں فرما رہے تھے:

مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ فَلْيَاْتِ اِلٰى قَبْرِىْ وَيَطْلُبُ حَاجَتَهٗ اَقْضِهَا لَهٗ فَاِنَّ مَا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ غَيْرَ ذِرَاعٍ مِّنْ تُرَابٍ وَّكُلُّ رَجُلٍ يُحْجِبُهٗ عَنْ اَصْحَابِهٖ ذِرَاعٌ مِّنْ تُرَابٍ فَلَيْسَ بِرَجُلٍ۔

جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پر حاضر ہو کر حاجت مانگے' میں روا فرمادوں گا کہ مجھ میں' تم میں یہی ہاتھ بھر مٹی ہی تو حائل ہے اور جس مرد کو اتنی مٹی اپنے اصحاب سے حجاب میں کر دے وہ مرد کاہے کا؟

(عبد الوہاب شعرانی' امام: طبقات الکبریٰ' مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ' مصر' ج ۲' ص ۹۴)

اسی طرح حضرت سیدی محمد بن احمد فرغل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال شریفہ میں لکھا:

marfat.com

كَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ اَنَا مِنَ الْمُتَصَرِّفِيْنَ فِيْ قُبُوْرِهِمْ فَمَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ فَلْيَاْتِ اِلٰى قُبَالَةِ وَجْهِيْ وَيَذْكُرُهَا لِيْ اَقْضِهَا لَهٗ۔

فرمایا کرتے تھے' میں ان میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرف فرماتے ہیں جسے کوئی حاجت ہو میرے پاس چہرہ مبارک کے سامنے حاضر ہو کر مجھ سے اپنی حاجت کہے' میں روا فرمادوں گا۔
(عبدالوہاب شعرانی' امام: طبقات الکبریٰ' ج ۲' ص ۹۴)

اسی میں ہے:

مروی ہو ایک بار حضرت سیدی مدین بن احمد اشمونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو فرماتے ہیں۔ ایک کھڑاؤں بلاد مشرق کی طرف پھینکی' سال بھر کے بعد ایک شخص حاضر ہوئے اور وہ کھڑاؤں ان کے پاس تھی' انہوں نے حال عرض کیا-- کہ جنگل میں ایک بد وضع نے ان کی صاحبزادی پر دست درازی چاہی۔ لڑکی کو اس وقت اپنے باپ کے پیرو مرشد حضرت سیدی مدین کا نام معلوم نہ تھا' یوں ندا کی: یاشیخ ابی لاحظنی! اے میرے باپ کے پیر مجھے بچائیے۔ یہ ندا کرتے ہی وہ کھڑاؤں آئی' لڑکی نے نجات پائی' وہ کھڑاؤں ان کی اولاد میں اب تک موجود ہے۔ (عبدالوہاب شعرانی' امام: طبقات الکبریٰ' ج ۲' ص ۱۰۲)

اسی میں سیدی موسیٰ ابو عمران رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر میں لکھتے ہیں:

كَانَ اِذَا نَادَاهُ مُرِيْدُهٗ اَجَابَهٗ مِنْ مَسِيْرَةِ سَنَةٍ اَوْ اَكْثَرَ۔

جب ان کا مرید جہاں کہیں سے ندا کرتا' جواب دیتے اگرچہ سال بھر کی راہ پر ہوتا یا اس سے بھی زیادہ۔

(عبدالوہاب شعرانی' امام: طبقات الکبریٰ' ج ۲' ص ۲۱)

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی' اخبار الاخیار شریف میں ذکر مبارک حضرت سید اجل شیخ بہاء الحق والدین بن ابراہیم وعطاء اللہ الانصاری القادری الشطاری الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت ممدوح کے رسالہ مبارک شطاریہ سے نقل فرماتے ہیں:

ذکر کشف ارواح یا محمد یا احمد! در دو طریق است بگوید یا محمد را در چپا بگوید و در دل ضرب کند یا رسول اللہ! طریق دوم آنست کہ یا احمد را در راستا گوید و چپا یا محمد و در دل وہم کند یا مصطفیٰ۔ دیگر ذکر یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ شش طرفی ذکر کند کشف جمیع ارواح شود دیگر اسمائے ملائکہ مقرب ہمیں تاثیر دارند یا جبرئیل' یا میکائیل' یا اسرافیل یا عزرائیل چہار ضربی' دیگر ذکر اسم شیخ یعنی بگوید۔ یا شیخ یا شیخ ہزار بار بگوید کہ حرف ندا را از دل بکشد طرف راستا برد و لفظ شیخ را در دل ضرب کند۔

(شاہ عبدالحق محدث دہلوی: اخبار الاخیار' مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دیوبند' ص ۳۰۵)

حضرت سیدی نورالدین عبدالرحمٰن مولانا جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العلی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ مولانا روح اللہ روحہ نے قریب انتقال ارشاد فرمایا:

"از رفتن من غمناک مشوید کہ نور منصور رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بعد از صد و پنجاہ سال بر روح شیخ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تجلی کردہ مرشد او شد"۔

اور فرمایا:

"در ہر جائے کہ باشید مرا یاد کنید تا من شمار امد باشم در ہر لباسے کہ باشم"۔

اور فرمایا:

در عالم مارا دو تعلق ست یکے بہ بدن بہ شار و چوں بہ عنایت حق سبحانہ و تعالیٰ فرد و مجرد شوم و عالم تجرید و تفرید روئے نماید

marfat.com

آں تعلق نیز از آں شمار خواہد بود"۔ (عبد الرحمن جامی، مولانا: نفحات الانس (اردو) مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص ۷۰۲)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم میں لکھتے ہیں:

وَصَلّٰى عَلَيْكَ اللّٰهُ يَا خَيْرَ خَلْقِهٖ ۔۔۔ وَ يَا خَيْرَ مَأْمُوْلٍ وَ يَا خَيْرَ وَاهِبِ

وَ يَا خَيْرَ مَنْ يُّرْجٰى لِكَشْفِ رَزِيَّةٍ ۔۔۔ وَمَنْ جُوْدُهٗ قَدْ فَاقَ جُوْدُ السَّحَابِ

وَاَنْتَ مُجِيْرِيْ مِنْ هُجُوْمِ مُلِمَّةٍ ۔۔۔ اِذَا اَنْشَبَتْ فِي الْقَلْبِ شَرَّ الْمَخَالِبِ

اور خود اس کی شرح و ترجمہ میں کہتے ہیں:

"(فصل یازدہم) در ابتہال بجناب آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت فرستد بر تو خدائے تعالیٰ اے بہترین خلق خدا! و اے بہترین کسیکہ امید داشتہ شود! اے بہترین عطا کنندہ و اے بہترین کسیکہ امید داشتہ باشد برائے ازالہ مصیبتے و اے بہترین کسیکہ سخاوت او زیادہ است از باراں بارہا گواہی میدہم کہ تو پناہ دہندۂ منی از ہجوم کردن مصیبتے وقتے کہ بخلاند در دل بد ترین چنگال ہا۔ اھ ملخصا"۔

(ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: اطیب النغم (مجتبائی دہلی) ص ۲۲)

اسی کے شروع میں لکھتے ہیں:

"ذکر بعض حوادث زماں کہ دراں حوادث لابد ست از استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"۔

(ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: اطیب النغم (مجتبائی دہلی) ص ۲)

اسی کی فصل اول میں لکھتے ہیں:

بہ نظر نمے آید مرا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ جائے دست زدن اندوہ گین است در ہر شدتے۔

(ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: اطیب النغم (مجتبائی دہلی) ص ۴)

یہی شاہ صاحب مدحیہ ہمزیہ میں لکھتے ہیں:

يُنَادِيْ ضَارِعًا بِخُضُوْعِ قَلْبٍ ۔۔۔ وَذُلٍّ وَابْتِهَالٍ وَالْتِجَاءِ

رَسُوْلَ اللّٰهِ يَا خَيْرَ الْبَرَايَا ۔۔۔ نَوَالُكَ اَبْتَغِيْ يَوْمَ الْقَضَاءِ

اِذَا مَا حَلَّ خَطْبٌ مُدْلَهِمٌّ ۔۔۔ فَاَنْتَ الْحِصْنُ مِنْ كُلِّ الْبَلَاءِ

اِلَيْكَ تَوَجُّهِيْ وَبِكَ اسْتِنَادِيْ ۔۔۔ وَفِيْكَ مَطَامِعِيْ وَبِكَ ارْتِجَائِيْ

اور خود ہی اس کی شرح و ترجمہ میں لکھتے ہیں:

"(فصل ششم) در تخاطبہ جناب عالی علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات والتسلیمات نداء کند زار و خوار شدہ بشکستگی دل و اظہارے قدری خود و بہ اخلاص در مناجات و بہ پناہ گرفتن بایں طریق کہ اے رسول خدا! اے بہترین مخلوقات عطائے ے خواہم روز فیصل کردن، وقتے کہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی، پس توئی پناہ از ہر بلا بسوئے تست رو آوردن من و بہ تست پناہ گرفتن من و در تست امید داشتن من۔ اھ ملخصا"۔

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: اطیب النغم، مطبوعہ مجتبائی، دہلی، ص ۳۳)

یہی شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں قضائے حاجت کے لیے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل کرتے ہیں:

"اول دو رکعت نفل بعد ازاں یک صد و یازدہ درود بعد ازاں یک صد و یازدہ بار کلمہ تمجید و یک صد و یازدہ

marfat.com

بارِشَیْاءٌ لِلّٰہِ یَاشَیْخ عَبْدُ الْقَادِرِ جِیلَانِیْ "۔(۱)

اسی انتباہ سے ثابت کہ یہی شاہ صاحب اور ان کے شیخ استاذ حدیث مولانا طاہر مدنی جن کی خدمت میں مدتوں رہ کر شاہ صاحب نے حدیث پڑھی اور ان کے شیخ و استاذ و والد مولانا ابراہیم کردی اور ان کے استاذ مولانا قشاشی اور ان کے استاذ مولانا احمد شناوی اور شاہ صاحب کے استاذ الاستاذ مولانا احمد نخلی کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث میں داخل اور شاہ صاحب کے پیرو مرشد شیخ محمد سعید لاہوری جنہیں انتباہ میں "شیخ معمر ثقہ" کہا اور اعیان مشائخ طریقت سے گنا اور ان کے پیر شیخ محمد اشرف لاہوری اور ان کے شیخ مولانا عبدالملک اور ان کے مرشد شیخ بایزید ثانی اور شیخ شناوی کے پیر حضرت سید صبغۃ اللہ بروجی اور ان دونوں صاحبوں کے پیرو مشد مولانا وجیہ الدین علوی شارح ہدایہ و شرح وقایہ اور ان کے شیخ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہم رحمتہ الملک الباری۔

یہ سب اکابر ناد علی کی سندیں لیتے اور اپنے تلامذہ و مستفیدین کو اجازتیں دیتے اور یا علی یا علی کا وظیفہ کرتے' وللہ الحجۃ السامیہ' جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو فقیر کے رسالہ انہار الانور وحیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات کی طرف رجوع کرے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین میں حضرت ارفع و اعلیٰ امام العلماء نظام الدین اولیاء حضرت سیدی احمد زروق مغربی قدس سرہ استاذ امام شمس الدین لقانی و امام شہاب الدین قسطلانی شارح صحیح بخاری کی مدح عظیم لکھی کہ وہ جناب ابدال سبعہ و محققین صوفیہ سے ہیں' شریعت و حقیقت کے جامع' باوصف علو باطن ان کی تصانیف علوم ظاہری میں بھی نافع و مفید و بکثرت ہیں' اکابر علماء فخر کرتے تھے کہ ہم ایسے جلیل القدر عالم و عارف کے شاگرد ہیں۔ یہاں تک کہ لکھا:

"بالجملہ مردے جلیل القدر رے ست کہ مرتبہ کمال او فوق الذکر است"۔

پھر اس جناب جلالت ماب کے کلام پاک سے دو بیتیں نقل کیں کہ فرماتے ہیں:

اَنَا لِمُرِیْدِیْ جَامِعٌ لِشَتَاتِہٖ	یعنی میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیت بخشنے والا ہوں
اِذَا مَا سَطَا جَوْرُ الزَّمَانِ بِنَکْبَۃٍ	جب ستم زمانہ اپنی نحوست سے اس پر تعدی کرے اور تو اگر
وَاِنْ کُنْتَ فِیْ ضِیْقٍ وَّ کَرْبٍ وَّوَحْشَۃٍ	تنگی و تکلیف و وحشت میں ہو تو یوں ندا کر' یا زروق! میں فورا
فَنَادِبِیَا زَرُّوْقُ اٰتِ بِسُرْعَۃٍ	آموجود ہوں گا۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی' بستان المحدثین: مطبوعہ سعید کمپنی' کراچی' ص ۳۲۵)

علامہ زیادی' پھر علامہ اجہوری صاحب تصانیف کثیرہ مشہورہ' پھر علامہ داؤدی محشی شرح منہج' پھر علامہ شامی صاحب ردالمحتار حاشیہ درالمختار گمشدہ چیز ملنے کے لیے فرماتے ہیں کہ بلندی پر جا کر حضرت سیدی احمد بن علوان یمنی قدس سرہ کے لیے فاتحہ پڑھے پھر انہیں ندا کرے کہ یاسیدی احمد یاابن علوان' شامی مشہور و معروف کتاب ہے' فقیر نے اس کے حاشیہ کی یہ عبارت اپنے رسالہ حیاۃ الموات کے ہامش تکملہ پر ذکر کی۔

(ابن عابدین الشامی' علامہ: ردالمحتار' مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ' مصر- ج ۳' ص ۳۵۵)

غرض! یہ صحابہ کرام سے اس وقت تک کے اس قدر ائمہ و اولیاء و علماء ہیں جن کے اقوال فقیر نے ایک ساعت قلیلہ میں

(۱) نوٹ: الانتباہ دو حصوں پر مشتمل ہے' پہلے حصہ میں سلاسل طریقت بیان کیے گئے ہیں اور دوسرے حصہ میں فقہ و حدیث کی سندیں بیان کی گئی ہیں' دوسرا حصہ مکتبہ سلفیہ لاہور نے وَصَّافُ النَّبِیَّۃِ کے نام سے شائع کیا تھا' ناشر نے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ اس حصہ کا ایک باب نہیں مل سکا اور وہ کچھ ضروری بھی نہ تھا' غالباً یہ حوالہ اسی "غیر ضروری" حصہ میں قلم زد ہو گیا ہے ۱۲ شرف قادری۔

marfat.com

جمع کیے۔ اب مشرک کہنے والوں سے صاف صاف پوچھنا چاہیے کہ عثمان بن حنیف و عبداللہ بن عباس عبداللہ بن عمر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے اساتذہ و مشائخ تک سب کو کافر و مشرک کہتے ہو کہ نہیں؟ اگر انکار کریں تو الحمد للہ ہدایت پائی اور حق واضح ہو گیا اور۔۔۔ بے دھڑک ان سب پر کفر و شرک کا فتویٰ جاری کریں تو ان سے اتنا کہئے کہ اللہ تمہیں ہدایت کرے ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو تو کسے کہا اور کیا کچھ کہا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" اور جان لیجئے کہ جس مذہب کی بناء پر صحابہ سے لے کر اب تک کے اکابر سب معاذ اللہ مشرک و کافر ٹھہریں وہ مذہب خدا و رسول کو کس قدر دشمن ہو گا۔

صحیح حدیثوں میں آیا کہ جو کسی مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہے اور بہت ائمہ دین نے مطلقاً اس پر فتویٰ دیا ہے جس کی تفصیل فقیر نے اپنے رسالہ "اَلنَّھْیُ الْاَکِیْدُ عَنِ الصَّلٰوۃِ وَرَاءَ عِدَی التَّقْلِیْدِ" میں ذکر کی۔ ہم اگرچہ بحکم احتیاط تکفیر نہ کریں تاہم اس قدر کلام نہیں کہ ایک گروہ ائمہ کے نزدیک یہ حضرات کہ یارسول اللہ و یاعلی و یاحسین و یاغوث الثقلین کہنے والے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتے ہیں' خود کافر ہیں تو ان پر لازم ہے کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔ درمختار میں ہے: مَافِیْہِ خِلَافٌ یُؤْمَرُ بِالْاِسْتِغْفَارِ وَالتَّوْبَۃِ وَتَجْدِیْدِ النِّکَاحِ۔

فائدہ: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا کرنے کے عمدہ دلائل سے "التحیات" ہے جسے ہر نمازی ہر نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" سلام حضور پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

اگر ندا معاذ اللہ شرک ہے تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے۔ "وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ" اور یہ جاہلانہ خیال محض باطل کہ التحیات زمانہ اقدس سے ویسے ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں کا ادا ہے نہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ندا' حاشا و کلا شریعت مطہرہ نے نماز میں کوئی ذکر ایسا نہیں رکھا جس میں صرف زبان سے لفظ نکالنے چاہئیں اور معنی مراد نہ ہوں' نہیں نہیں بلکہ قطعاً یہی درکار ہے کہ "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ" سے حمد الٰہی کا قصد رکھے۔۔۔ اور "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ" سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہوں اور حضور سے بالقصد عرض کر رہا ہوں کہ سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اس کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں شرح قدوسی سے ہے:

لَابُدَّ اَنْ یَّقْصِدَ بِاَلْفَاظِ التَّشَھُّدِ مَعَانِیَھَا الَّتِیْ وُضِعَتْ لَھَا مِنْ عِنْدِہٖ کَاَنَّہٗ یُحِیِّ اللّٰہَ تَعَالٰی وَیُسَلِّمُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی نَفْسِہٖ وَعَلٰی اَوْلِیَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی۔ (فتاویٰ عالمگیری' مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور' ج ۱' ص ۷۲)

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

(وَیَقْصِدُ بِاَلْفَاظِ التَّشَھُّدِ)

(مَعَانِیَھَا مُرَادُہٗ لَہٗ عَلٰی وَجْہِ الْاِنْشَاءِ) کَاَنَّہٗ یُحَیِّی اللّٰہَ تَعَالٰی وَیُسَلِّمُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی نَفْسِہٖ وَاَوْلِیَآءِہٖ (لَاالْاَخْبَار) عَنْ ذَالِکَ ذَکَرَہٗ فِی الْمُجْتَبٰی۔

(تنویر الابصار مع درر المختار' مطبوعہ بیروت' ج ۱' ص ۳۴۲)

علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں۔

marfat.com

يَقْصُدُ مُعَانِيهِ مُرَادُهُ لَهُ عَلٰى اَنَّهُ يَنْشِئُهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا مِّنْهُ۔

(حسن شرنبلالی، علامہ: مراقی الفلاح مع شرح الطحاوی، مطبعۃ الازہریہ، مصر، ص ۱۶۵)

اسی طرح بہت علماء نے تصریح فرمائی۔ اس پر بعض سفہائے منکرین یہ عذر گڑھتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام پہنچانے پر ملائکہ مقرر ہیں تو ان میں ندا جائز اور ان کے ماوراء میں ناجائز، حالانکہ یہ سخت جہالت بے مزہ ہے، قطع نظر بہت اعتراضوں سے جو اس پر وارد ہوتے ہیں، ان ہوش مندوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ صرف درود و سلام ہی نہیں بلکہ امت کے تمام اقوال و افعال و اعمال روزانہ دو وقت سرکار عرش وقار حضور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیے جاتے ہیں۔ احادیث کثیرہ میں تصریح ہے کہ مطلقاً اعمال حسنہ و سیئہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں اور یونہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور والدین و اعزاء و اقارب سب پر عرض اعمال ہوتی ہے۔ فقیر نے اپنے رسالہ "سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کلی الوریٰ" میں وہ سب حدیثیں جمع کیں، یہاں اس قدر بس ہے کہ امام اجل عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

لَيْسَ مِنْ يَوْمٍ اِلَّا وَتُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْمَالُ اُمَّتِهٖ غُدْوَةً وَعَشِيًّا فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ وَاَعْمَالِهِمْ۔

یعنی کوئی دن ایسا نہیں جس میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعمال امت ہر صبح و شام پیش نہ کیے جاتے ہوں تو حضور کا اپنے امتیوں کو پہچاننا ان کی علامت اور ان کے اعمال دونوں کی وجہ سے ہے۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ واصحابہ وشرف وکرم)

(محمد عبد الباقی زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ (دار المعرفۃ، بیروت) ج ۵، ص ۳۳۷)

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ، بتوفیق اللہ عزوجل اس مسئلے میں ایک کتاب مبسوط لکھ سکتا ہے مگر منصف کے لیے اس قدر دانی اور خدا ہدایت دے تو ایک حرف کافی۔

اِكْفِنَا شَرَّ الْمُضِلِّيْنَ يَا كَافِيْ وَصَلَّى اللّٰهُ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ الشَّافِيْ وَاٰلِهٖ حَمَاهُ الَّذِيْنَ الصَّافِيْ اٰمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

marfat.com

بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب اعظمی

ندائے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی تسلسل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی حَبِیۡبِهِ الۡکَرِیۡمِ ' اَمَّا بَعۡدُ!

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسلمانوں سے رابطہ

مسلمانوں کو حضور سید عالم، فخر موجودات، نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات سے جو شغف اور تعلق روحانی ہے، دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

عہد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک مسلمان اپنے اس خصوصی کردار میں ممتاز رہے ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم اپنے رہنما سے وہ عشق اور شیفتگی نہیں رکھتی جو اہل اسلام کو اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے مسلمان دل و جان سے ان پر شیدا اور مجازی معنی میں نہیں حقیقی معنی میں ان کا کلمہ پڑھتے ہیں، ان کو اپنے روحانی کرب و اضطراب کا مسیحا تصور کرتے ہیں اور جسمانی درد و الم کا مرہم سمجھتے ہیں۔ خلوت و تنہائی ہو یا جلوۂ و انجمن، مسرت ہو یا رنج و محن، وہ ہر عالم میں ان کو پکارتے ہیں اور ان کے نام کا نعرہ لگاتے ہیں، انہیں تصور میں اپنے پاس پاتے ہیں تو انہیں خطاب کرتے ہیں اور ان سے التجا اور فریاد کرتے ہیں۔

اور اس عالم میں چودہ صدیوں کے دبیز پردے، ہزاروں میل کی مسافتیں، شجر و حجر، بحر و بر، موت و حیات اور شہود و غیاب کے حجاب ہیچ اور درماندہ ہوتے ہیں کہ۔ بعد منزل نہ بود در سفر روحانی۔۔۔ یا

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل　　　می بینمت عیاں و دعاء می فرستمت

(نگاہوں سے غائب اور دل میں پوشیدہ میں تجھ کو علی الاعلان دیکھ رہا ہوں اور دعا بھیج رہا ہوں)

شرک نظر آیا

جب کہ بعض حضرات کو اس خطاب و ندا استغاثہ و فریاد سے سخت وحشت ہوتی ہے، وہ اس کو اسلام کی تعلیمات کے سخت خلاف، بلکہ شرک و کفر تک کہا کرتے ہیں۔

marfat.com

اس غلط فہمی کی اصل وجہ یہ ہے کہ خطاب کے سلسلہ میں عام گمان یہ ہے کہ جو سامنے ہو اسی کو ہم پکاریں اور جس کو دیکھ رہے ہوں، اسی کو خطاب کریں اور آواز دیں، حالانکہ یہ کلیہ نہ عقلاً درست ہے اور نہ نقلاً۔

ندا و خطاب کا اصول

حقیقت امر یہ ہے کہ جس شخص کو یہ بھروسہ ہو کہ میرا مخاطب میرے خطاب و ندا کو سنتا ہے یا اس سے مطلع ہو جائے گا وہ بلا جھجک اس کو قریب اور دور اور غیبت و حضور سے پکارے گا۔ خواہ اس طرح کہ اس کی آواز میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اپنی آواز دور دراز سے پہنچا سکے، خواہ اس طرح کہ سننے والے کے کان میں اتنی طاقت ہو کہ وہ دور دراز کی آواز سن سکتا ہو، خواہ اس طرح کہ اس کا پیغام کوئی لے جا کر مخاطب تک پہنچا دے۔

ان تینوں ہی صورتوں کی مثالیں عالم روحانیت اور عالم محسوسات دونوں ہی میں موجود ہیں۔ ہر آدمی روزانہ اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور ملنے والوں کو سینکڑوں خطوط، ساری دنیا کے بے شمار مقامات پر روانہ کرتا ہے اور ٹھیک اسی طرح خطاب کرتا ہے۔ جیسے آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کر رہے ہوں۔ اس اعتماد پر کہ ڈاک کا محکمہ اس کو مخاطب تک پہنچا دے گا۔

عام الرماد میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط

عام الرماد میں جب کہ مدینہ مقدسہ اور اس کے ماحول کو ایک بھیانک قحط نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر میں اپنے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خط لکھا:

اَمَّا بَعْدُ فَلِعُمْرِیْ یَا عَمْرُو تَبَالِیْ اِذَا اِشْبَعْتَ وَمَنْ مَعَکَ اِنْ اَھْلَکَ اَنَا وَمَنْ مَعِیَ فَیَاغَوْثَاہُ فَیَاغَوْثَاہُ فَیَاغَوْثَاہُ۔

بعد حمد و صلوۃ کے اے عمرو! جب تم اور تمہارے ساتھی آسودہ حال ہیں تو تمہیں اس کی پرواہ نہیں کہ میں اور میرے ساتھی ہلاک ہو جائیں فورا مدد کو پہنچو، فورا مدد کو پہنچو، فورا مدد کو پہنچو۔

عالم مادیات میں یہ تیسری صورت کی مثال ہوئی کہ پیغام رسانی پر اعتماد کر کے خطاب و ندا ہوئی۔

(۲) انسان کے گلے سے آواز کی جو لہریں نکلتی ہیں اتنی نحیف و ناتواں ہوتی ہیں کہ فرلانگ دو فرلانگ بھی ان کا پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔

ریڈیو اور ندائے غیر اللہ

لیکن جب انہیں لہروں کو "ریڈیو اسٹیشن" برقی اور ریڈیائی لہروں میں تبدیل کر دیتا ہے، تو ان میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ وہ ہوا کے دوش پر سوار سارے عالم میں گردش کرتی رہتی ہیں اور پوری فضا ان سے معمور رہتی ہے، لیکن پھر انہیں لہروں کو ہوا کی لہروں میں تبدیل ہو کر ہمارے کانوں کی سماعت کے لائق ہونے کے لیے "ریڈیو سیٹ" کی مقناطیسی طاقت درکار ہوتی ہے۔ جس سے ہم ان بکھری ہوئی آوازوں کو گرفتار کرتے اور سنتے ہیں۔

اس انتظام کے بعد ایک آدمی دنیا کے انتہائی کناروں سے دوسرے کنارے کے انسانوں کو خطاب کرتا ہے۔ بلکہ سارے عالم کے انسانوں کو پکارتا ہے اور انہیں اپنا پیغام سناتا ہے جیسے وہ قریب بیٹھ کر اس کا ایک لفظ سن رہے ہیں۔ اس مثال کو اگر

marfat.com

"ریڈیو اسٹیشن" کی طرف سے دیکھیے تو ہماری بیان کی ہوئی صورتوں میں پہلی صورت کی مثال ہے کہ اگر ایک شخص نے اپنی آواز اتنی طاقتور بنالی ہے کہ ایک جگہ بیٹھ کر سارے عالم کو اپنی آواز پہنچا سکے اور اگر "ریڈیو سیٹ" کی طرف سے مشاہدہ کیا جائے تو یہ اس امر کی مثال ہے کہ ایک شخص نے مقناطیسی طاقت کی مدد سے اپنے کان اتنے طاقتور بنالیے ہیں کہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہ کر پوری دنیا کی آواز سن سکے۔ اس لیے "ریڈیو اسٹیشن" سے بولنے والے کو اس امر کا کوئی استعجاب نہیں کہ میں اتنی دور دراز کے لوگوں کو خطاب کر رہا ہوں، نہ سننے والے ہی حیرت و افکار کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اتنی دور سے آواز کیوں دے رہا ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ندائے غائبانہ

عالم روحانیت میں پہلی صورت کی مثال حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ واقعہ ہے جس میں آپ نے مسجد نبوی کے ممبر سے سیکڑوں میل دور لڑتے ہوئے حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام "نہاوند" میں خطاب کیا جسے امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ذیل الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

اَخْرَجَ الْبَیْھَقِیُّ وَ اَبُوْنُعَیْمٍ کِلَاھُمَا فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ وَالْاَلْکَائِیُّ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَابْنُ الْعَرَبِیِّ فِیْ کَرَامَاتِ الْاَوْلِیَآءِ وَالْخَطِیْبُ رَوَاہُ مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ وَجَّہَ عُمَرُ جَیْشًا وَرَأَسَ عَلَیْہِ رَجُلًا یُدْعٰی سَارِیَۃَ فَبَیْنَا عُمَرُ یَخْطُبُ جَعَلَ یُنَادِیْ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَدِمَ رَسُوْلُ الْجَیْشِ سَاَلَہٗ عُمَرُ فَقَالَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ھُزِمْنَا فَبَیْنَا نَحْنُ کَذٰلِکَ اِذْ سَمِعْنَا صَوْتًا یُنَادِیْ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ ثَلَاثًا وَاَسْنَدْنَا ظُھُوْرَنَا اِلَی الْجَبَلِ نَھَزَمَھُمُ اللّٰہُ قَالَ قِیْلَ لِعُمَرَ اِنَّکَ کُنْتَ یَفْتَحُ بِذٰلِکَ وَذٰلِکَ الْجَبَلُ الَّذِیْ کَانَ سَارِیَۃُ عِنْدَہٗ بِنِھَاوَنْدَ مِنْ اَرْضِ الْعَجَمِ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِی الْاِصَابَۃِ اِسْنَادُہٗ حَسَنٌ۔

(تاریخ الخلفاء، ص ۸۵)

بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل النبوہ الکائی نے شرح السنہ ابن عربی نے کرامات اولیاء میں اور خطیب نے مالک، انہوں نے نافع، انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر پر ساریہ کو امیر بنا کر روانہ کیا تو ایک دفعہ حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے کہ پکارنے لگے "اے ساریہ! پہاڑ" تین بار پکارا کچھ دنوں کے بعد ساریہ کے پاس سے قاصد آیا اور اس نے بیان کیا کہ ہم شکست کھا رہے تھے کہ ہم نے ایک آواز تین بار سنی کہ "اے ساریہ! پہاڑ" تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے کر لیا اور اللہ نے دشمنوں کو شکست دے دی، تب لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اسی لیے اس روز آپ ساریہ کو چیخ چیخ کر بلا رہے تھے اور وہ پہاڑ تو بہت دور عجم کے شہروں میں تھا۔ ابن حجر نے کتاب اصابہ میں اس حدیث کی سند کو حسن کہا ہے۔

غوث پاک کا صدائے غائبانہ سننا اور مدد کو پہنچنا

(۲) اور دوسری صورت کی مثال وہ روایت ہے جس کو امام ابوالحسن نورالدین علی ابن یوسف نے اپنی کتاب بہجتہ الاسرار میں مندرجہ ذیل سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

اَخْبَرَنَا اَبُو الْعَفَافِ مُوْسٰی بُنُ عُثْمَانَ

ہم ابو العفاف موسیٰ بن عثمان نے قاہرہ میں ۶۶۳ھ میں بتایا

marfat.com

الْبُقَاعَ بِالْقَاهِرَةِ ٦٦٢ھ قَالَ اَخْبَرَنَا وَالِدِیْ بِدِمَشْقَ قَالَ اَخْبَرَنَا الشَّیْخَانُ اَبُوْ عَمْرٍو عُثْمَانُ الصَّرِیْفِیْنِیُّ وَاَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُ الْحَقِّ الْحَرِیْمِیُّ بِبُغْدَادَ سَنَةَ ٥٥٩ھ قَالَ كُنَّا بَیْنَ یَدِیِ الشَّیْخِ مُحْیِ الدِّیْنِ عَبْدُ الْقَادِرِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمَدْرَسَةٍ یَوْمَ الْاَحَدِ ثَالِثَ صَفَرَ ٥٥٥ھ۔

کہ ان کے والد نے دمشق میں یہ خبر دی تھی کہ مجھ سے یہ واقعہ دو بزرگوں ابو عمرو عثمان اور ابو محمد عبدالحق ۵۵۹ھ میں بغداد میں بیان کیا کہ ہم دونوں غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدرسے میں ۵۵۵ھ میں صفر کی تیسری تاریخ اتوار کے دن حاضر تھے کہ یہ واقعہ پیش آیا۔

واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ عجم کے کسی دور دراز علاقہ میں کسی جنگل کے اندر ایک قافلہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا' اس وقت قافلہ والوں نے آپس میں مشورہ کیا:

قُلْنَا لَوْ تَذَكَّرْنَا الشَّیْخَ عَبْدَ الْقَادِرِ فِیْ هٰذَا الْوَقْتِ وَنَذَرْنَا لَهٗ شَیْئًا اِنْ سَلِمْنَا۔

ہم نے کہا: اگر ہم اس وقت غوث پاک کو یاد کرتے اور اگر اس بلا سے سالم و محفوظ رہتے تو انہیں کچھ نذر کرتے۔

(بہجتہ الاسرار)

آپ نے اتنی دیر بغداد میں رہ کر ان کی فریاد سن لی اور اپنی کھڑاؤں ان کی سرکوبی کے لیے فضا میں اچھال دی اور ہیبت ناک نعرہ مارا جس کی آواز جنگل میں سنی گئی۔ کھڑاؤں نے وہاں پہنچ کر ڈاکوؤں کے سردار کو مار ڈالا اور ڈاکوؤں نے ڈر کر لوٹا ہوا مال واپس کر دیا۔

اس تاریخی واقعہ میں دونوں صورتوں میں مثالیں ہیں۔ آپ نے اس مظلوم کی آواز اتنی دور سے سن لی اور اپنی آواز اتنی دور جنگل میں پہنچا دی۔

اس عالم کی آواز برزخ میں پہنچتی ہے

(۳) رہ گئی تیسری صورت کی مثال کہ روحانی ذریعہ سے کوئی کسی کی بات دوسرے تک پہنچائے تو یہ اتنی واضح ہے کہ صرف مسلمان کے لیے ہی نہیں' کافروں تک کے لیے اس کا ذکر احادیث کریمہ میں ہے:

وَمَا مِنْ مَّیِّتٍ یَّمُوْتُ فَیَقُوْمُ بَاكِیْهِمْ فَیَقُوْلُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَیِّدَاهُ وَنَحْوُ ذٰلِكَ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكَیْنِ یُلْهِزَانِهٖ وَ یَقُوْلَانِ اَهٰكَذَا كُنْتَ۔ (مشکوۃ ص ۱۵۲)

کافر کے مرنے کے بعد جب اس کے رشتہ دار اس کو واجبلاہ واسیداہ کہہ کر روتے ہیں تو اللہ پاک دو فرشتے اس پر مقرر فرماتا ہے جو اس کو ٹھونگے مار مار کر کہتے ہیں کہ کیا ایسا ہی سردار اور پہاڑ تھا۔

الغرض! عالم مادیات ہو یا عالم روحانیات ہر جگہ اطلاع و آگاہی اور ندا و خطاب کی یہ تینوں قسمیں جاری و ساری' متداول اور معمول بہا ہیں جس کا انکار زیادتی مکابرہ ہے' نری ہٹ دھری اور تعصب ہے۔ اب صرف یہ واضح کرنا رہ گیا ہے کہ خاص بارگاہ رسالت جناب نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم میں بھی اطلاع و آگاہی کے یہ تینوں طریقے وقوع پذیر اور معمول بہا ہیں یا نہیں تو الحمدللہ! کہ احادیث کریمہ میں ان کی تفاصیل بھی موجود ہیں اور مشہور و مقبول ہیں۔

marfat.com

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں

قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر فرمائی:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔

(شفائے قاضی عیاض، ص۶۹، ۷۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔ آپ نے فرمایا: جو بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَصَلُّوْا فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ۔ (شفائے قاضی عیاض، ص۶۹، ۷۰)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تم جہاں ہو وہیں سے مجھے درود بھیجو کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے۔

ان احادیث کریمہ میں اس امر سے قطع نظر کہ رد روح سے حدیث نبوی میں کیا مراد ہے؟ یہ امر بالکل واضح ہے کہ حضور ہر سلام کرنے والے کا جواب دیتے ہیں قریب سے سلام کرے یا دور سے، بلند آواز سے سلام کرے یا پست آواز سے اور درود و سلام ان کی بارگاہ عظمت میں پہنچتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خود سن لیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے پہنچاتے ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک درود و سلام پہنچائے جاتے ہیں

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِکَةً سَیَّاحِیْنَ فِی الْاَرْضِ یُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِی السَّلَامَ۔ (شفائے قاضی عیاض، ص۶۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَیْسَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ یُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِلَّا بَلَغَهٗ۔ (شفائے قاضی عیاض، ص۷۰) وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ بَلَغَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَکْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ عَلَیَّ فِی اللَّیْلَةِ الزَّهْرَآءِ وَالْیَوْمِ الْاَزْهَرِ فَاِنَّهُمَا یُؤَدِّیَانِ عَنْکُمْ وَاِنَّ الْاَرْضَ لَا تَاْکُلُ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ وَمَا مِنْ مُّسْلِمٍ یُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا حَمَلَهَا مَلَکٌ حَتّٰی یُؤَدِّیَهَا اِلَیَّ وَیُسَمِّیْهِ حَتّٰی اَنَّهٗ لَیَقُوْلُ اِنَّ فُلَانًا یَقُوْلُ کَذَا وَکَذَا۔

(شفائے قاضی عیاض، ص۷۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے کچھ فرشتے عالم میں گھومتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام میری بارگاہ تک پہنچاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں امت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو فرد بھی آپ پر سلام بھیجتا ہے تو وہ آپ پر پیش کیا جاتا ہے۔ امام زہری نے اپنی بلاغات میں حضور کا یہ قول ذکر کیا کہ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روشن دنوں اور منور راتوں میں مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارے درود مجھ تک پہنچائے جاتے ہیں اور زمین پیغمبروں کے جسم کو کبھی نہیں کھاتی اور جو مسلمان بھی مجھے سلام کرتا ہے، فرشتے اسے میری بارگاہ عالی تک پہنچاتے ہیں اور اس کا نام لے کر کہتے ہیں یا رسول اللہ! آپ کے فلاں غلام نے بارگاہ رفعت میں یہ یہ عرض کی ہے۔

ان احادیث کریمہ میں کئی امور "روح ایمان" میں بالیدگی پیدا کرنے والے ہیں، لیکن خاص ہمارے موضوع سے متعلق تو یہ مژدہ جاں نواز ہے کہ فرشتوں کی ایک پوری فوج اس خدمت پر مامور ہے کہ پوری دنیا کے غلاموں کا سلام پیش کرے۔ اللہ! اللہ! اس بزم عالی میں اور ہم سوختہ سامانوں کا ذکر وہ بھی نام بنام۔

مجھ سے بہتر ہے کہ میرا ذکر اس محفل سے ہے

marfat.com

پاس والوں کا سلام خود سنتے ہیں

جاں می دہم در آرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنیں حرفے گراز مای رود

ذَكَرَ اَبُوْبَكْرِ بْنُ شَيْبَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيَّ نَائِيًا بَلَغَهٗ۔ (شفائے قاضی عیاض، ص ۶۹)

ابن شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو میری قبر کے پاس مجھ پر سلام کرے اس کا سلام خود سنتا ہوں اور جو دور سے سلام کرے اس کا سلام پہنچایا جاتا ہے۔

وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ سُحَيْمٍ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَاْتُوْنَكُمْ يُسَلِّمُوْنَكَ عَلَيْكَ اِتَّفَقَهٗ اِسْلَامُهُمْ قَالَ لَهُمْ وَارُدُّ عَلَيْهِمْ۔ (شفائے قاضی عیاض، ص ۷۰)

سلیمان بن سحیم سے روایت ہے کہ میں نے حضور جان نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کی یا رسول اللہ! جو لوگ آپ کی جناب مقدس میں حاضر ہو کر سلام کرتے ہیں تو کیا آپ ان کے سلام سے آگاہ ہوتے ہیں۔ فرمایا: کہ ہاں اور میں جواب بھی دیتا ہوں۔

ہرچند کہ آخرالذکر حدیث منامی ہے لیکن اس میں کوئی امر "احادیث قولی" اور "اقوال مندہ" کے خلاف نہیں، اس لیے یہ بھی رویائے صادقہ اور مبشرات نبوۃ میں داخل ہے اور ان روایتوں میں اس امر کی تفصیل ہے--- کہ پاس والوں کا سلام خود سنتے اور قبول فرماتے ہیں اور دور والوں کا سلام فرشتوں کے ذریعہ پیش ہوتا ہے۔

اہل محبت کا سلام حضور علیہ الصلوۃ والسلام خود سنتے ہیں

اَسْمَعُ صَلَاةَ اَهْلِ مَحَبَّتِيْ اَيْنَ مَا كَانَ۔ (مطالع المسرات)

میں اپنے اہل محبت کا سلام خود سنتا ہوں وہ جہاں کہیں ہوں۔

اس حدیث مقدس میں عاشقان مصطفیٰ اور شیدایان کوئے مدینہ کے لیے ایک بشارت جاں نواز ہے۔ جس پر ہر چاہنے والے کا جی قربان ہونے کو چاہے کہ مجھے چاہنے والے جہاں سے بھی مجھے درود و سلام کریں، میں خود بھی سنتا ہوں۔

القصہ! ہماری مذکورہ بالا گزارشات سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ خطاب و ندا کا دارومدار اس امر پر ہے کہ مخاطب ہمارے خطاب اور ہماری ندا سے مطلع ہو اور ان حدیثوں سے یہ امر واضح ہو کہ حضور سید المرسلین، رسول رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سلام کرنے والے کے سلام سے نہ صرف آگاہ ہوتے ہیں، بلکہ سب کا جواب دیتے ہیں، پس اس مسئلہ میں اب کون سا شبہ رہ جاتا ہے؟ کہ ہم ان کو اخلاص و عقیدت، عشق و محبت کے جذبات صادقہ سے دنیا کے جس کونہ سے چاہیں پکار سکتے ہیں اور صدا دے سکتے ہیں۔ بلاشبہ ہماری آواز میں اتنی طاقت نہیں کہ ہماری کمزور صدائیں مدینہ پہنچیں لیکن ان کی رحمت نے صدا دی ہے کہ میں سب سے باخبر ہوں اور اہل محبت کی آواز ہر جگہ سے سنتا ہوں۔

ہند میں بیٹھ کر دے رہا ہوں ندا — ہے یقیں سن رہے ہیں میرے مصطفیٰ
یہ سلامت رہے عشق کا رابطہ — میں نے مانا مدینہ بہت دور ہے

ندائے یارسول اللہ نصوص کی روشنی میں

اوراق سابقہ کی تشریحات سے "مسئلہ ندائے یارسول اللہ" دن کے اجالے میں آگیا اور امر حق واضح ہو گیا لیکن آئندہ اوراق میں ہم خاص "ندائے یارسول اللہ" شرع مطہرہ کی واضح نصوص پیش کر رہے ہیں' تاکہ شکوک و شبہات کا کوئی تار بھی لگا نہ رہے۔ آسانی کے خیال سے ہم نے اس مسئلہ کو مندرجہ ذیل عنوانوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- ندائے مطلق جو کسی قید و زمانہ کے ساتھ مقید نہ ہو۔

۲- عہد رسالت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب رہ کر خطاب یارسول اللہ۔

۳- عہد رسالت میں دور سے ندائے یارسول اللہ۔

۴- پردہ فرمانے کے بعد قبر انور کے پاس ندائے یارسول اللہ۔

۵- بعد وصال دور سے یارسول اللہ کا خطاب۔

ندائے مطلق

اب بالتفصیل ہر ایک کے بارے میں تصریحات شرع ملاحظہ ہوں۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا- (پارہ ۱۸' سورہ نور)

اے مسلمانو! رسول اللہ کو ایسا نہ پکارو جیسا آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

آیت سے متعلق مندرجہ ذیل تفاسیر میں حسب ذیل تشریحات ہیں:

حَدَّثَنِي الْحٰرِثُ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ حَدَّثَنَا وَرْقَآءُ عَنْ اَبِيْ نُجَيْحٍ عَنْ مُّجَاهِدٍ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَالَ اَمَرَهُمْ اَنْ يَّدْعُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ لِيْنٍ وَّتَوَاضُعٍ وَلَا تَقُوْلُوْا يَامُحَمَّدُ افِيْ تَجَهُّمٍ-(ابن جریر طبری' جلد ۱۸' ص ۱۲۱)

ہم سے حارث نے اور ان سے حسن نے اور ان سے ورقاء نے اور وہ ابو نجیح اور وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں کہ آیت شریفہ کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یارسول اللہ کہہ کر نرمی اور تواضع سے پکاریں یامحمد کہہ کر ترشی اور تلخی سے آواز نہ دیں۔

وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ لَا تُنَادُوْا بِاسْمِهٖ وَلَا تَقُوْلُوْا يَامُحَمَّدُ وَلٰكِنْ يَانَبِيَّ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَعَ التَّوْقِيْرِ وَالتَّعْظِيْمِ وَالصَّلَوَاتِ الْمُخْفَضِ- (تفسیر نیشاپوری' ص ۱۲۱)

سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نام لے کر ندا نہ کرو اور یَامُحَمَّدُ نہ کہو' بلکہ یَانَبِيَّ اللّٰهِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ کہو اور ساتھ ہی تعظیم و توقیر بھی ہو اور آواز بھی نرم و پست ہو۔

بِاَنْ تَقُوْلُوْا يَامُحَمَّدُ بَلْ قُوْلُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَانَبِيَّ اللّٰهِ فِيْ لِيْنٍ وَّتَوَاضُعٍ وَخَفْضِ الصَّوْتِ- (جلالین' ص ۳۰۲)

یَامُحَمَّدُ نہ کہو' بلکہ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ یَانَبِيَّ اللّٰهِ کہو۔ نرمی و تواضع ہو' آواز میٹھی ہو۔

قِيْلَ لَا تَجْعَلُوْا نِدَاءَهٗ وَتَسْمِيَتَهٗ كَنِدَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا بِاسْمِهٖ وَرَفْعِ الصَّوْتِ بِهٖ وَالنِّدَاءِ وَرَآءَ الْحُجُرَاتِ وَلٰكِنْ بِلَقَبِهٖ

کہا گیا کہ رسول اللہ کا پکارنا اور ان کا نام لینا آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے اور نام لینے کی طرح مت کرو کہ نام لے کر سخت آواز میں حجرہ شریف کے پیچھے ہی سے پکارو لیکن حضور

marfat.com

الْمُعَظَّمِ مِثْلَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَعَ التَّوْقِيْرِ وَالتَّوَاضُعِ وَخَفْضِ الصَّوْتِ۔ (بیضاوی تفاسیر اربعہ، ص ۴۴۲) قِيْلَ لَا تَدْعُوْا بِاسْمِهٖ كَمَا يَدْعُوْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَلٰكِنْ فَخِّمُوْهُ وَعَظِّمُوْهُ وَشَرِّفُوْهُ تَقُوْلُوْا يَانَبِيَّ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ لِيْنٍ وَّتَوَاضُعٍ۔ (تفسیر خازن، ص ۴۳۲)

لَا تَجْعَلُوْا تَسْمِيَتَهٗ وَنِدَاهُ كَمَا يُسَمِّيْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَيُنَادِيْهِ بِاسْمِهِ الَّذِيْ سَمَّاهُ اَبُوْهُ فَلَا تَقُوْلُوْا يَامُحَمَّدُ وَلٰكِنْ يَانَبِيَّ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَعَ التَّعْظِيْمِ وَالتَّوْقِيْرِ وَالصَّوْتِ الْمَخْفُوْضِ۔ (مدارک، ص ۴۳۲)

اَیْ لَا تَدْعُوا الرَّسُوْلَ بِاسْمِهٖ يَامُحَمَّدُ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا وَلٰكِنْ عَظِّمُوْهُ وَشَرِّفُوْهُ فَقُوْلُوْا لَهٗ يَانَبِيَّ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَيَا اَبَا الْقَاسِمِ۔ (تفسیر ابن عباس، ص ۴۳۳)

اَخْرَجَ اِبْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ يَامُحَمَّدُ يَا اَبَا الْقَاسِمِ فَنَهَاهُمُ اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ بِقَوْلِهٖ سُبْحَانَهٗ لَا تَجْعَلُوْا عِظَامًا لِّنَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَانَبِيَّ اللّٰهِ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَوٰى نَحْوَ هٰذَا مِنْ قَتَادَةَ وَالْحَسَنِ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ وَّمُجَاهِدٍ۔ (تفسیر روح المعانی جلد ۱۸، ص ۲۲۵)

اَوْ لَا تَجْعَلُوْا نِدَاءَهٗ كَنِدَاءِ بَعْضًا بِاسْمِهٖ وَرَفْعَ الصَّوْتِ بِهٖ مِثْلَ يَامُحَمَّدُ يَا اَحْمَدُ وَلٰكِنْ بِلَقَبِهٖ مِثْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ يَانَبِيَّ اللّٰهِ۔

(تفسیر احمدی، ص ۳۲۳)

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لقب کے ساتھ جیسے یَانَبِیَّ اللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہہ کر تعظیم و توقیر و تواضع کے ساتھ۔ نرم آواز سے نہ پکارو حضور کا نام لے کر جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو جیسے یَامُحَمَّدُ یَاعَبْدَ اللّٰہِ بلکہ آپ کی تعظیم و توقیر کرو، ان کو معظم و مکرم رکھو! اور نرمی اور تواضع سے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَانَبِیَّ اللّٰہِ کہو۔

حضور کے نام لینے اور ان کے پکارنے کو آپس کے نام لینے اور پکارنے کی طرح نہ کرو کہ باپ کے رکھے ہوئے نام سے خطاب کرتے ہو تو یَامُحَمَّدُ نہ کہو یَانَبِیَّ اللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ تعظیم و توقیر اور نرم آواز کے ساتھ ندا دو۔

رسول اللہ کو یَامُحَمَّدُ کہہ کر پکارو جیسا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ آپ کی تعظیم و توقیر کرو اور یَانَبِیَّ اللّٰہِ اور یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اور یَا اَبَا الْقَاسِمِ۔

ابن ابی حاتم نے اور ابن مردویہ اور ابو نعیم نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ لوگ حضور کو یَامُحَمَّدُ یَا اَبَا الْقَاسِمِ کہتے تو اللہ پاک نے لوگوں کو اس سے روک دیا، یہ آیت نازل فرما کر کہ اس میں حضور کی تعظیم ملحوظ ہے تو یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَانَبِیَّ اللّٰہِ کہنا چاہیے اور ائمہ تفسیر میں قتادہ حسن، سعید بن جبیر اور مجاہد کا یہ قول مروی ہے۔

ان کا پکارنا آپس کے پکارنے کی طرح نہیں کہ نام لے کر چلا کر یَامُحَمَّدُ یَا اَحْمَدُ کہو، لیکن حضور کا لقب یاد کرو۔ جیسے یَانَبِیَّ اللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔

اَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰى لَا تَجْعَلُوا الْاٰيَةَ فَفِيْهِ وُجُوْهٌ اَحَدُهَا وَهُوَ اِخْتِيَارُ الْمُبَرِّدِ وَالْقَفَّالِ لَا تَجْعَلُوْا اَمْرَهٗ اِيَّاكُمْ وَدُعَاءَهٗ لَكُمْ كَمَا يَكُوْنُ مِنْ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اِذَا كَانَ اَمْرُهٗ فَرْضًا لَازِمًا ثَانِيْهَا لَا تَنَادَوْا كَمَا يُنَادِيْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا يَامُحَمَّدُ لٰكِنْ

marfat.com

قُوْلُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَانَبِیَّ اللّٰہِ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ وَثَالِثُھَا لَاتَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فِیْ دُعَائِہٖ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَابِعُھَا احْذَرُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ عَلَیْکُمْ اِذَا اسْتَخْتَمَہٗ۔

(تفسیر کبیر، جلد ۲۴، ص ۴۰)

آیت کریمہ "لَاتَجْعَلُوْا" کا چار مطلب ہے۔

(۱) یہ مبرد اور قفال نے پسند کیا ہے۔ رسول اللہ کا حکم آپس میں ایک دوسرے کے حکم کی طرح نہ سمجھو کہ ان کا حکم فرض اور ضروری ہے۔

(۲) یہ سعید بن جبیر سے مروی ہے حضور کو آپس میں ایک دوسرے کی طرح یَامُحَمَّدُ کہہ کر نہ پکارو بلکہ یَانَبِیَّ اللّٰہِ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کہو۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو، یہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے خفا ہو کر تمہارے خلاف دعا کریں اور اس کو آپس میں ایک دوسرے کی دعا کی طرح ہلکا نہ سمجھو (کہ ان کی دعا مقبول ہے)

مذکورہ بالا دس مفسرین کی تشریحات کی روشنی میں اس آیت کریمہ سے سب سے پہلی اور ہمارے موضوع کے لحاظ سے اہم بات تو یہی ثابت ہوئی کہ خاص لفظ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَانَبِیَّ اللّٰہِ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنے کا حکم اس آیت میں موجود ہے۔

دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ پکارنے میں ادب و احترام ملحوظ رہے اور تعظیم و توقیر کا خیال رہے۔

تیسری بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ وہ سامنے ہوں تو آواز بلند نہ ہو۔

اور یہ امر بھی آیت کے مفہوم سے خارج نہیں کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں رہ کر بھی یہ خطاب کیا جا سکتا ہے اور ان کی بارگاہ سے دور رہ کر بھی، ان کے عہد گرامی میں بھی ہی ندا جائز تھی اور آج کے زمانہ میں بھی، کیونکہ آیت میں نہ کسی عہد کی تخصیص ہے، نہ کسی شخص کی، نہ غیبت کا ذکر ہے، نہ شہود کا۔ اس لیے آیت کے عموم میں سبھی صورتیں داخل ہیں اور سب جائز ہوں گی۔

ایک شبہ کا ازالہ

ممکن ہے یہاں کسی کو یہ خیال ہو کہ صاحب روح المعانی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو روایت کی ہے اس میں تشریح ہے کہ لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کا نام لے کر پکارتے تھے تو انہیں اس طرز خطاب سے روکنے اور خطاب کا طریقہ سکھانے کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اس لیے یہ حکم اسی زمانہ اور انہیں لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔

لیکن ہر خادم علم اور محب قرآن پر یہ امر روشن ہے کہ ایسا خیال کرنا صحیح نہیں کہ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ آیت کی شان نزول خاص ہوتی ہے اور حکم عام ہوتا ہے۔ سب کے لیے ہوتا ہے اور ہر وقت کے لیے ہوتا ہے اور یہاں تو لفظ بھی عام ہے پھر اس آیت گرامی میں تو ائمہ تفسیر کی تشریحات نے ہمارے لیے تائید مزید پیدا کر دی ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آیت میں مذکور لفظ دعا کے تین معانی لغت میں آتے ہیں حکم، دعا، پکارنا۔ آیت مذکور میں لفظ دعا سے اس کے تین معنی میں سے کوئی

marfat.com

ایک معنی مراد لیے جاتے، لیکن آئمہ تفسیر نے تینوں ہی معانی مراد لیے کہ اس آیت میں دعا اپنے پہلے معنی میں بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور دوسرے اور تیسرے معانی میں بھی اور سبھی صحیح اور درست اور آئمہ تفسیر سے مروی و منقول ہیں، جیسا کہ تفسیر کبیر کی عبارت منقولہ سے ظاہر ہے۔

پس اگر ایک لفظ اپنے چند معانی میں عام ہو سکتا ہے تو ایک ہی معنی کی چند کیفیات اور متعدد حالتیں مراد لینا کیوں جائز نہ ہو گا؟ مثلاً آیات مذکورہ بالا کے تین معانی میں سے ایک معنی پکارنا ہے اور حکم قرآن یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ندا دینا ہو تو ایسے مت پکارو جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو، پس بحکم قرآن ان تمام طریقوں سے رسول اللہ کو پکارنا منع ہوا جو آپس میں خطاب کا طریقہ ہے جب کہ اس طریقہ میں حضور کی کسر شان ہو اور ان تمام طریقوں سے پکارنا جائز ہے جو آپس میں پکارنے کے طریقے نہیں ہیں بشرطیکہ اس میں حضور کی اہانت اور کسر شان کا کوئی پہلو نہ ہو تو آپس میں ہم ایک دوسرے کا نام لے کر پکارتے ہیں، اس طرح پکارنا منع اور لقب محمود کے ساتھ یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا جائز۔ جیسا کہ تمام تفاسیر کے حوالے سے ہم نے ذکر کیا اور ہمارے آپس کی پکار کا ایک طریقہ یہ بھی تو ہے کہ ہم قریب ہی سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں، دور سے نہیں تو اس طرح بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکار سکتے ہیں جب کہ آپ ہم سے دور ہوں اور یہ بھی تو آپسی پکار کا ایک طریقہ ہے کہ ایک دوسرے کو پکارنا زندگی تک ہی محدود رہے تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعد وصال بھی پکارا جا سکتا ہے کہ یہ سب پکارنا آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے کے علاوہ ہے جس کی اجازت قرآن عظیم نے دی ہے۔

ندائے مطلق احادیث کریمہ کی روشنی میں

امام بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

اِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِى الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلْ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔ (مشکوٰۃ، ص ۸۵)

جب تم میں سے کوئی نماز میں قعدہ کرے تو کہے تحیات اللہ کے لیے ہیں، نمازیں اللہ کے لیے اور طیبات بھی، سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو اور سلام ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔

واضح ہو کہ حدیث گرامی بھی عہد صحابہ سے لے کر اختتام دنیا تک ہر قرن اور ہر زمانہ کے لیے مسلمانوں کو ایک عام حکم ہے کہ خاص نماز میں تمام دنیا کے کسی گوشہ سے بھی رات و دن میں پانچ مرتبہ اپنے پیغمبر اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکاریں "اے نبی" اور ان پر سلام عرض کریں، پس جب عین عبادت الٰہی اور نماز پنج گانہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنا اور سلام کرنا شرک نہیں ہوا تو نماز سے باہر تو بدرجہ اولیٰ شرک نہ ہو گا اور شرعاً محمود و مستحسن ہو گا۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں بھی بعض حضرات کو یہ وسوسہ لاحق ہوتا ہے کہ نماز کے قعدہ میں مسلمان رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اے نبی کہہ کر خود خطاب نہیں کرتا، بلکہ اس مخاطبہ کی نقل اور حکایت کرتا ہے جو معراج میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے پروردگار میں ہوا تھا۔ اس لیے ہم ائمہ اعلام اور اساطین اسلام کی تشریحات سے اس امر کو ثابت کرتے ہیں کہ نماز کا یہ

marfat.com

خطاب صرف حکایت اور نقل ہی نہیں ہے' خاص نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کو یہ سمجھ کر خطاب کرتا ہے کہ وہ سن رہے ہیں اور جواب دیں گے چنانچہ درمختار اور فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب ہے اس میں تحریر ہے:

يَقْصُدُ بِالْفَاظِ التَّشَهُّدِ مُعَانِيهَا مُرَادُهُ لَهُ عَلٰى وَجْهِ الْاِنْشَاءِ كَاَنَّهُ يُحَيِّ اللّٰهُ وَيُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّهٖ وَعَلٰى نَفْسِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ۔

الفاظ تشہد سے اس کے معنی مراد لے یعنی وہ خود رب العالمین کو تحیۃ بھیج رہا ہے اور اپنے پیغمبر کو سلام کر رہا ہے اور مسلمان اور اولیاء کرام کو بھی۔

(درمختار' جلد اول' ص ۳۵)

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وبعضے از عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذوائر موجودات و افراد ممکنات' پس آنحضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است' پس مصلی را باید کہ ازایں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نہ بود تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد۔ (اشعتہ اللمعات جلد اول' ص ۳۱۶)

کچھ عرفاء کہتے ہیں کہ یہ خطاب اس وجہ سے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے ذروں اور ممکنات کے افراد میں ساری ہے۔ پس آنحضرت مصلیوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں تو مصلیوں کو چاہیے کہ اس معنی سے غافل نہ رہیں اور قرب کے انوار اور معرفت کے بھید سے روشن اور کامیاب ہوں۔

حجتہ الاسلام حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

وَاَحْضِرْ فِيْ قَلْبِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَخْصَهُ الْكَرِيْمَ وَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ وَيُصَدِّقُ اَمَلَكَ فِيْ اَنَّهُ يُبَلِّغُهُ وَيَرُدُّ مَا هُوَ دَنٰى مِنْهُ۔

اپنے دل میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر کرو اور کہو کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو اور یہ سچی امید رکھے کہ سلام حضور تک پہنچ رہا ہے اور وہ مناسب جواب دے رہے ہیں۔

(احیاء العلوم' جلد اول' ص ۱۰۷)

عہد رسالت میں قریب سے ندائے یارسول اللہ

اس امر کے ثبوت کے لیے یہ بتا دینا کافی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طرز خطاب ہی یہی تھا۔ کبھی کچھ عرض کرنا ہو تو یارسول اللہ' کچھ طلب کرنا ہو تو یارسول اللہ' کسی بات کا جواب دینا ہو تو یارسول اللہ' سلام کرنا ہو تو یارسول اللہ الغرض! صحابہ کرام نے آیت شریف "لَا تَجْعَلُوْا الْاٰيَة" کے حکم کو اپنا حرز جان بنا لیا تھا اور عام طور سے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی طرح خطاب کرتے تھے۔

ہم نے اس نقطہ نظر سے بخاری شریف کا ایک سرسری جائزہ لیا تو صرف دو پاروں میں چون بار آپ کا نام نامی اسی ادب و احترام سے خطاب یارسول اللہ کے ساتھ مذکور ہوا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ صرف ایک کتاب بخاری میں لگ بھگ آٹھ سو مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لفظ "یا" کے ساتھ مخاطب کیا گیا اور ندا دی گئی' اسی سے دیگر کتاب احادیث اور صحابہ کرام کے ایک عام طرز عمل کا اندازہ ہو سکتا ہے' بلکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ انسان ہی نہیں شجر و حجر' خشک و تر کا بھی انداز خطاب یہی تھا۔

عَنْ بَرَّةَ بِنْتِ اَبِيْ تَجْرَاةٍ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

برہ بنت ابی تجراہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

marfat.com

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ اَرَادَ اللّٰهُ كَرَامَتَهٗ وَابْتِدَاءِ بِالنُّبُوَّةِ كَانَ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهٖ اَبْعَدَ حَتّٰى لَا يُرٰى بَيْتًا وَيَقْفِىْ الشِّعَابَ وَبُطُوْنَ الْاَوْدِيَةِ فَلَا يَمُرُّ بِحَجَرٍ وَلَا شَجَرٍ اِلَّا قَالَتْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَانَ يَلْتَفِتُ مِنْ يَمِيْنِهٖ وَشِمَالِهٖ وَخَلْفِهٖ فَلَا يُرٰى اَحَدٌ۔

(مستدرک لحاکم' جلد ۴' ص ۷۰)

علیہ وسلم کو ان کے پروردگار نے جب نبوۃ سے سرفراز فرمانا چاہا اور نبوت کی ابتداء ہوئی تو آپ ضروریات کے لیے آبادی سے دور چلے جاتے اور گھاٹیوں اور وادیوں سے گزرتے تو کسی درخت اور پتھر کے پاس سے گزرتے تو وہ کہتا سلام ہو آپ پر یارسول اللہ! آپ آگے پیچھے دائیں دیکھتے تو کسی کو نہ پاتے۔

عہد رسالت میں دور سے صدائے یارسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام

یہ حدیث شریف امام نسائی' امام ترمذی' ابن ماجہ نے تخریج کی اور امام بیہقی اور حاکم نے روایت کی اور اس کی تصحیح اس طرح دو اماموں نے اس حدیث کو صحیح کہا اور صحاح ستہ میں سے تین کتابوں میں یہ حدیث مذکور ہے:

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ اَنَّ اَعْمٰى قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَكْشِفَ لِيْ عَنْ بَصَرِيْ قَالَ فَانْطَلِقْ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ صَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَامُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّهٖ اَنْ يَكْشِفَ عَنْ بَصَرِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ قَالَ فَرَجَعَ وَقَدْ كَشَفَ اللّٰهُ عَنْ بَصَرِهٖ۔

(شفائے قاضی عیاض' جلد ۱' ص ۲۷۳)

عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اندھے نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یارسول اللہ! آپ اللہ پاک سے دعا کیجئے کہ وہ میری آنکھ کھول دے۔ آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کرو' دو رکعت نماز پڑھو' پھر یہ دعا مانگو' اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں تیرے نبی رحمت کے وسیلہ سے توجہ کرتا ہوں' اے محمد! میں آپ کو آپ کے رب کی بارگاہ میں وسیلہ سے لاتا ہوں کہ میری آنکھ کھل جائے یا اللہ! ان کی سفارش میرے بارے میں قبول فرمالے' تو وہ اس حال میں لوٹا کہ اس کی آنکھ روشن ہوگئی۔

ابن ماجہ نے اپنی سنن کے باب الصلوۃ الحاجتہ میں یہ حدیث ذکر کرکے یہ تحریر کیا: قَالَ اِسْحَاقُ هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ' ابواسحاق کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے' اس کی سند میں امام ابوالحسن محمد بن الہادی حنفی ہے۔

فِيْهِ جَوَازُ النِّدَاءِ بِاِسْمِهٖ فِيْ مَقَامِ التَّشَفُّعِ بِهٖ لِاَنَّ الْمَقَامَ يُؤَدِّيْ بِهٖ مِنَ التَّعْظِيْمِ مَا يُؤَدِّيْ ذِكْرَهٗ بِالْقَلْبِ وَفِيْهِ اِحْضَارُهٗ فِيْ اِثْنَاءِ الدُّعَاءِ وَالْخِطَابِ مَعَهٗ فِيْهِ جَائِزٌ كَاِحْضَارِهٖ فِيْ اَثْنَاءِ الصَّلٰوةِ وَالْخِطَابِ فِيْهِ۔

(ابن ماجہ' جلد اول' ص ۴۱۹)

حدیث مذکور میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے ندا جائز ہے جب کہ حضور سے سفارش کا مقام ہو کیونکہ اس طرح مقام حضور کو تعظیم کے اس مرتبہ پر پہنچادے گا جس پر قلب سے ذکر کرنے پر پہنچادے گا۔ اس طرح دعا اور حضور سے خطاب کے درمیان حضور کو حاضر کرنے کا جواز معلوم ہوا۔ جس طرح نماز کے درمیان سے خطاب میں حاضر کرنا جائز ہے۔

اس حدیث عظیم وجلیل صحیح ورجیح کا سیاق وسباق اور اس کے متعدد الفاظ مثلاً "اِنْطَلِقْ جَاءَ" اور "ثُمَّ رَجَعَ" پکار

marfat.com

پکار کر اعلان کر رہے ہیں کہ یہ دعا دور سے پڑھ کر اپنی حاجت روائی کی درخواست کی گئی۔ نماز پڑھ کر حضور کے پاس آکر "یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ" نہیں کہا گیا اور عہد صحابہ سے اب تک علماء اس حدیث کا یہی مطلب سمجھتے رہے جیسا کہ صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف سے اس کے بعد تشریح نقل کی جا رہی ہے کہ نہ صرف عالم غیب میں بلکہ حضور کے وصال کے بعد بھی انہوں نے ایک شخص کو "یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ" پڑھنے کی تلقین کی۔

بعد وصال قبر انور کے پاس سے خطاب

اَبُوْحَنِیْفَۃَ عَنْ نَّافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مِنَ السُّنَّۃِ اَنْ تَاْتِیَ قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَۃِ یَجْعَلُ ظَھْرَکَ اِلَی الْقِبْلَۃِ وَاسْتَقْبَلَ الْقَبْرَ بِوَجْھِکَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ (مسند امام اعظم، ص ۱۰۳)

حضرت ابو حنیفہ نافع اور وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر قبلہ کی طرف سے آئے۔ پیٹھ قبلہ کی طرف کرلے اور رخ قبر انور کی طرف، پھر کہے سلام ہو آپ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اس کی برکت۔

ثُمَّ یَقُوْلُ فِیْ مَوْقِفِہٖ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاخَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاخِیْرَۃَ اللّٰہِ مِنْ جَمِیْعِ خَلْقِہٖ ثُمَّ یَسْاَلُ النَّبِیَّ شَفَاعَۃً فَیَقُوْلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْئَلُکَ الشَّفَاعَۃَ۔

(فتح القدیر، جلد اول، ص ۶۰۴)

مواجہہ اقدس میں کھڑے ہو کر کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا خَیْرَ خَلْقِ اللّٰہِ، سلام ہو آپ پر اے سب مخلوق سے اچھے اور منتخب، پھر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شفاعت طلب کر کے کہے یا رسول اللہ! میں آپ کی شفاعت کا خواستگار ہوں۔

ثُمَّ یَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّۃَ۔ (قاضی خان، جلد اول، ص ۱۴۸)

پھر کہے سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اس کی رحمت و برکت، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے رسالت پہنچائی، امانت ادا کی اور امت کی خیر خواہی کی۔

وَیَقِفُ کَمَا یَقِفُ فِی الصَّلٰوۃِ وَتَمْثِیْلُ صُوْرَتِہِ الْکَرِیْمِ الْبَھِیَّۃِ کَاَنَّہٗ نَائِمٌ فِیْ لَحْدِہٖ عَالِمٌ بِہٖ وَیَسْمَعُ کَلَامَہٗ ثُمَّ یَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَانَبِیَّ اللّٰہِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَۃَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّۃَ۔

(عالمگیری جلد اول، ص ۱۳۶)

اور اس طرح کھڑا ہو جس طرح نماز میں کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کی صورت پاک کا تصور جمائے، گویا کہ حضور قبر میں لیٹے ہوئے اس کا کلام سن رہے ہیں، پھر کہے سلام ہو آپ پر اے اللہ کے رسول اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے رسالت کا حق ادا کیا اور امانت پہنچائی اور امت کی خیر خواہی کی۔

ثُمَّ تَنْھَضُ مُتَوَجِّھًا اِلٰی قَبْرِ الشَّرِیْفِ

پھر قبلہ کی طرف پشت اور قبر انور کی طرف رخ کر کے

marfat.com

مُسۡتَدۡبِرَ الۡقِبۡلَةِ مُحَاذِيًا لِرَاۡسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَجۡهَهُ الۡاَكۡرَمُ وَالۡاَحۡظَّانَظَرَهُ السَّعِيۡدَ اِلَيۡكَ وَسَمَاعَهُ كَلَامَكَ وَرَدَّهُ عَلَيۡكَ سَلَامَكَ وَتَاۡمِيۡنَهُ عَلٰى دُعَائِكَ وَتَقُوۡلُ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَاسَيِّدِيۡ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَاحَبِيۡبَ اللّٰهِ... الخ

(مراقی الفلاح، ص ۴۴۸)

حضور کے سر مبارک کے مقابل کھڑا ہو کہ ان کی نگاہ تجھ پر پڑ رہی ہے۔ وہ تیرا کلام سن رہے ہیں اور تیری دعا پر آمین کہہ رہے ہیں اور زائر تو یوں کہے کہ سلام ہو آپ پر اے میرے سردار! یا رسول اللہ سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اس کے حبیب۔

وَاَنۡ يَّاۡتِيَ قَبۡرَ الۡكَرِيۡمِ فَيُسَلِّمُ وَيَدۡعُوۡ وَيَسۡاَلُ لَهٗ اَنۡ يُّوۡصِلَهٗ اِلٰى اَهۡلِهٖ سَالِمًا وَّيَقُوۡلُ غَيۡرَ مُوۡدِعٍ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ وَيَجۡتَهِدُ فِيۡ خُرُوۡجِ الدَّمۡعِ فَاِنَّهٗ اِمَارَاتُ الۡقُبُوۡلِ۔ (شامی، جلد ۲، ص ۲۶۴)

حضور کی قبر انور پر آکر سلام کرے دعا کرے اور اللہ سے یہ التجا کرے کہ اپنے گھر والوں میں صحیح و سالم واپس ہو اور کہے یا رسول اللہ اور اس بات کی کوشش کرے کہ کچھ آنسو نکل پڑیں کہ یہ دعا کی قبولیت کی علامت ہے۔

"یقین داند کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از حضور وے و قیام او در زیارت حاضر و آگاہ است و بصورت معتدل بہ صفت حیاء و وقار سلام گوید اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ آخر عبارت کہ در مسائل زیارت نوشتہ است"۔ (جذب القلوب، ص ۱۶۸)

"اور اس بات کا یقین رکھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زائر کی زیارت اور زیارت کے لیے اس کے کھڑے ہونے سے آگاہ ہیں اور نرم آواز میں حیاء اور وقار کے ساتھ سلام کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ! اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَانَبِيَّ اللّٰهِ! سلام کے آخری صیغہ تک جو زیارت کی کتابوں میں تحریر ہے"۔

وَيَقُوۡلُ اَلسَّلَامُ عَلَيۡكَ يَارَسُوۡلَ اللّٰهِ۔

اور السلام علیک یا رسول اللہ کہے۔

(احیاء العلوم للغزالی، جلد اول، ص ۱۶۸)

آثار صحابہ، نصوص فقہیہ اور اعیان اسلام کی یہ عبارتیں نموناً ذکر کی گئی ہیں جن کی بالاتفاق یہی حکم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر غایت خشوع و حضور اطمینان و سکینہ کے ساتھ "یارسول اللہ، یانبی اللہ" یاخیر خلق اللہ کہہ کر ندا کرے، سلام عرض کرے۔ پھر کوئی کہتا ہے یہ سمجھو گویا سرکار لیٹے ہوئے تمہارا سلام سن رہے ہیں، کوئی کہہ رہا ہے بس تو انہیں کی طرف متوجہ رہ اور ان کی نگاہ کو اپنی طرف متوجہ دیکھ۔

کوئی کہتا ہے تو یہ دیکھ کہ تیرا سلام سن رہے ہیں۔ جواب دے رہے ہیں، تیری دعا پر آمین کہہ رہے ہیں۔ کوئی کہہ رہا ہے تو یقین کر و کہ وہ تیری زیارت، تیرے حضور، تیرے قیام سے آگاہ ہیں۔ عبارتیں مختلف ہیں منشاء سب کا ایک ہے کہ حضور سید الرسل، رسول رب العالمین کے قبر انور پر حاضر ہو کر "یانبی سلام علیک" کہنے والے سے باخبر ہیں اور حاضری بارگاہ عزت پناہ کا یہ طریقہ ندا و خطاب ہی طریق مسلوکہ فی الدین ہے۔

marfat.com

بعد وصال دور سے خطاب

اس حدیث کو طبرانی اور ابو نعیم ابن مندہ اور ابن ابی الدنیا نے کتاب من عاش بعد موت میں ذکر کیا ہے اور شرح شفائے ملاعلی قاری جلد اول ص ۶۴۹ اور شرح شفائے ملاعلی قاری جلد اول ۶۴۹ کے الفاظ یہ ہیں:

وَذَكَرَ عَنْ نُعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَارِجَةَ خَرَّمَيِّتًا فِيْ اَزِقَّةِ الْمَدِيْنَةِ فَرُفِعَ وَسُجِّيَ اِذْ سَمِعُوْهُ بَيْنَ الْعِشَائَيْنِ وَالنِّسَاءَ يَصْرُخْنَ حَوْلَهٗ يَقُوْلُ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا فَحَسَرَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ وَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَكَانَ ذَالِكَ فِيْ كِتَابٍ اَوَّلَ ثُمَّ قَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ثُمَّ عَادَ مَيِّتًا۔

(شفاء، جلد اول، ص ۲۷۱)

حضرت نعمان بن بشیر سے روایت کرتے ہیں کہ زید بن خارجہ یک بیک مدینہ شریف کی کسی گلی میں گرے اور روح پرواز کر گئی، اٹھا کر گھر لائے گئے اور کپڑے سے ڈھک دیئے گئے مغرب اور عشاء کے درمیان اس حالت میں کہ عورتیں ان کے اردگرد رو رہی تھیں سنا گیا کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ چپ رہو، چپ رہو، پھر چادر الٹ دی اور بولے! محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول نبی، امی خاتم النبین ہیں۔ یہ پہلی کتاب میں مذکور ہے، پھر بولے! سچ کہا، سچ کہا، پھر ابوبکر، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کیا پھر کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، پھر وہ مردہ ہو گئے۔

ملاعلی قاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب شرح شفاء میں اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے:

اِعْلَمْ اَنَّ صَاحِبَ الْاِسْتِيْعَابِ ذَكَرَ فِيْ زَيْدِ بْنِ خَارِجَةَ اَنَّهٗ هُوَالَّذِيْ تَكَلَّمَ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يَخْتَلِفُوْنَ فِيْ ذَالِكَ قَالَ الذَّهَبِيُّ هُوَالصَّحِيْحُ۔ (شرح شفائے اول، ص ۶۵۰)

صاحب استیعاب نے زید بن خارجہ کے بارے میں فرمایا کہ موت کے بعد کلام کرنے والے یہی ہیں اس میں اختلاف نہیں اور امام ذہبی نے فرمایا یہ صحیح ہے۔

اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَخْتَلِفُ اِلٰى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ فِيْ حَاجَةٍ لَّهٗ وَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ اِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِيْ حَاجَةٍ فَلَقِيَ عُثْمَانُ بْنُ حَنِيْفٍ فَشَكٰى ذَالِكَ اِلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ عُثْمَانُ بْنُ حَنِيْفٍ اِيْتِ الْمِيْضَاةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ اِيْتِ السَّجْدَةَ فَصَلِّ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَامُحَمَّدُ اِنِّيْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّيْ فَيَقْضِيْ حَاجَتِيْ وَتُذَكِّرُ حَاجَتَكَ ۔ معجم اللطبرانی۔ (بحوالہ انوار الانتباہ، ص ۳۳)

ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں کسی ضرورت سے بار بار حاضر ہوتا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مل کر یہ ماجرا بیان کیا تو آپ نے اس سے کہا کہ وضو کے بعد یہ دعا مانگو اے اللہ تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جناب میں اپنے نبی محمد نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے رجوع کرتا ہوں۔ یا محمد میں آپ کے ذریعہ اپنے رب کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں پس میری یہ حاجت پوری کی جائے اور اپنی ضرورت کا ذکر کر دینا۔

اس کے بعد حدیث کی پوری تفصیل ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عمل کے بعد اس شخص کے ساتھ

marfat.com

بڑی مہربانی سے پیش آئے' اس کی ضرورت پوری کی' اس آدمی نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دوبارہ ملاقات کی اور شکریہ ادا کیا کہ آپ نے میری سفارش حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردی جس کے نتیجہ میں وہ پوری توجہ سے ملے اور حاجت براری فرمائی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا: میں نے سفارش تو نہیں کی مگر میں نے دیکھا کہ حضور ایک نابینا کو یہ دعا بتا رہے تھے تو میں نے تم کو یہ دعا بتا دی اور مولا تعالیٰ نے اس کی برکت سے تمہارا یہ کام پورا کر دیا۔ امام طبرانی اور امام منذری فرماتے ہیں والحدیث صحیح۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد وصال دور سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پکارنے کا جواز اسی حدیث سے فراہم کیا جبھی تو ایک ضرورت مند کو اسی حدیث کے حوالے سے یہ دعا تلقین فرمائی۔

حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قنسرین کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ راستہ میں دشمنوں کے پانچ ہزار لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ابھی مسلمان اس پر غلبہ بھی نہ پا سکے تھے کہ تازہ دم پانچ ہزار دشمنوں کا دستہ کمک بن کر پہنچ گیا اور مسلمان بڑی مصیبت میں پھنس گئے' اس وقت نہایت بے قراری میں حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پکارا:

یَامُحَمَّدَاہُ' یَامُحَمَّدَاہُ یَانَصرَاللّٰہِ اَنزِل یَامَعشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اَثْبِتُوا اِنَّمَا هِیَ السَّاعَةُ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ (فتوح الشام' ص ۲۹۸)

یارسول اللہ! یارسول اللہ! اے اللہ! کی مدد اتر آ' اے مسلمانوں! کے گروہ ثابت قدم رہو۔ یہ سختی کوئی دم بھر کی ہے--- پھر تمہیں غالب ہو گے۔

خیال فرمائیے کہاں شام اور کہاں مدینہ منورہ کی قبر انور مگر ایک صحابی رسول ہے کہ موت کے قدموں کی دھمک محسوس کرکے' مصیبتوں کی آندھیوں کے بیچ اپنے آقا اپنے حبیب' اپنے فریاد رس اور اپنے رحمتہ اللعالمین کو پکار رہا ہے۔ سچ کہا ہے امام بوصیری نے:

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوٰکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے ساری مخلوق سے افضل! میں کس کی پناہ لوں سوائے آپ کے مصائب کی گھنگھور گھٹاؤں میں کون ہے

قَالَ اَهْلُ بَیْتٍ مِّنْ مُّزَیْنَةَ لِصَاحِبِهِمْ وَهُوَ بِلَالُ بْنُ حَارِثِ الْمُزَنِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَدْ هَلَکْنَا فَاذْبَحْ لَنَا شَاةً قَالَ لَیْسَ فِیْهِنَّ شَیْءٌ فَلَمْ یَزَالُوْا بِهٖ حَتّٰی ذَبَحَ فَسَلَخَ مِنْ عَظْمٍ اَحْمَرَ فَنَادٰی یَامُحَمَّدَاہُ فَاُدٰی فِی الْمَنَامِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ فَقَالَ اَبْشِرْ بِالْحَیَاتِ۔ (کامل لابن اثیر' جلد ۲' ص ۲۶۴)

قبیلہ مزینہ کے گھرانے والوں نے اپنے سربراہ سے کہا۔ قحط کی شدت سے ہم لوگ تباہ ہوگئے۔ آپ ہمارے لیے ایک بکری ذبح کیجئے۔ سربراہ جو بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے' کہنے لگے بکریوں میں کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ ان لوگوں نے ضد کی تو آپ نے ایک بکری ذبح کی' کھال اتاری تو سرخ رنگ کی ہڈی نظر آئی یہ منظر دیکھ کر آپ چیخ اٹھے یامحمداہ! خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے' فرمایا: خوشخبری ہو فراخ سالی آرہی ہے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے "الادب المفرد" میں روایت کیا ہے۔ امام ابن سنی اور امام بشکوان نے بھی روایت کیا۔

رُوِیَ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ خَدِرَتْ رِجْلُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ اُذْکُرْ اَحَبَّ الرَّجُلِ اِلَیْکَ فَصَاحَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پاؤں سو گیا' کسی نے آپ سے کہا' آپ کو جو سب سے پیارا ہو اس کو یاد

marfat.com

یَامُحَمَّدَاہُ فَانْشَرَتْ۔ (شفاء، جلد ۲، ص ۴۰) کرو۔ آپ نے چیخ کر صدا لگائی یا محمداہ! تو پاؤں کھل گیا۔

سبحان اللہ! مشورہ تو یاد کرنے کا دیا گیا لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چیخ پڑے۔ نعرہ یا محمد لگا یا کیوں نہ ہو۔

یا محمد پکارا جو منجدھار میں خود ہی موجوں نے ساحل پہ پہنچا دیا
جو سمجھتا نہیں ان کو مختار کل وہ اگر ڈوب جائے تو میں کیا کروں

مذکورہ بالا عنوان بعد وصال دور سے خطاب کے تحت ذکر کیے گئے آثار میں پہلا اور دوسرا واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک کا ہے اور تیسرا اور چوتھا بلکہ پانچواں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ اقدس کا ہے۔ پھر پہلا واقعہ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کا ہے۔ دوسرا بھی ظاہر یہی ہے کہ قبر انور سے دور اور مواجہہ اقدس سے الگ تھلگ ہی کا ہے اور تیسرا واقعہ تو حجاز مقدس سے منزلوں دور حدود شام کا ہے۔ چوتھا واقعہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلہ کا ہے۔ الغرض! یہ سب واقعات بعد وصال اور مزار پر انور سے دور بلکہ دور دراز سے خطاب و ندا کے ہیں جو نمونۃً ذکر کیے گئے، تحقیق و تلاش کے بعد اور بہت سی شہادتیں فراہم ہو سکتی ہیں۔

پس کیا اب بھی کسی کو ندائے یا رسول اللہ! میں شبہ ہو سکتا ہے؟ کیا اس کے بعد بھی کوئی اس کو شرک کہنے کی جرات کر سکتا ہے؟ ہاں! یہ اور بات ہے کہ کوئی عبداللہ بن عمر، بلال بن حارث، کعب بن ضمرہ وغیرہ صحابہ کرام کو مشرک کہنے کا حوصلہ رکھے۔

نداء یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تاریخی پس منظر

یہاں تک ہم نے جو عرض کیا ہے اس کے پہلے ٹکڑے میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ مسئلہ ندائے یا رسول اللہ عقل و شعور کے خلاف نہیں۔ مشاہدات و تجربات کی روشنی میں سارے انسانوں کا عمل یہ فیصلہ دیتا ہے کہ خطاب و نداء کا دارومدار حاضر و غائب پر نہیں، مطلع ہونے اور آگاہی پا جانے پر ہے اور چونکہ احادیث و آثار کی شہادتیں یہ بتاتی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احوال امت پر مطلع ہیں، اس لیے انہیں پورے خطہ ارضی میں کہیں سے بھی پکارنے میں عقلاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

دوسرے ٹکڑے میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ مجوزین کے پاس صرف عقلی دلائل اور قیاسی مفروضے ہی نہیں ہیں، بلکہ جس بناء پر وہ صدائے یا رسول اللہ بلند کرتے ہیں بلکہ خاص نقلی شواہد کی روشنی میں بھی یہ مسئلہ قرآن و حدیث آثار و عمل صحابہ کی گرانقدر شہادتوں سے پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ ایک آدمی عقل سے بالکل آنکھیں بند بھی کر لے تو نقلی دلائل کی روشنی میں خاص لفظ یا رسول اللہ کے ساتھ ندا کا ثبوت اپنی تمام تفصیلات حاضر و غائب اور دور و نزدیک کے ساتھ ثابت اور واضح۔ پس یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ یہ کہا جائے کہ غیر خدا کے لیے لفظ "یا" کا استعمال ہی شرک ہے۔

اب مذکورہ بالا عنوان کے تحت ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ دلائل عقل و نقل سے قطع نظر اس مسئلہ کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے۔ چودہ سو سال کی اس طویل مدت میں امت مسلمہ کے معاشرے میں ندائے یا رسول اللہ کی جڑیں اتنی دور تک پھیلی ہوئی ہیں کہ اسلام و مسلمانوں کو اس سے الگ کرنے کی ہر کوشش سے پہلے اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں تبدیلی کرنی ہوگی اور رہنمایان اسلام کی فہرست کو ازسرنو ترتیب دینا ہوگا کیونکہ علماء و صلحاء آئمہ و مجتہدین، صحابہ و تابعین، مفتی و قاضی، خواص و عوام، شعراء و خطباء، الغرض! طبقات اسلامی میں سے کون سا طبقہ ہے جو اس ندائے دلنواز سے خالی ہے۔

marfat.com

پھر یہی نہیں کہ صرف شاعرانہ ذوق اور عشق و محبت کے غلبہ شوق میں لوگوں نے یہ نعرے لگائے ہوں اور درد و فراق میں ڈوب کر یہ عاشقانہ خطاب کیا ہو' صاف صاف استغاثہ و امداد بھی ہے اور ندائے فریاد بھی۔ حد تو یہ ہے کہ اوراد و وظائف میں بھی یہ خطاب و ندا موجود ہے۔ تفصیلات ملاحظہ ہوں:

صَحَّ اِنَّ ابْنَ عُمَرَ کَانَ اِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ اَتٰی قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ یَااَبَابَکْرٍ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَبَتَاہُ۔

(خلاصتہ الوفا' ص ۴۷' شفاء جلد ۲' ص ۷۶)

یہ بات درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی سفر سے آتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر حاضر ہو کر کہتے' سلام ہو آپ پر یارسول اللہ سلام ہو آپ پر یا ابابکر سلام ہو آپ پر اے میرے باپ۔

وصال کے بعد ایک اعرابی نے مزار انور پر کھڑے ہو کر عرض کیا

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ فِی الْقَاعِ اَعْظُمُہٗ
فَطَابَ مِنْ طِیْبِہِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ
فِیْہِ الْعَفَافُ وَفِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

(خلاصتہ الوفا' ص ۸۵' شفاء المقام' ص ۶۴)

اے ان سب کے افضل جنہیں زمین میں دفن کیا گیا اور جن کی خوشبو سے برابر زمین اور ٹیلے سب خوشبودار ہو گئے میری جان اس قبر پر جس میں آپ ساکن ہیں' اس میں پاک دامنی ہے' اس میں بخشش ہے' اسی میں کرم ہے۔

آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ آپ کے درد و فراق میں کہتی ہیں

اَلَایَارَسُوْلَ اللّٰہِ کُنْتَ رَجَاءَنَا وَکُنْتَ بِنَابَرًا
وَلَمْ تَکُ جَافِیًا فَلَوْ اَنَّ رَبَّ النَّاسِ اَبْقٰی
مُحَمَّدًا اسرونا وَلٰکِنْ اَمْرَہٗ کَانَ مَاضِیًا۔

(بحوالہ انوار ساطعہ' ص ۲۴۱)

یارسول اللہ! آپ ہی ہماری امیدوں کی آماجگاہ تھے اور آپ ہم پر احسان تھے اور ہمارے ساتھ سختی کرنے والے نہ تھے۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو باقی رکھتا ہم خوش ہوتے مگر حکم الٰہی تو ہو چکا تھا۔

دربار رسالت کے سرکاری شاعر حضرت حسان بن ثابت آپ کے فراق میں کہتے ہیں

مَا بَالُ عَیْنِکَ لَا تَنَامُ کَاَنَّمَا کُحِلَتْ مَا
فِیْھَا بِکُحْلِ الْاَرْمَدِ جَزَعًا عَلَی الْمَھْدِیْ
اَصْبَحَ ثَاوِیًا یَاخَیْرَ مَنْ وَطِیَٔ الْحَصٰی لَاتَبْعُدْ
یَوْمًا یَقِیْکَ التُّرْبَ لِحَفِّیْ لَیْتَنِیْ غِبْتُ
قَبْلَکَ فِیْ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ۔

(سیرت ابن ہشام' جلد ۴' ص ۶۶۹)

تیری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے جو سو ہی نہیں پا رہی ہیں۔ اس کے گوشوں میں بے خوابی کا سرمہ لگا دیا گیا ہے۔ یہ گھبرائی ہوئی ہے اس ہادی پر جسے قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔ اے ان سب میں بہترین جو نامانوس راستوں پر چلے جس دن مٹی نے آپ کو اپنے دامن میں محفوظ کیا۔ اے کاش! آپ سے پہلے ہی میں مٹی میں دفن کر دیا گیا ہوتا۔

marfat.com

عہد تابعین میں ندائے یارسول اللہ

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ إِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ أَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ (شفا' جلد ۲' ص ۹۸)

حضرت عبداللہ ابن مسعود کے شاگرد رشید حضرت علقمہ کہتے ہیں۔ میں جب مسجد نبوی شریف میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں سلام ہو آپ پر اے اللہ کے نبی اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ كَانَ النَّاسُ يَقُوْلُوْنَ إِذَا دَخَلُوا الْمَسْجِدَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَلٰئِكَتُهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ (شفا' جلد ۲' ص ۷۸)

جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ لوگ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کہتے اللہ اور اس کے فرشتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں اور اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت و برکت ہو۔

یہ واقعہ تاریخ کی متعدد کتابوں میں ہے۔ یہاں ہم کامل ابن اثیر کے حوالے سے تحریر کر رہے ہیں:

فَاخْتَارُوْا بِهِمْ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ وَأَصْحَابُهُ مَرْعٰى فَصَاحَ النِّسَاءُ وَلَطَمْنَ خُدُوْدَهُنَّ وَصَاحَتْ زَيْنَبُ أُخْتُهُ يَا مُحَمَّدَاهُ صَلّٰى عَلَيْكَ مَلٰئِكَةُ السَّمَاءِ هٰذَا الْحُسَيْنُ بِالْعَرَاءِ مُزَمَّلٌ بِالدِّمَاءِ مُقَطَّعُ الْأَعْضَاءِ وَبَنَاتُكَ سَبَايَا وَذُرِّيَّتُكَ مَقْتَلَةٌ تُسْفٰى عَلَيْهَا الصَّبَاءُ۔ (کامل ابن اثیر' جلد ۴' ص ۴۲)

جب کربلا کے قیدیوں کو لے کر چلے تو حضرت امام عالی مقام اور ان کے شہید ساتھیوں کے لیے بے گور و کفن لاشوں پر ان کا گزر ہوا تو عورتوں کی چیخ نکل گئی اور اضطراب میں منہ پیٹ لیا۔ اس وقت حضرت زینب بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے نانا کو صدا دی یَا مُحَمَّدَاہُ! آپ پر آسمان کے فرشتے درود پڑھیں' یہ حسین ویرانے میں پڑے ہیں' خون میں لتھڑے ہیں۔ اعضاء پارہ پارہ اور آپ کی لڑکیاں قید میں' آپ کی ذریت مقتول پڑی ہیں جس پر ہوا خاک دھول اڑا رہی ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں:

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا
أَرْجُوْ رِضَاكَ وَاحْتَمِيْ بِحِمَاكَ
وَاللّٰهِ يَا خَيْرَ الْخَلْقِ إِنَّ لِيْ
قَلْبًا مَشُوْقًا لَا يَرُوْمُ سِوَاكَ
(بحوالہ فیصلہ حق و باطل ص ۷۴)

اے سید السادات میں آپ کا قصد و ارادہ کر کے آیا ہوں۔
میں آپ کی رضا تلاش کرتا ہوں اور آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔
اللہ کی قسم! اے سب میں اچھے! میرا ہر شوق دل آپ کے سوا
کسی اور کا قصد ہی نہیں کرتا۔

عہد تبع تابعین میں ندائے یارسول اللہ

امام جوزی نے کتاب العیون اور امام سیوطی نے شرح الصدور میں نقل فرمایا ہے:

إِنَّ ثَلٰثَةَ إِخْوَةٍ مِّنَ الشَّامِ كَانُوْا يَغْزُوْنَ

شام کے تین بھائی غزوہ کرتے تھے اور بہادر شہسوار تھے۔

marfat.com

وَكَانُوْا فُرْسَانًا شُجْعَانًا فَاَسَرَهُمُ الرُّوْمُ مَرَّةً فَقَالَ لَهُمُ الْمَلِكُ اِنِّيْ اَجْعَلُ فِيْكُمُ الْمُلْكَ وَاُزَوِّجُكُمْ بَنَاتِيْ وَتَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ النَّصْرَانِيَّةِ فَاَبَوْا وَقَالُوْا يَامُحَمَّدُ فَاَمَرَ الْمَلِكُ بِثَلَاثَةِ قُدُوْرٍ نُصِبَ فِيْهَا الزَّيْتُ ثُمَّ اُوْقِدَ تَحْتَهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ يُعْرَضُوْنَ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ عَلٰى تِلْكَ الْقُدُوْرِ يُدْعَوْنَ اِلَى دِيْنِ النَّصْرَانِيَّةِ فَيَابُوْنَ فَاُلْقِيَ الْاَكْبَرُ فِي الْقِدْرِ ثُمَّ الثَّانِيْ۔ (شرح الصدور، ص۸۹)

رومیوں نے انہیں قید کر لیا۔ بادشاہ نے انہیں لالچ دلائی میں تمہیں جاگیر بھی دوں گا اور اپنی لڑکیوں سے شادی بھی کروں گا شرط یہ ہے کہ عیسائیت قبول کر لو۔ ان لوگوں نے صاف انکار کر دیا اور یا محمداہ کا نعرہ مارا تو بادشاہ نے مایوس ہو کر تین برتنوں میں تیل گرم کرنے کا حکم دیا اور ہر دن ان بھائیوں کو یہ منظر دکھایا جاتا، تیسرے روز بڑے بھائی پھر منجھلے بھائی کو تیل کے کھولتے ہوئے برتن میں ڈال دیا گیا۔

واقعہ کا بقیہ حصہ اس طرح ہے کہ تیسرے کی سفارش ایک درباری نے کی کہ میں اس کو راہ راست پر لاؤں گا۔ اس نے یہ کام اپنی ایک حسین و جمیل ناکتخدا لڑکی کے سپرد کیا مگر وہ نوجوان کی عبادت و ریاضت اور اس لڑکی کی طرف عدم توجہ سے متاثر ہوئی اور مسلمان ہو کر اس کے ساتھ فرار کا منصوبہ بنایا اور دونوں اس میں کامیاب ہو گئے، دو دن چھ مہینہ کے بعد ایک روز عالم بیداری میں وہ دونوں شہید بھائی فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آئے اور اس لڑکی کا نکاح اس چھوٹے بھائی سے کر دیا۔

مجدد مائتہ حاضرہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

یہ واقعہ شہر طرطوس کی آبادی سے پہلے کا ہے۔ "كَمَا ذَكَرَهُ فِي الرِّوَايَةِ نَفْسِهَا" اور طرطوس ایک سرحدی شہر ہے جسے خلیفہ ہارون الرشید نے آباد کیا "كَمَا ذَكَرَهُ السُّيُوطِيُّ فِيْ تَارِيْخِ الْخُلَفَاءِ" ہارون الرشید کا زمانہ تابعین و تبع تابعین کا ہے۔ تو یہ تینوں شہدائے کرام لااقل تبع تابعین سے تھے۔ واللہ الہادی۔ (انوار الانتباہ، ص ۳۷)

اس تاریخی واقعہ سے کئی امر ثابت ہوئے:

(۱) تبع تابعین میں سے تین شہیدوں نے مصیبت کے وقت یا محمداہ کا نعرہ مارا۔

(۲) کم از کم امام جوزی اور امام جلال الدین سیوطی نے اس واقعہ کو ثابت اور برقرار رکھ کر مصیبت کے وقت یا رسول اللہ کے نعرے کے جواز کی تائید کی۔

مولانا روم کے استاذ و پیر مولانا شمس فرماتے ہیں:

عہد مابعد میں ندائے یا رسول اللہ

یا رسول اللہ حبیب خالق یکتا توئی
برگزیدہ ذوالجلال پاک و بے ہمتا توئی

(یا رسول اللہ آپ ہی اپنے خالق کے خاص حبیب ہیں، آپ خدائے پاک اور بے مثل کے برگزیدہ ہیں)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ جمال خود نما رحمے بجان زار و شیدا کن بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما بہ لطف خود سرو ساماں جمع بے سروپا کن"۔ (اخبار الاخیار، ص ۳۲۳)

marfat.com

"یارسول اللہ! آپ کے جمال کی جدائی کے غم میں، میں برباد ہو گیا۔ اپنا جمال دکھایئے اور اس جان زار پر رحم کیجئے یارسول اللہ جس صورت سے بھی ہو کرم فرمایئے اپنی مہربانی سے اس گروہ بے سامان کے اسباب فراہم فرمایئے"۔

عارف باللہ عالم حق آگاہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی فرماتے ہیں:

ز مہجوری برآمد جان عالم و
ترحم یانبی اللہ ترحم
نہ آخر رحمتہ للعالمینی
ز محر و ماں چرا فارغ نشینی
تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے
کنی بر حال لب خشکان نگاہے

"جدائی سے دنیا کی جان نکل گئی، اے اللہ کے نبی! رحم فرمایئے، اے اللہ کے نبی! رحم فرمایئے، آپ تو رحمتہ للعالمین ہیں۔ محروموں سے آپ کیوں فارغ ہو کر بیٹھ گئے۔ آپ رحمت الٰہی کا دل ہیں، یہی بہتر ہے کہ کبھی کبھی خشک لب والوں کے حال پر ایک نگاہ کر ڈالیے"۔

ایونان فارسی کے رکن اعظم، دریائے معرفت کے شناور اور علم ظاہری کے بحرزخار حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

چہ کم گردد اے صد فرخندہ پے
ز قدر رفیعت بدرگاہ حے
کہ باشد مشتے گدایان خیل
بہ مہمان دارالسلام از طفیل
چہ وصف کند سعدی ناتمام
علیک الصلوہ امی نبی والسلام

"خداوند قدوس کی بارگاہ رفیع میں آپ کی جو قدر و منزلت ہے، اس میں سے اے میرے سردار کیا ہو گی (کچھ نہ ہو گی) اگر تھوڑے سے آپ کی جماعت کے بھکاری آپ کے طفیل میں آپ کے مہمان خانہ جنت میں داخل ہو جائیں، آپ کی تعریف سعدی جو ناقص ہے، کیا کر سکتا ہے، پس آپ پر بے شمار درود ہوں اے نبی اور سلام ہو"۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں:

يُنَادِیْ ضَارِعَ فَخُضُوْعُ قَلْبٍ
وَذُلَّ وَالِابْتِهَالَ وَالِالْتِجَاءِ
رَسُوْلُ اللّٰهِ يَا خَيْرَ الْبَرَايَا
نَوَالُكَ اَبْتَغِیْ يَوْمَ الْقَضَاءِ

marfat.com

"ایک مصیبت زدہ فریادی آپ کو دلی فرومائیگی کے ساتھ پکار رہا ہے اور گڑگڑا کر التجا کر رہا ہے' اے اللہ کے رسول! آپ کا انعام اور نوازش قیامت کے دن چاہتا ہوں"۔

بہرکیف! مندرجہ بالا حوالہ جات اور حقائق و معلومات کے اجالے میں بخوبی واضح ہو گیا کہ مسئلہ یا رسول اللہ کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے اور عہد صحابہ سے لے کر اس وقت ہر زمانے اور ہر قرآن میں ندائے یا رسول اللہ کی گونج سنائی دیتی ہے۔ یہاں ہم نے ہر عہد کے صرف چند حوالے ہی بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے واقعات اور حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر قلم زد کیے جا رہے ہیں۔

اب یہ اور بات ہے کہ آج کا نام نہاد مسلمان اور خود ساختہ توحید کا متوالا اسلام کی اس چودہ سو سالہ تاریخ کو ملیامیٹ کرنے کے لیے کمربستہ ہو اور عامتہ المسلمین کو جادۂ حق سے ہٹانے کے لیے نئے فتنے جگائے اور علماء و صلحاء ائمہ و مجتہدین' صحابہ و تابعین' مفتی و قاضی' خواص و عام' خطباء اور مختلف طبقات اسلامی کو مشرک و کافر کہنے کی جرات کرے۔

marfat.com

حضرت علامہ مولانا ارشد القادری (جمشید پور)

عقیدۂ آخرت

توحید کے بعد دوسری صفت جو ہر زمانے میں تمام انبیاء علیہم السلام پر منکشف کی گئی اور جس کی تعلیم دینے پر وہ مامور کیے گئے وہ آخرت پر یقین رکھنا تھا کیونکہ دین کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہمارا رب صرف اللہ ہے جس کی عبادت کی جانی چاہیے اور دوسرا بنیادی اصول آخرت پر یقین رکھنا ہے جسے سورۃ البقرہ: ۲ کی پہلی ہی آیت میں علی الترتیب اس طرح فرمایا گیا ہے کہ:

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ۔ وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں۔

وَبِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ۔ اور آخرت پر یقین رکھیں۔

ایسے ہی لوگوں کو انہی آیات میں "مُتَّقِیۡنَ" (ڈر والے) کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ اور بلند مرتبہ کتاب (قرآن) ایسے ڈر والوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی گئی ہے۔

خدائے تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ نبیوں کو اگر کلمہ حق بلند کرنے کے لیے منتخب کیا تو منتخب کیے جانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ "اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَالۡاَبۡصَارِ" (قدرت اور علم والے) تھے بلکہ جیسا خود خدائے تعالیٰ سورہ ص ۳۸ کے رکوع ۴ میں فرماتا ہے کہ ان چیدہ بندوں کو منتخب کیے جانے کی وجہ ان کی یہ خالص صفت تھی کہ وہ "دار آخرت" کو یاد رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی یاد دلاتے تھے۔ ارشاد ہے:

"اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو بیشک ہم نے انہیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا۔ "اِنَّا اَخۡلَصۡنٰھُمۡ بِخَالِصَۃٍ" کہ وہ اس گھر کی یاد ہے "ذِکۡرَی الدَّارِ"۔

جب کوئی اللہ اور اس کی قدرت اور حکمت پر ایمان لے آتا ہے تو وہ ایسا سہارا تھام لیتا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور وہ نتیجتاً فلاح کا حقدار بن کر اس چیز کو پالیتا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔ یعنی آخرت کی کامیابی۔ دین میں عقیدہ آخرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا گیا ہے:

"اس (اللہ) کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام بھلا"۔ (سورۃ الکھف: ۱۸، رکوع ۵)

دین اسلام میں عقیدہ آخرت کی اسی اہمیت کی وجہ سے روز جزا کو برحق ماننا ایک مومن کی صفات میں دیگر صفات کے ساتھ لازمی سی چیز قرار دی گئی ہے، چنانچہ ایک موقعہ پر ان کی اس صفت کو اس طرح فرمایا گیا ہے۔

"اور وہ جو انصاف کا دن سچ جانتے ہیں۔ وَالَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈراتے ہیں"۔ (سورۃ المعارج: ۷۰، رکوع ۱)

marfat.com

آخرت کے انکار کے بعد خدا کو ماننا دین میں کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ آخرت کو مستبعد سمجھنا صرف آخرت ہی کا انکار نہیں بلکہ خدا کی قدرت اور حکمت کا بھی انکار ہے۔ کم ظرف لوگ جنہیں دنیا میں کچھ شان و شوکت حاصل ہو جاتی ہے ہمیشہ اس غلط فہمی کا شکار رہتے ہیں کہ انہیں اسی دنیا میں جنت نصیب ہو چکی ہے اور اب وہ کون سی جنت ہے جسے حاصل کرنے کی وہ فکر کریں۔ ایسی ہی مثال خدا نے سورۃ الکہف:۱۸ کے رکوع ۵ میں دو مردوں کی دی ہے جن میں ایک کو اس نے انگوروں کے دو باغ دیئے تھے جو کھجوروں سے ڈھانپ دیئے گئے تھے اور ان کے بیچ بیچ میں کھیتی رکھی گئی تھی' دونوں باغوں کے بیچ میں خدا نے نہر بھی بہادی تھی اور وہ پھل بھی خوب دیتے تھے۔ ایک روز یہ شخص اپنے ساتھی سے بولا کہ

"میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں۔ اپنے باغ (جنت) میں گیا اور اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا بولا' مجھے گمان نہیں کہ یہ کبھی فنا ہو۔ اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو' اور اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا بھی (وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ) تو ضرور اس باغ سے بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا"۔

اس کے ساتھی نے اس سے الٹ پھیر کرتے ہوئے جواب دیا:

"کیا تو اس کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا' پھر نتھرے پانی کی بوند سے' پھر تجھے ٹھیک مرد کیا۔ لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں کرتا ہوں' اور کیوں نہ ہو کہ جب تو اپنے باغ میں (جن تک) گیا ہوتا تو کیا ہوتا جو چاہیے اللہ ہمیں کچھ زور نہیں' مگر اللہ کی مدد کا۔ اگر تو مجھے اپنے سے مال و اولاد میں کم دیکھتا ہے تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے اور تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ پٹ پر میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں دھنس جائے تو پھر تو اسے ہرگز تلاش نہ کر سکے گا"۔

خدا نے اسے اس کفر کا بدلہ یہ دیا کہ:

"اور اس کے پھل گھیر لیے گئے تو اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اس لاگت پر جو اس باغ میں خرچ کی تھی' وہ اپنے ٹیٹوں پر گرا ہوا تھا اور کہہ رہا ہے' اے کاش! میں نے اپنے رب کا کسی کو شریک نہ کیا ہوتا اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے اس کی مدد کرتی۔ نہ وہ بدلا لینے کے قابل تھا۔ یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے' اس کا ثواب سب سے بہتر اور اسے ماننے کا انجام سب سے بھلا"۔

اس شخص کے یہ کہنے سے کہ "وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ" ظاہر ہے کہ وہ خدا کے وجود کا قائل تھا مگر آخرت کا قائل نہ تھا' اس لیے اس کے ساتھی نے اسے کفر باللہ کا مجرم قرار دیا۔ ان ساری آیات اور مکالمہ سے دین میں عقیدہ آخرت کی اہمیت کا یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ کفر باللہ محض ہستی باری کے انکار کا نام ہی نہیں ہے بلکہ تکبر اور فخر و غرور اور انکار آخرت بھی اللہ سے کفر ہی ہے جس نے یہ سمجھا کہ میری دولت اور شان و شوکت کسی کا عطیہ نہیں بلکہ میری قوت و قابلیت کا نتیجہ ہے۔ اور میری دولت لازوال ہے' کوئی اس کو مجھ سے چھیننے والا نہیں اور کسی کے سامنے مجھے حساب نہیں دینا' وہ اگر خدا کو مانتا بھی ہے تو محض ایک وجود کی حیثیت سے مانتا ہے۔ اپنے مالک اور آقا اور فرمانروا کی حیثیت سے نہیں مانتا۔ حالانکہ ایمان باللہ اسی حیثیت میں خدا ماننا ہے نہ کہ محض ایک موجود ہستی کی حیثیت سے۔

قیامت کا وقوع عقل اور انصاف کا تقاضا ہے کیونکہ جب خدا نے انسان کو عقل و تمیز اور تصرف کے اختیارات دے رکھے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ان کے اعمال و افعال سے بھی باخبر رہے گا اور یہ دیکھے گا کہ اس کی زمین میں اس نے ان اختیارات کو کیسے

marfat.com

استعمال کیا۔ قیامت برپا کیے بغیر خدا کی حکمت کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اور ایک حکیم سے بعید ہے کہ وہ ان تقاضوں کو پورا نہ کرے۔ اسی لیے فرمایا کہ

"(یہ قیامت اسی لیے برپا کی جائے گی کہ) تاکہ صلہ دے (اللہ) انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے۔ یہ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی"۔ (سورۃ السبا: ۳۴، رکوع ۱)

قیامت برپا کیا جانا صرف عقل ہی کا تقاضا نہیں، بلکہ اخلاق کا تقاضا بھی ہے۔ ہر زمانے میں انسان کے مختلف طریقوں میں اس معاملہ میں اختلافات رہے ہیں اور ہر ایک نے اپنے نظریے کے مطابق ایک اخلاقی فلسفہ اور ایک اخلاقی رویہ اختیار کیا ہے۔ آخر کوئی وقت تو ہونا چاہیے جبکہ ان سب کا اخلاق نتیجہ حاصل یا سزا کی شکل میں ظاہر ہو۔ اس دنیا کا نظام اگر صحیح اور مکمل اخلاقی نتائج کے ظہور کا متحمل نہیں ہے تو ایک دوسری دنیا ہونی چاہیے جہاں یہ نتائج ظاہر ہو سکیں۔

جب منکرین اور کافرین علم حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ طنز اور تمسخر کے طور پر لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جس قیامت کے آنے کی یہ پیغمبر (رسول اللہ) خبر دے رہے ہیں وہ تو آتی ہی نہیں تو خدا نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ

"تم فرماؤ، کیوں نہیں میرے رب کی قسم بے شک ضرور تم پر آئے گی، غیب جاننے والا (علم الغیب) اس سے غائب نہیں۔ ذرہ بھر بھی کوئی چیز آسمانوں میں اور زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر ایک صاف بتانے والی کتاب میں"۔ (سورۃ السبا: ۳۴، رکوع ۱)

پروردگار کی قسم کھاتے ہوئے اس کے لیے "عالم الغیب" کی صفت استعمال کرنے سے خود بخود اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا آنا تو یقینی ہے مگر اس کے آنے کا وقت "عالم الغیب" کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ قیامت کے حقیقی ہونے کو خدا نے نہایت حکیمانہ طریقہ سے یہ کہہ کر جس طرح "آج" کے بعد "کل" کا آنا لابدی ہے اسی لیے خدا نے اس روز آخرت کے لیے انسان کو تیاری کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر جان دیکھے کہ کل کے لیے کیا آگے بھیجا اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے اور ان جیسے نہ ہو جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں، وہی فاسق ہیں۔ دوزخ والے اور جنت والے برابر ہیں۔ جنت والے ہی مراد کو پہنچے"۔

(سورۃ الحشر: ۵۹، رکوع ۳)

"بے شک قیامت آنے والی ہے، قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپاؤں کہ ہر جان اپنی کوشش کے پیچھے چلا۔ پھر تو ہلاک ہو جائے"۔ (سورہ طٰہٰ: ۲۰، رکوع ۱)

"اور یہ کہ وہ مردے جلائے گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اس کے لیے کہ قیامت آنے والی ہے، اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں"۔ (سورۃ الحج: ۲۲، رکوع ۱)

جہاں تک دوبارہ زندہ کیے جانے کا سوال ہے منکرین اس کا مذاق "قصہ پارینہ" کہہ کر اڑاتے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا:

"انہوں نے وہی کہی جو اگلے کہتے تھے بولے کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں، کیا پھر نکالے جائیں گے، بے شک یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے باپ دادا کو دیا گیا، یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں (اساطیر

marfat.com

الاولین)" (سورۃ المومنون: ۲۳، رکوع ۵)

خدائے تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کیے جانے کی وجہ بھی انہیں بتائی جس کا براہ راست تعلق عقیدہ آخرت پر یقین رکھنے سے ہے۔ فرمایا:

"یہ ہے تمہارا اللہ تمہارا رب، تو اس کی بندگی کرو تو کیا تم دھیان نہیں کرتے، اسی طرف تم سب کو پھرنا ہے، اللہ کا سچا وعدہ، بے شک وہ پہلی بار بناتا ہے، پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے انصاف کا صلہ دے، اور کافروں کے لیے پینے کو کھولتا پانی، اور دردناک عذاب بدلا ان کے کفر کا"۔

(سورۃ یونس: ۱۰، رکوع ۱)

منکرین اگر کبھی سنجیدگی سے بھی قیامت کے یقینی ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہوتے تھے، تب بھی طنزیہ انداز ہی میں استفسار کرتے تھے کہ

"اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو"۔ (سورۃ الملک: ۶۷، رکوع ۲)

"تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے"۔ (سورۃ الاعراف: ۷، رکوع ۲۳)

"تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے"۔ (سورۃ عبس: ۸۰، رکوع ۲)

ان سوالات کا جواب انہیں بار بار دیا جاتا رہا، چند جوابات درج ذیل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دلوائے گئے۔

"تم فرماؤ اس کا (قیامت کب کو ٹھہری ہے) علم تو میرے رب کے پاس ہے اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں، تم پر نہ آئے گی، مگر اچانک۔ تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے۔ تم فرماؤ، اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔۔۔"

(سورۃ الاعراف: ۷، رکوع ۲۳)

"تمہیں اس (قیامت کب کو ٹھہری ہے) کے بیان سے کیا تعلق۔ تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے۔ تم تو فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے۔۔۔" (سورۃ النزعات: ۷۹، رکوع ۲)

اس وقت کو مخفی اس لیے رکھا گیا ہے کہ آزمائش کا مدعا پورا ہو سکے اور جب یہ ساعت منتظرہ آئے تو ہر شخص کو جس نے دنیا میں جیسی سعی کی ہے اس کا اسے ٹھیک ٹھیک بدلہ دیا جا سکے۔

فیصلہ کی گھڑی کو دور سمجھ لینا انسان کی سب سے بڑی بھول ہے کیونکہ انسان کی ہر سانس آخری سانس ہو سکتی ہے۔

آخرت پر یقین رکھنے اور نہ رکھنے والوں کا نفسیاتی تجزیہ خدا نے اس طرح پیش کیا ہے:

"اور تم کیا جانو، شاید! قیامت قریب ہی ہو۔ اس کی جلدی مچا رہے ہیں وہ جو اس پر ایمان نہیں رکھتے اور جنہیں اس پر ایمان ہے وہ اس سے ڈر رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ بے شک وہ حق ہے، سنتے ہو بے شک جو قیامت میں شک کرتے ہیں ضرور دور کی گمراہی میں ہیں"۔۔۔ (سورۃ الشوریٰ: ۴۲، رکوع ۲)

مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت میں سب سے زیادہ جس چیز کا مذاق منکرین نے اڑایا وہ آخرت کے وجوب سے تھا اور وہ اس بات پر صرف حیرانی اور تعجب کا ہی اظہار نہیں کرتے تھے، بلکہ اسے بالکل بعید از عقل و امکان سمجھ کر اسے ناقابل یقین ہی نہیں بلکہ ناقابل تصور سمجھتے تھے مگر چونکہ آخرت کے عقیدے کو مانے بغیر انسان کا طرز فکر سنجیدہ نہیں

marfat.com

ہو سکتا' خیر و شر کے معاملے میں اس کا معیار اقدار بدل نہیں سکتا اور وہ دنیا پرستی کی راہ چھوڑ کر اسلام کی راہ پر نہیں چل سکتا' اس لیے مکہ معظمہ کے ابتدائی دور کی سورتوں میں زیادہ تر زور آخرت کا عقیدہ دلوں میں بٹھانے میں صرف کیا گیا اور اس انداز میں کیا گیا کہ توحید کا تصور بھی خود بخود ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے۔

انکار آخرت وہ چیز ہے جو کسی شخص 'گروہ یا قوم کو مجرم بنائے بغیر نہیں رہتی۔ اخلاق کی خرابی اس کا لازمی نتیجہ ہے اور تاریخ انسانی شاہد ہے کہ زندگی کے اس نظریے کو جس قوم نے اختیار کیا ہے آخر کار تباہ ہو کر رہی۔ آخرت سے انکار دراصل خدا اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے اور آخرت سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشات نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں اور عقیدہ آخرت کو اپنی اس آزادی میں مانع سمجھتے ہیں۔ جب وہ آخرت کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی بندگی نفس اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنی گمراہی میں روز بروز زیادہ ہی بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ ارشاد ہے:

"وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے کوتک ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے ہیں' تو وہ بھٹک رہے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے اور یہی آخرت میں سب سے بڑھ کر نقصان میں"۔

(سورۃ النمل:۲۷' رکوع ۱)

"یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور جو قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لیے تیار کر رکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ"۔ (سورۃ الفرقان:۲۵' رکوع ۲)

نماز کا پابند ہونا یا نہ ہونا بھی قرآن کی رو سے علی الترتیب' آخرت پر یقین رکھنے یا نہ رکھنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا:

"اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور بے شک نماز ضرور ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو دل سے میری طرف جھکتے ہیں جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اس کی طرف پھرنا"۔ (سورۃ البقرہ:۲' رکوع ۵)

انسان کا انفرادی رویہ اور انسانی گروہوں کا اجتماعی رویہ کبھی اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک یہ سطور اور یہ یقین انسانی سیرت کی بنیاد میں پیوست نہ ہو کہ ہم کو خدا کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے اگر عقیدۂ آخرت حقیقتاً نفس الامری کے مطابق نہ ہوتا اور اس کا انکار حقیقت کے خلاف نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس اقرار کے یہ نتائج ایک لزومی شان کے ساتھ ہمارے تجربے میں آتے' ایک ہی چیز سے پیہم صحیح نتائج کا برآمد ہونا اور اس کے عدم کے نتائج کا نتیجہ غلط ہو جانا' بس اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ وہ چیز بجائے خود صحیح ہے۔ آخرت کو ماننے سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا کہ

"اس قرآن سے وہی اوندھا کیا جاتا ہے جس کی قسمت میں ہی اوندھایا جانا ہو"۔

(سورۃ الذریت:۵۱' رکوع ۱)

جب مومنین میدان حشر سے جنت کی طرف جا رہے ہوں گے اور آخرت سے انکار کرنے والے جن کے متعلق دوزخ کا فیصلہ ہو چکا ہوگا' اندھیرے میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے تو روشنی صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی اس لیے کہ

"جس دن (روز حشر) اللہ رسوا نہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو' ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے"۔ (سورۃ التحریم:۶۶' رکوع ۲)

اس وقت اہل ایمان پر حقیقت کی کیفیت طاری ہوگی اور اب وقت بھی انہیں اپنے تصوروں اور کوتاہیوں کا احساس کر کے یہ اندیشہ لاحق ہوگا کہ کہیں ان کا نور بھی نہ چھن جائے اس لیے وہ دعا کریں گے کہ

marfat.com

"اے ہمارے رب! ہمارے لیے ہمارا نور پورا کردے اور ہمیں بخش دے بیشک تو ہر چیز پر قدرت والا ہے"۔(سورۃ التحریم:٦٦'رکوع ٢)

قیامت کی گھڑی آکر رہے گی'اس لیے بھی کہ

"ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔اس کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے"۔

(سورۃ القصص:٢٨'رکوع ٩)

"وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے"۔(سورۃ الحدید:٥٧'رکوع ١)

الٰہی آیات کی ترجمانی اقبال نے بال جبریل کی نظم مسجد قرطبہ کے اس شعر میں کی ہے کہ

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقش کہن ہو کہ نو منزل آخر فنا

عقیدۂ آخرت پر عقلی دلائل

مادیت پرستی کے اس دور میں واضح طور پر محسوس کر رہا ہوں کہ ہمارے افکار و اعمال پر اب مذہب کی گرفت دن بدن ڈھیلی پڑتی جارہی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کی بازپرس کا خطرہ اب ایک تصور موہوم ہو کر رہ گیا ہے' حالانکہ غور فرمایئے تو مذہب کی بنیاد ہی عقیدۂ آخرت پر ہے۔

عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا یقین دل میں راسخ ہو جائے کہ ہم مرنے کے بعد پھر دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور خدا کے سامنے ہمیں اپنی زندگی کے سارے اعمال کا حساب دینا ہوگا اور اپنے عمل کے اعتبار سے جزا و سزا دونوں طرح کے نتائج کا ہمیں سامنا کرنا پڑے گا۔اسی یوم الحساب کا نام مذہب اسلام کی زبان میں قیامت ہے۔

اگر آخرت کا یہ اعتقاد دلوں سے نکل جائے تو مذہب کی پابندی کا سوال ہی بے معنی ہو کر رہ جائے۔آخر کوئی آدمی کیوں رمضان کے مہینے میں سارا دن اپنے آپ کو بھوکا پیاسا رکھے۔ٹھٹھرتی ہوئی سردی میں کیوں کوئی اپنے گرم لحاف سے نکل کر مسجد کی طرف جائے۔اپنے خون پسینے سے کمائی ہوئی دولت کیوں کوئی زکوٰۃ کے نام پر غریبوں میں لٹائے۔خواہش نفس اور قدرت و اختیار کے باوجود کیوں کوئی ایسی بہت ساری چیزوں سے منہ موڑے جسے مذہب نے ممنوع قرار دیا ہے۔یہ ساری مشقتیں اور تکلیفیں صرف اسی لیے تو گوارا کرلی جاتی ہیں کہ اس کے پیچھے یا تو عذاب کا خطرہ لاحق ہے یا پھر دائمی آسائش و راحت کا تصور مذہب کی ہدایات پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔

عقیدۂ آخرت کے یہ دو محرکات ہیں جو دل کے ارادوں پر حکومت کرتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں اسی عقیدے کا نام ایمان بالغیب ہے۔یعنی اپنی آنکھ سے دیکھے اور اپنے کان سے سنے بغیر ان حقائق کا اپنے مشاہدہ سے بھی بڑھ کر یقین کیا جائے جن کی خبر رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

آدمی اپنی سرشت کے اعتبار سے چونکہ مشاہدات پر زیادہ بھروسہ کرتا ہے اس لیے بہت سے لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد جب ہم بالکل سڑ گل جائیں گے اور ہمارا جسم مٹی کا غبار بن کر ہر طرف بکھر جائے گا تو ان حالات میں ہم دوبارہ کیونکر زندہ کیے جاسکیں گے؟ عقیدہ آخرت کے سوال پر الحاد و تشکیک کا دروازہ بند کرنے کے لیے ہم شدت سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اسے عقلی دلائل سے اتنا مسلم کردیا جائے کہ عقل غلط اندیش بھی سر جھکالے اور یہ الزام بھی دفع ہو جائے

rekhta.org

کہ اندھی تقلید کے علاوہ عقیدہ آخرت کی کوئی عقلی بنیاد نہیں ہے۔

پہلی دلیل

اپنی بات کا آغاز ہم مشاہدہ سے کرتے ہیں کہ انسانی معلومات کا سب سے پہلا ذریعہ مشاہدہ ہی ہے۔ چوبیس ہزار میل کی گولائی والی یہ زمین' آسمان کی بلندیوں سے گلے ملتے ہوئے پہاڑوں کی یہ قطار اور بے پایاں وسعتوں میں پھیلا ہوا سمندروں کا یہ لہراتا ہوا خطہ! یہ ساری چیزیں ہم سے سوال کرتی ہیں کہ ہمیں کس نے پیدا کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان ساری چیزوں کو خدائے وحدہ لاشریک نے پیدا کیا۔ پھر اس کے بعد دوسرا سوال اٹھے گا کہ زمین کس چیز سے بنائی گئی' پانی کا مادہ تخلیق کیا تھا اور پہاڑوں کا وجود کس چیز کے ذریعہ عمل میں آیا۔ اگر اپنی حماقت سے کسی چیز کا نام لے لیا گیا تو پھر اس چیز کے بارے میں اسی طرح کا سوال اٹھے گا اور سوالات کا یہ سلسلہ اٹھتا ہی رہے گا جب تک کہ یہ سچی بات کہہ نہ دی جائے کہ خداوند قدیر نے ان ساری چیزوں کو بغیر کسی مادہ کے صرف اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

قدرت سے پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا اس کے لیے لفظ کن (یعنی ہو جا) فرمادیا اور وہ چیز خدا کی مرضی کے مطابق وجود میں آگئی۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو اسے کلمہ دیتا ہے کہ تو ہو جا۔ تو وہ چیز فوراً موجود ہو جاتی ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اتنی بڑی زمین اور اتنا بڑا آسمان خداوند نے بغیر کسی مادہ سے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تو یہ بات عقل کو بھی تسلیم کرنی ہوگی کہ اس خدائے حی وقدیر کے لیے سڑے گلے مردوں کو دوبارہ زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

قرآن حکیم نے عقیدۂ آخرت کے سلسلے میں اس طرح کے شبہ کا جواب جتنی بلاغت کے ساتھ دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ایک گستاخ کافر نے ایک بوسیدہ ہڈی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ کیا یہ سڑی گلی ہڈی دوبارہ زندہ ہو سکتی ہے؟ اس کے جواب میں قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ ۝ قُلْ یُحْیِیْھَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَھَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّھُوَ بِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمٌ ۝ (یٰسین)	اور اس نے ہمارے خلاف ایک مثل گڑھی اور اپنی تخلیق کا واقعہ بھول گیا (دوبارہ زندہ کیے جانے کے عقیدے پر اعتراض کرتے ہوئے) کہا کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ آپ جواب میں فرما دیجئے کہ وہی زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اسے وجود بخشا تھا۔ اور وہ اپنی ہر مخلوق کو جاننے والا ہے۔

انسانی دنیا کا یہ دستور سامنے رکھئے تو جواب کی بلاغت اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی کہ کام پہلی بار مشکل ہوتا ہے دوسری بار تو بالکل آسان ہو جاتا ہے لیکن جو کام خدا کے لیے پہلی بار بھی مشکل نہیں تھا وہ دوسری بار کیونکر مشکل ہو جائے گا۔

دوسری دلیل

اس عالم ہستی میں انسان کی آمد پر آپ غور کریں گے تو آپ پر یہ راز کھلے گا کہ انسان اچانک یہاں نہیں آگیا بلکہ اس عالم

marfat.com

میں قدم رکھنے سے پہلے کئی عالم سے وہ گزر چکا ہے۔ پہلا عالم "عالم ارواح" ہے جہاں اس کی روح موجود تھی۔

اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ استقرار حمل کے کچھ عرصہ بعد جب بچے کے جسم میں روح داخل ہوتی ہے اور وہ ماں کے پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچے کے جسم میں داخل ہونے سے پہلے وہ روح کہاں تھی یا کہاں سے آئی؟ وہ جہاں بھی موجود ہو یا جہاں سے بھی آئی ہو اسی عالم کا نام عالم ارواح ہے۔

اب عالم ارواح کے بعد دوسرا عالم ہے "شکم مادر" جسے عالم ارحام بھی کہا جاتا ہے۔ اس عالم میں بھی انسان کو کم و بیش نو مہینے رکھا جاتا ہے۔ ایک منٹ رک کر ذرا قدرت کا یہ حیرت انگیز انتظام دیکھئے کہ ایک چلتی پھرتی قبر میں نو مہینے تک ایک بچہ زندہ رہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسانی زندگی کے لیے جتنے اسباب کی ضرورت ہے وہ سارے اسباب بچے کو وہاں فراہم کیے جاتے ہیں۔

شکم مادر سے باہر آجانے کے بعد اگر ساری دنیا کے اطباء و حکماء چاہیں کہ پیٹ چاک کر کے پھر بچے کو دوبارہ اسی جگہ منتقل کر دیں تو یقین ہے کہ ایک منٹ بھی وہاں زندہ نہیں رہ سکے گا۔ یہیں سے خدا اور بندوں کے انتظام کا فرق سمجھ میں آجاتا ہے جو چیز بندوں کے لیے ناممکن ہے وہ خدا کی قدرت کے سامنے ممکن ہی نہیں' بلکہ واقع ہے اور یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہر عالم کا ماحول اور تقاضا الگ الگ ہے' ایک کا قیاس دوسرے پر نہیں کیا جا سکتا۔

اتنی تفصیل کے بعد کہنا یہ ہے کہ عالم دنیا میں آنے سے پہلے اگر انسان کو مرحلہ وار دو عالم سے گزرنا پڑتا ہے تو عالم دنیا کے بعد بھی اگر کوئی چوتھا عالم مان لیا جائے تو اس میں کیا عقلی قباحت ہے۔ اسی چوتھے عالم کا نام ہم عالم آخرت رکھتے ہیں۔ اگر اسی نام سے اختلاف ہے تو کوئی اور نام رکھ لیا جائے لیکن ایک چوتھا عالم تو بہرحال ماننا ہی پڑے گا کیونکہ مرنے کے بعد جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو وہی سوال یہاں بھی اٹھے گا کہ نکل کر وہ کہاں گئی؟ وہ جہاں بھی گئی ہو اس کا نام عالم آخرت ہے۔

ساری بحث کا خلاصہ ہے کہ ہمارے وجود کو مرحلہ وار چار عالموں سے گزرنا پڑتا ہے۔ دو عالم سے تو ہم گزر چکے ہیں۔ یہ دنیا تیسرا عالم ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور چوتھے عالم میں مرنے کے بعد قدم رکھیں گے۔

تیسری دلیل

جس طرح زمین و آسمان کا وجود کسی بالاتر ہستی کی مشیت کا نتیجہ ہے اسی طرح انسان کی تخلیق بھی اسی قدرت سے ہوتی ہے اور وہی اس کارخانہ ہستی کو اپنی مرضی کے مطابق چلا رہا ہے۔ وہی آسمان سے پانی برساتا ہے۔ وہی زمین سے دانے اگاتا ہے اور وہی انسانی زندگی کے لیے سارے اسباب فراہم کرتا ہے۔

اسی نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور عقل و فہم کی نعمت سے آراستہ کر کے خیر و شر اور صحیح و غلط میں امتیاز کرنے کی قوت عطا فرمائی۔ اس کائنات میں انسان کا مقام جتنا بلند ہے' اسی اعتبار سے اس پر ذمہ داریاں بھی عائد کی گئی ہیں۔ بہت سے فرائض کا اسے پابند کیا گیا ہے اور بہت سی چیزوں سے اسے روک دیا گیا ہے۔ فرائض کی پابندی کرنے والوں کو انعام و جزا کی بشارت دی گئی ہے اور ممنوعات کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا کا خوف دلایا گیا ہے۔ جس خدا نے انسانوں کو پیدا کیا انہیں پالا اور جگہ جگہ بے شمار نعمتوں کے دسترخوان ان کے لیے بچھائے اور بے پایاں رحمت و کرم کے ساتھ قدم قدم پر ان کی نازبرداری کی اسے قطعاً حق پہنچتا ہے کہ نافرمانوں کو وہ سزا دے اور اطاعت شعاروں کو خلعت اکرام سے نہال کرے۔

ان حالات میں عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ زندگی بھر کے اعمال کا محاسبہ کرنے کے لیے حساب و کتاب کا ایک دن مقرر کیا

marfat.com

جائے تاکہ اطاعت شعاروں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ اگر فیصلہ کا کوئی دن مقرر نہ ہو تو جزا و سزا کا قانون بے معنی ہو کر رہ جائے۔

اب یہاں پر یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ فیصلہ کا جو دن مقرر کیا گیا ہے اس کا نام قیامت کا دن ہے اور وہ عالم آخرت میں پیش آئے گا۔

چوتھی دلیل

عقیدہ آخرت کے منکرین کے پاس سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ عالم دنیا کے علاوہ بھی اگر کوئی اور عالم ہے تو وہ ہماری آنکھوں سے نظر کیوں نہیں آتا اور اس عالم کی آواز ہمارے کانوں تک کیوں نہیں پہنچتی۔ اس مقام پر ذرا جہل کی فطرت کی ہم آہنگی دیکھئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے گمراہ لوگوں نے بھی یہی کہا تھا:

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہم خدا کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے۔

لیکن یہ نادان اس بات کو نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا آنکھوں سے مشاہدہ نہ ہونا اس چیز کے نہ ہونے کی دلیل ہے اور کسی آواز کو اپنے کانوں نہ سن سکنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ آواز کا وجود ہی نہیں ہے۔

آج کے مشینی دور میں اس کی بہت سی زندہ مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مثال کے طور پر کسی بھی ریڈیو اسٹیشن سے جو آواز نشر کی جاتی ہے وہ ریڈیائی لہروں کے ذریعہ فضا میں ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ اس کی لہریں ہمارے کانوں کے قریب سے گزرتی رہتی ہیں لیکن آواز سنائی نہیں دیتی لیکن جیسے ہی ہم ریڈیو آن کرتے ہیں، فضا میں تیرنے والی آواز ہمارے کانوں سے ٹکرانے لگتی ہے۔

بالکل اسی طرح ٹیلی ویژن سنٹر سے روشنی کی لہروں کے دوش پر جو تصویریں ٹیلی کاسٹ کی جاتی ہیں وہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزرتی رہتی ہیں لیکن ہمیں فضا میں کوئی منظر دکھائی نہیں دیتا اور جیسے ہی ہم ٹیلی ویژن بکس کا بٹن دباتے ہیں، اسکرین پر ساری تصویریں ہمیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اسی طرح کسی کے پھیپھڑے کا سیاہ دھبہ ہمیں باہر سے نظر نہیں آتا۔ لیکن ایکسرے مشین نہ صرف یہ کہ اس دھبے کو دیکھ لیتی ہے، بلکہ دوسروں کو بھی دکھا دیتی ہے۔

ان ساری مثالوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ موجود ہونے کے باوجود بہت سی چیزوں کو دیکھنے اور سننے سے ہم صرف اس لیے قاصر رہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کے مشاہدہ کے لیے ذرائع نہیں ہیں۔ نہ آنکھوں میں اس کے لیے قوت بصارت ہے اور نہ کانوں میں اس کے لیے قوت سماعت ہے۔ اس لیے اصل سوال مشاہدہ کے فقدان کا نہیں، بلکہ ذرائع کے فقدان کا ہے۔

اور ایسا اس لیے ہے کہ جس نے ہمیں آنکھیں عطا کی ہیں، ہمیں کان مرحمت فرمائے ہیں، اس نے بصارت و سماعت کی قوتوں کے لیے حدیں بھی مقرر کر دی ہیں ہم اپنی آنکھوں سے مصری کی ڈلی کو دیکھ لیتے ہیں لیکن اس کی مٹھاس نہیں دیکھ سکتے۔ اسی طرح آنکھیں صرف مادی چیزوں کو دیکھ سکتی ہیں مصری کی مٹھاس اور سنکھیا کا زہر چونکہ ایک معنوی حقیقت ہے، اس لیے آنکھوں میں اس کے دیکھنے کی صلاحیت ہی نہیں دی گئی ہے۔

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب اس عالم کی معنوی حقیقت کو دیکھنے کی قوت ہماری آنکھوں میں نہیں ہے تو وہ عالم آخرت

marfat.com

کا تعلق عالم غیب سے ہے۔ اسے ہماری آنکھیں کیونکر دیکھ سکتی ہیں۔

البتہ! خدا نے اپنے جن مقرب بندوں کو غیبی قوت ادراک سے سرفراز کیا ہے۔ وہ اسی دنیا میں غیبی حقیقتوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔

حدیثوں میں اس طرح کی روایتیں کثرت سے ملتی ہیں کہ حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی زمین پر کھڑے ہو کر جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا ہے۔ جہاں تک بیان کیا گیا ہے حضور نے چاہا کہ ہاتھ بڑھا کر جنت کے انگور کا ایک خوشہ توڑ لیں، لیکن پھر خیال کچھ آیا اور ہاتھ کھینچ لیا۔

حضرت جبرئیل امین علیہ السلام کے بارے میں تو سبھی جانتے ہیں کہ وہی خدائے ذوالجلال کی وحی لے کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے تھے حضور بے تکلف انہیں دیکھتے تھے اور براہ راست ان کی آواز سنتے تھے۔ حالانکہ حضرت جبرئیل امین عالم دنیا کی نہیں عالم غیب کی ہستی ہیں۔

یہ روایت بھی حدیثوں میں موجود ہے کہ قبرستانوں سے گزرتے ہوئے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس امر کا بھی مشاہدہ فرما لیتے کہ عالم برزخ میں کسی مردے کا کیا حال ہے، حالانکہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب کا سارا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ ان ساری بحثوں سے یہ بات اچھی طرح ثابت ہو گئی کہ عالم آخرت کے حقائق اپنی جگہ موجود ہیں، کمی جو کچھ ہے وہ ہمارے اندر ہے کہ ان کے مشاہدے کے لیے روح میں جس لطافت کی ضرورت ہے وہ ہر انسان کو میسر نہیں ہے۔

پانچویں دلیل

تاریخ عالم کا مطالعہ کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ عالم آخرت کا تصور انسان کی فطرت میں اس طرح ودیعت کر دیا گیا ہے کہ عہد قدیم سے دنیا کی ساری اقوام کسی نہ کسی شکل میں مرنے کے بعد جزا و سزا کے عقیدہ سے منسلک رہی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مرنے کے بعد سب کے یہاں مردے کی نجات و مغفرت کے لیے کچھ نہ کچھ مذہبی رسوم ضرور ادا کیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے چاہے طریقے مختلف ہوں لیکن تصور تو مشترک ہے۔

آپ مختلف زبانوں کی لغات کا تفصیلی جائزہ لیں تو جنت کے دوزخ کے ہم معنی الفاظ آپ کو ہر زبان میں مل جائیں گے اور یہ اصول اہل زبان کے درمیان مسلم ہے کہ ہر زبان میں اسی مفہوم کے لیے الفاظ وضع کیے جاتے جو اہل زبان کے تصور میں پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ بحث کے اس رخ سے بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ عالم آخرت کا تصور صرف اہل اسلام ہی کے عقیدے میں نہیں ہے، بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کی فطرت اسی عقیدہ سے ہم آہنگ ہے۔

چند مخصوص طبقات اور چند مخصوص عہد کے لوگوں کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ فکر و اعتقاد کی غلطیوں میں مبتلا ہو گئے لیکن نسل انسانی کے یوم آغاز سے لے کر آج تک بلا تفریق ساری دنیا کے انسانوں پر یہ الزام ہرگز عائد نہیں کیا جا سکتا کہ آخرت کے تصور کو اپنے مذہبی عقائد کی فہرست میں شامل کر کے وہ فریب مسلسل کا شکار رہے۔ خاص طور پر ان حالات میں جب کہ عقیدۂ آخرت کی تعلیم دینے والوں میں وہ انبیاء و مرسلین بھی ہیں جن کی شخصیتیں نہ صرف اہل اسلام میں بلکہ اقوام عالم میں بھی مسلم الثبوت اور عزت و شرف کی حامل ہیں اور وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے حلقے میں مذہبی اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانے اور مانے جاتے ہیں۔ اس لیے کہنے دیا جائے کہ اگر تاریخ کے ہر دور کے سارے انسانوں کو ہم جھوٹا قرار دے دیں، تو پھر اس دنیا میں کون سچا رہ جائے گا؟

marfat.com

اپنے مضمون کے آخری مرحلے سے گزرتے ہوئے یہ فقرہ ضرور چست کردوں گا کہ عقیدہ آخرت کی تکذیب کرنے والا صرف کسی ایک طبقے کی تکذیب نہیں کرتا' بلکہ ابتداء سے لے کر آج تک ہر عہد کے سارے انسانوں کو وہ جھوٹا ثابت کرنا چاہتا ہے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ دنیا کا کوئی بھی ہوش مند انسان اس جارحانہ انداز فکر سے ہرگز اتفاق نہیں کرے گا۔

marfat.com

مفکر اسلام علامہ سید محمد اشرف کلیم اشرفی جیلانی (ایم۔اے)
(ولی عہد آستانہ احمدیہ اشرفیہ جائس شریف، ضلع رائے، بریلی)

روح کے بنیادی تقاضے

یہ دور علم و دانش، تحقیق و ایجاد، راحت و آسائش اور سائنس کے عروج و ارتقاء کا دور ہے۔ ماہرین سائنس نے نت نئی ایجادات کے انبار لگادیئے ہیں۔ الیکٹرانک ٹیکنالوجی نے تو خوبصورت، دیدہ زیب، کار آمد اور مختصر مشینوں اور دیگر اشیاء آرائش و آسائش کا سیلاب جاری کر دیا مگر مثل مشہور ہے:

"Science is a good servant but the worst master."

(سائنس ایک اچھا ایجاد خادم ہے مگر بد ترین آقا)

یہی مقام افسوس ہے کہ مادیت کے غلبہ کے اس پر آشوب دور میں بندے اپنے نخوت علم و دانش، غرور تحقیق و ایجاد میں اپنے اصل آقا کو فراموش کر گیا۔ اپنے خالق اپنے مالک اپنے رب اپنے رازق سے غافل ہی نہیں ہو گیا بلکہ انکار وجود تک کر بیٹھا۔ "دہر" کو ہی سب کچھ سمجھ لیا۔ فلسفہ جدیدہ اور سائنس نے واجب الوجود اور خالق حقیقی سے رشتہ منقطع کر لیا جو عالم اسباب کا مسبب ہے۔ جوہری توانائی اور مادی قوتوں کے دریافت کرنے والے یہ بھول گئے کہ مادہ اور جوہر میں خفیہ توانائی بھی پیدا کرنے والا وہی قادر مطلق ہے "Ommi Potent Lord" ہے۔ ممکنات سے واجب الوجود کا رشتہ منقطع ہونا تھا کہ فتنہ و فساد ذہنوں میں سرایت کرنے لگا۔ خود غرضی، مفاد پرستی، اخلاقی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ فکر و خرد کی تمام تر توانائیاں مادی فروغ اور جسم کے تقاضوں کی تکمیل میں مصروف کار اور مرتکز ہو گئیں۔ "امر رب" روح کے سائنس دان منکر ہونے لگے اور جسمانی و مادی اور دنیوی زندگی کو ہی خوشگوار بنانا انسانی نصب العین بن گیا۔ جسم اور اس کے تقاضے ہی سرمایہ حیات بن گئے۔ روح اور اس کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔ علم و دانش، تحقیق و ایجاد کی ساری صلاحیتیں جسمانی آسائشات کی فراہمی میں مصروف ہو گئیں۔ روح جو اصل حیات ہے۔ روح جس کے دم سے رونق حیات ہے۔ روح جس کی ساری جلوہ سامانیاں ہیں۔ روح جس کے دم سے ہی جسم میں حرارت ہے۔ حرکت ہے، قوت ہے۔ احساس ہے۔ جذبہ اور سرگرمی کی ساری قوتیں ہیں۔ روح جس کی بدولت آنکھ میں قوت بصارت ہے، کان میں قوت سماعت ہے، زبان میں گویائی اور طاقت ہے فکر و شعور، تحقیق و ایجاد کی قوت ہے۔ روح جس کے دم سے ہی جسم کی ساری بہار ہے۔ اس سے اہل مادہ یکسر

marfat.com

غافل ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی میں خلا پیدا ہونے لگا۔ بے چینی و بے قراری بڑھنے لگی' سکون جاتا رہا۔ انتشار کے قدم بڑھتے رہے۔ فتنہ و فساد کا بازار گرم ہونے لگا۔ بے حیائی و بے شرمی عام ہونے لگی۔ گناہوں کا سیلاب امنڈ پڑا۔ انسانی قدریں پامال ہونے لگیں۔ انسانیت زوال پذیر ہونے لگی۔ سماج کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ جسم کے سہ گانہ تقاضے:(ا) روٹی (۲) کپڑا اور (۳) مکان کے گرد طواف ہونے لگا۔ روحانی تقاضے فراموش کردیئے گئے۔ روح ناتواں ہونے لگی۔ کرب و اضطراب میں مبتلا ہونے لگی۔ اخلاقی اور روحانی بیماری عام ہونے لگی' مصلحین قوم کی آنکھیں کھلیں تو عروج وارتقاء کے اس مادی دور میں ہر سمت ظلمتیں تیرتی نظر آئیں۔ انسان حیوانیت سے قریب تر ہوتا گیا۔ خودغرضی اور مطلب پرستی کا عفریت اپنے پنجہ ظلم واستبداد کو بڑھاتا گیا۔ انسانی حقوق کی علمبرداری کے دعویدار انسانی قدروں کا گلا گھوٹنے لگے۔ ویتنام' افغانستان اور بوسنیا کے دل دوز واقعات اور جگر خراش و کرب انگیز سانحات ہونے لگے۔ عراق کی مقدس سرزمین میں بارود اتار دیئے گئے' ہزاروں بچے یتیم کردیئے گئے۔ خواتین بیوہ ہوگئیں۔ کنواریاں انچاہے درد زہ سے تڑپ اٹھیں مگر مادہ پرستوں' روح اور روحانیت کے باغیوں کو رحم نہ آیا۔ یہ سچ ہے کہ جسم کے بنیادی تقاضے تین ہیں۔ روٹی' کپڑا اور مکان مگر جسم فانی کے لیے ایجادات کے انبار لگادینے والوں نے بیمار روح کے لیے کوئی شفاخانہ کھولا؟ کوئی میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (Medical Research Institute) قائم کیا۔ روح کے لیے کوئی ٹیبلٹ' کوئی ٹانک بنایا؟ کوئی کلینک (Clinic)' کوئی ہاسپٹل' کوئی میڈیکل کالج' کوئی نرسنگ ہوم کھولا؟

آج مادہ پرست سائنس دان اپنی ایجادات اور تحقیقات' نیز فطرت کے سربستہ رازوں کے انکشاف پر نازاں ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ یہ ان کے لیے مقام شرم ہے کہ جسم جو فانی ہے اس کے لیے سب کچھ اور روح جو باقی ہے اور اصل ہے اس کے لیے کچھ بھی نہیں۔

آیئے! اب نسخہ شفا کتاب ہدایت قرآن عظیم کلام الٰہی کی طرف رجوع کریں جو اس خالق و مالک علیم و خبیر کا کلام ہے جس نے جسم کو پیدا کیا اور روح کی بھی تخلیق کی اور جس نے انسانی ہدایت' صلاح و فلاح اور عروج وارتقاء کے لیے اپنے محبوب نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ساری کائنات کو ان کے قدم ناز رسالت سے وابستہ کردیا۔ جنہیں جسم کا بھی نبی بنایا اور روح کا بھی۔ جسم کا بھی ہادی بنایا اور روح کا بھی اور جس نے اپنے محبوب روح اعظم روح کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہترین نمونہ عمل بنایا۔ جس نے روح کے بنیادی تقاضے روحانی توانائی اور روحانی ارتقاء کے لیے خود بیان فرمائے کہ اگر جسم کے بنیادی تقاضے تین ہیں تو روح کے بنیادی تقاضے بھی تین ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔

یعنی روح کے بھی تین تقاضے ہیں: ایمان' تعظیم رسول' عبادت (نماز)۔

اگر ہم روح کو شفا بخشنا چاہتے ہیں' اس کا کرب دور کرنا چاہتے ہیں' روحانی عروج وارتقا' سرفرازی و سربلندی چاہتے ہیں تو پختہ اور غیر متزلزل ایمان لاکر اپنا سینہ تعظیم رسول کا مدینہ بنائیں اور عظمت رسول کے سائے میں عبادت کی لذت اور قرب الٰہی کی دولت حاصل کریں۔

مفکر اسلام ڈاکٹر اقبال نے فرمایا:

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح و قلم تیرے ہیں

marfat.com

توبیسویں صدی کے اوائل کے دہریئے' منکر خدا' غیر روحانی ادیب و مفکر' انگریزی ادب کی انقلابی شخصیت' جارج برنارڈ شا---(George Bernard Shaw) کو بھی اعتراف کرنا پڑا:

"I have studied the life of Prophet of Arabia. The wonderful Man. If a man like Him were to assume the dictatorship of the modern world. He would succeed in solving its problems in a way that would bring it the much needed peace and happiness."

(میں نے پیغمبر اسلام محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے۔ ایک حیرت انگیز شخصیت کے مالک انسان اگر دور جدید کا زمام اقتدار ان جیسے ہاتھوں میں آجائے تو وہ دور جدید کے سارے مسائل کو اس طرح حل کر سکیں گے جس سے عصر حاضر کی سب سے بڑی ضرورت امن و مسرت حاصل ہو۔)

marfat.com

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب (کراچی)

نورانیت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام بابت اس مسئلہ کے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چالیس سال کی ہوئی تب نبی ہوئے یا اس سے پہلے بھی نبی تھے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے کس نور سے پیدا فرمایا اور فرشتے کس نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ "بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا مَعَ الدَّلَائِلِ"۔ (سائل گلستان)

الجواب

"نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ اَفْضَلُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ"۔

جاننا چاہیے اے میرے بھائیو کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور مجسم ہونا اور آپ کے نور مقدس کا ساری کائنات سے قبل پیدا ہونا اور ساری کائنات کا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہونا اور سرور کائنات کا تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے پہلے وصف نبوت سے موصوف ہونا اور آپ کا بے مثال و بے نظیر بشر ہونا قرآن وحدیث نبویہ اور اقوال علماء کرام سے ثابت ہے جیسا کہ رب تعالیٰ قرآن مجید (سورۂ مائدہ) میں ارشاد فرماتا ہے:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ۔ تحقیق آئے تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب۔

اس آیت مقدسہ میں نور سے مراد تمام مفسرین کرام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی لی ہے جیسا کہ خاتم المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی قدس سرہ تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ عَظِیْمٌ وَّھُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ النَّبِیُّ الْمُخْتَارُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ بے شک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور عظیم آیا۔ وہ تمام نوروں کے نور نبی المختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

انتھی اور اس طرح علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یَعْنِیْ بِالنُّوْرِ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ نور سے مراد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

marfat.com

انتھی اور اسی طرح حافظ عبدالرزاق علیہ الرحمتہ نے اپنی مسند میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ اَخْبِرْنِیْ عَنْ اَوَّلِ شَیْئٍ خَلَقَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی قَبْلَ الْاَشْیَاءِ قَالَ یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْیَاءِ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُّوْرِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ۔

(مواہب اللدنیہ' جلد اول' ص۹)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے بتائیے کہ تمام اشیاء کے پیدا ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ نے کون سی چیز پیدا فرمائی تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: تمام مخلوق کی پیدائش سے قبل اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا۔

اور اسی طرح حضرت خاتم المحدثین فی دیار ہند علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"بدانکہ اول مخلوقات وواسطہ صدور کائنات وواسطہ خلق عالم و آدم نور محمد است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ وسائر مکنونات علوی و سفلی ازاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شد۔ (مدارج النبوۃ' جلد دوم' ص ۲)

ترجمہ: "جان لے کہ تمام کائنات میں اول مخلوقات اور کائنات کے ظاہر ہونے اور کائنات اور حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وسیلہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی یعنی نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے' جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ اور تمام کائنات بلندی و پستی اسی نور اور اسی جوہر پاک سے پیدا ہوئے ہیں"۔

اسی طرح حضرت علامہ شیخ عبدالحمید بن محمد علی قدس سرہ کتاب انوار السنیہ شرح الدرر البہیہ میں فرماتے ہیں:

فَقَدْ وَرَدَ اَنَّ ذَاتَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَتْ نُوْرًا حَتّٰی اَنَّہٗ لَمْ یُظْھَرْ لَہٗ ظِلٌّ فِی الشَّمْسِ وَجَمِیْعَ الْاَنْوَارِ الْحِسِّیَّۃِ وَالْمَعْنَوِیَّۃِ الْمُتَفَرِّقَۃِ فِی الْعَالَمِ الْعَلْوِیْ وَالسِّفْلِیْ وَکُلُّ الْاَشْیَاءِ مَخْلُوْقَۃٌ مِّنْ نُّوْرِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَالنُّوْرُ الْمُحَمَّدِیُّ ھُوَ اَصْلُ الْمَخْلُوْقَاتِ کُلِّھَا کَمَا یَدُلُّ عَلَیْہِ الْحَدِیْثُ الْمَشْھُوْرُ الْمُدَوَّنُ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ---الخ (کتاب الانوار السنیہ' ص ۱۳)

پس تحقیق احادیث میں وارد ہوا ہے کہ ذات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نور ہے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا سایہ سورج کی دھوپ میں ظاہر نہیں ہوتا تھا اور تمام انوار حسیہ و معنویہ وہ جو کائنات علوی اور سفلی میں متفرق ہیں اور دیگر تمام اشیاء نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخلوق ہیں۔ پس نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل ہیں جیسا کہ دلالت کرتی ہیں۔ اسباب پر حدیث مشہور جو سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری صحابی سے مروی ہے۔

اور اسی طرح حضرت شیخ علی القاری مکی کتاب الشفاء کی شرح میں فرماتے ہیں:

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ نِ الصَّادِقِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ اَیِ الْمُقْسِمُ بِہٖ مُحَمَّدٌ صَلَّی

سیدنا جعفر بن محمد الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سورہ نجم میں جس کی رب تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے وہ نبی

marfat.com

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ جَعْفَرٌ هُوَ قَلْبُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقُوْلُ بَلْ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَلْبِهٖ مَا قَالَبُهٗ نُوْرٌ يَتَنَارُ مِنْهُ الْاَنْوَارُ وَيُسْتَضَاءُ مِنْهُ الْاَسْرَارُ وَقَدْ وَرَدَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ نُوْرًا وَقَدْ سَمَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى نُوْرٌ عَلٰى مَا تَقَدَّمَ---الخ

(شرح الشفاء لعلی القاری علی حاشیہ نسیم الریاض، ج۱، ص۱۱)

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کا قلب شریف ہے اور علی القاری فرماتے ہیں، میں کہتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قلب اور سارا جسم ہی نور ہے۔ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تمام انوار روشنی پاتے ہیں اور تمام اسرار روشن ہوتے ہیں اور تحقیق وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوں دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے نور مجسم بنائیے اور اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور فرمایا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اور اسی طرح ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسْرُوْرٌ تَبَرَّقَ اَسَادِيْرُ وَجْهِهٖ۔

(رواہ بخاری ج۱، ص۵۰۲)

ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز خوشی کی حالت میں گھر میں داخل ہوئے تو سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مقدس بجلی کی طرح چمک رہا تھا۔

اور اسی طرح محدث کبیر حضرت شیخ محمد بن قاسم جسوس شرح شمائل ترمذی میں فرماتے ہیں:

وَرَوَى ابْنُ الْمُبَارَكِ وَابْنُ جَوْزِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقُمْ مَعَ الشَّمْسِ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْئُهٗ ضَوْءَ الشَّمْسِ وَلَمْ يَقُمْ سِرَاجٌ قَطُّ اِلَّا غَلَبَ ضَوْئُهٗ ضَوْءَ السِّرَاجِ وَبِهٰذَا لَمْ يَظْهُرْ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ظِلٌّ فَقَدْ ذَكَرَ ابْنُ سَبُعٍ فِى الشِّفَاءِ وَنَقَلَهُ الْقَاضِىْ عِيَاضُ فِى الشِّفَاءِ اَنَّهٗ لَا ظِلَّ لِشَخْصِهٖ فِىْ شَمْسٍ وَّلَا قَمَرٍ وَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّوْرُ الْمُنِيْرُ وَلَا يُقَالُ كَيْفَ يَتَاَتّٰى مَعَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَرٌ كَمَا نَطَقَ بِهِ الْقُرْاٰنُ لِاَنَّا نَقُوْلُ لَيْسَتْ بَشَرِيَّتُهٗ كَبَشَرِيَّةِ غَيْرٍ فَهُوَ بَشَرٌ لَيْسَ كَالْبَشَرِ كَمَا اَنَّ الْيَاقُوْتَ حَجَرٌ لَا كَالْحَجَرِ--- الخ

(الفوائد الجلیلہ علی الشمائل الترمذی ج۱، ص۳۶)

حضرت ابن المبارک اور ابن جوزی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرمائی کہ تحقیق حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت سورج اور چراغ کی روشنی پر غالب ہوتی تھی۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو سایہ نہ تھا اور تحقیق ذکر کیا ابن سبع نے شفاء میں اور اس سے امام قاضی عیاض نے اپنی کتاب کتاب الشفاء میں نقل فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم شریف کو سورج کی دھوپ اور چاند میں سایہ نہ تھا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود نور اور روشنی عطا کرنے والے ہیں اور آپ کے بشر ہونے کا اعتراف وارد نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بشر فرمایا ہے اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت عام انسانوں کی طرح نہیں، پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں ولیکن نہیں ہیں مثل عام بشر کے جس طرح یاقوت پتھر ہے ولیکن عام پتھروں کی طرح پتھر نہیں۔

marfat.com

اور اسی طرح حدیث صحیحہ سے بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے مثل و بے نظیر ہونا ثابت ہوتا ہے' چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّیْ لَسْتُ مِثْلَکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَسْتُ کَھَیْئَتِکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ وَفِیْ رِوَایَتٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّکُمْ مِّثْلِیْ۔

ان حدیثوں کا مجموعی طور پر مفہوم یہی ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں تم جیسا بشر نہیں ہوں اور تم لوگوں میں وہ کون ہے جو مجھ جیسا ہو سکے۔

(بخاری' ج ا' ص ۲۶۳)

لہٰذا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور بزرگان دین کے اقوال سے یہ ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور مجسم ہیں اور آپ کے نور کو رب تعالیٰ نے اپنے ذاتی نور کے فیضان سے پیدا فرمایا ہے اور آپ کا نور تمام کائنات کا اصل ہے اور دیگر ساری مخلوقات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔

اور یہ امر بھی ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورانیت اور بشریت دونوں کمالات کے جامع ہیں اور آپ کا بشر ہونا آپ کے نور مجسم ہونے کے منافی نہیں اور آپ بشریت کے اعتبار سے بھی بے مثل اور بے نظیر بشر ہیں اور جب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اعلان فرمائیں کہ تم جیسا نہیں ہوں اور اعلان فرمائیں کہ تم میں سے کون ہے جو مجھ جیسا ہو تو اس کے باوجود اگر کوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر تصور کر کے بشر کہے تو اس کے بے ادب اور گستاخ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ رب تعالیٰ محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہچاننے اور ادب کی توفیق عطا فرمائے۔

اور اسی طرح سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انبیاء کرام اور حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش سے بھی قبل وصف نبوت سے متصف ہونا اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی ارواح اور فرشتوں کا مربی اور فائض ہونا اور احادیث صحیحہ اور بزرگان دین کے اقوال سے ثابت جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے:

قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (رواہ الترمذی قال ھذا حدیث حسن صحیح غریب

مواہب اللدنیہ' جلد اول' ص ٦)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا' کب سے آپ کے لیے نبوت ثابت ہوئی ہے؟ تو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: جب سے آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔

اور اسی طرح حضرت میسرہ صحابی سے روایت ہے:

قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی کُنْتَ نَبِیًّا قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَجَسَدِہٖ۔ (رواہ احمد والبخاری فی التاریخ والحاکم وصححہ وقال حافظ سندہ

حضرت میسرہ صحابی نے فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کب سے آپ نبی ہیں؟ تو سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب سے حضرت آدم

marfat.com

قوی 'مواہب اللدنیہ' ج ا ص ٦)　　　　علیہ السلام درمیان روح اور جسد کے تھے۔

اور حدیث اول کی شرح میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"بہر تقدیر مراد قبل از تخلیق آدم است و اگرچہ در علم الٰہی نبوت تمام انبیاء ثابت و کائن بود لیکن نبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہر و معلوم بود در میان ملائکہ و ارواح و نبوت ایناں مکنون و مستور بود بلکہ میگویند کہ روح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در آں عالم مربی ارواح انبیاء و مفیض علوم الہیہ بود بر ایشاں چنانکہ در نشاۃ دنیا مبعوث مرسل بود بر سائر بنی آدم پس وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبی مرسل بود در آں عالم بالفعل در خارج نہ در علم الٰہی فقط"۔ (مدارج النبوت' ج ۲' ص ۳)

"بر تقدیر مراد اس سے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہے (یعنی آپ وصف نبوۃ سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے قبل ہی متصف تھے) اور علم الٰہی میں اگرچہ تمام انبیاء کرام کی نبوت ثابت اور ہونے والی تھی ولیکن نبوت سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملائکہ اور تمام ارواح میں ظاہر معلوم تھی اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی نبوت اس وقت مستور تھی بلکہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مقدس اس عالم ارواح میں انبیاء کرام کی ارواح کا مربی اور ان پر علوم الہیہ کا مفیض تھا' جیساکہ دنیا کی پیدائش تمام بنی آدم کی طرف مبعوث مرسل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس عالم میں بالفعل خارج میں ہی مرسل تھے' نہ کہ فقط علم الٰہی میں"۔ انتھی۔

اور اسی طرح امام قسطلانی شارح بخاری ان احادیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وَوَصْفُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالنُّبُوَّۃِ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّفْھَمَ مِنْہُ اَنَّہٗ اَمْرٌ ثَابِتٌ لَّہٗ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ وَلَوِ الْمُرَادُ بِذَالِکَ بَحْرُ الْعِلْمِ بِمَا سَیُصِیْرُ فِی الْمُسْتَقْبِلِ لَمْ یَکُنْ لَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُصُوْصِیَّۃٌ بِاَنَّہٗ نَبِیٌّ وَّاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ لِاَنَّ جَمِیْعَ الْاَنْبِیَآءِ یَعْلَمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نُبُوَّتَھُمْ فِیْ ذَالِکَ الْوَقْتِ وَقَبْلِہٖ فَلَا بُدَّ مِنْ خُصُوْصِیَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَجْلِھَا اَخْبَرَ بِھٰذَا الْخَبَرِ اَعْلَامًا لِاُمَّتِہٖ لِیَعْرِفُوْا قُدْرَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی --- الخ

(مواہب اللدنیہ' جلد اول' ص ۷)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس وقت وصف نبوت سے موصوف ہونے سے معلوم کرنا چاہیے کہ تحقیق یہ امر اس وقت سے آپ کے لیے ثابت تھا۔ اگر اس سے مراد علم الٰہی میں آپ کے لیے نبوت کا ثبوت ہوتا تو اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہوتی۔ علم الٰہی میں تو انبیاء کرام کے لیے نبوت ثابت ہے اس وقت اور اس سے پہلے بھی' پس ضروری ہے حضور اکرم کے لیے خصوصیت تاجس کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خبر دی ہو اپنی شان پہچاننے کے لیے۔ انتھی۔

اور بعض علماء کا ان احادیث سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم الٰہی میں تعین نبوت کا مراد لینا باطل ہے جس کو علماء محققین نے رد فرمایا ہے جیساکہ محدث کبیر حضرت علامہ الغماری الحسنی فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ بِھَا الْاَخْبَارُ بِوُجُوْبِ نُبُوَّتِہٖ اَیْ

ان احادیث سے مراد اپنے روح شریف کے لیے وصف

marfat.com

ثُبُوْتِهَا الرُّوْحِ الشَّرِيْفَةِ الْمَخْلُوْقَةِ قَبْلَ الْاَرْوَاحِ۔ غَيْرَ اَنَّ بَعْضَ الْعُلَمَاءِ ذَكَرَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَمَا فِيْ مَعْنَاهُ ثُبُوْتُ نُبُوَّتِهٖ فِيْ عِلْمِهٖ وَتَقْدِيْرِهٖ وَاَنَّ الْمَعْنٰى كُنْتُ نَبِيًّا فِيْ تَقْدِيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ وَكَذَالِكَ قَالَ فِيْ حَدِيْثِ كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ اَنَّ الْمُرَادَ فِي الْخَلْقِ التَّقْدِيْرُ لَا الْاِيْجَادُ اَيْ كُنْتُ اَوَّلَهُمْ فِي التَّقْدِيْرِ هٰذَا حَاصِلُ مَا ذَكَرَهٗ وَهُوَ بَاطِلٌ بِوُجُوْهٍ اَلْاَوَّلُ اَنَّ نُبُوَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَابِتَةٌ فِيْ عِلْمِ اللّٰهِ وَتَقْدِيْرِهٖ مُنْذُ الْاَزَلِ فَتَخْصِيْصُهَا بِوَقْتِ كَوْنِ آدَمَ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ لَغْوٌ يَجِبُ تَنْزِيْهُ الْحَدِيْثِ عَنْهُ ...
الخ (الاحادیث المنتقاہ فی فضائل رسول اللہ)

نبوت سے متصف ہونے کی خبر دیتی ہے جو تمام ارواح سے پہلے ہی مخلوق تھا اور جن علماء نے علم الٰہی میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے وصف نبوۃ کا تعین مراد لیا ہے وہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔ اس قول کے بطلان کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ تحقیق حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت علم الٰہی میں توازن سے ثابت ہے۔ پھر اس کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان روح اور جسد کے ہونے کے وقت سے ثابت کرنے میں کیا فائدہ' لہٰذا یہ بات لغو ہے اور حدیث کو ایسی لغویات سے پاک کرنا واجب ہے۔ انتہی۔

پھر یہی علامہ آگے فرماتے ہیں:

وَحَاصِلُ الْمَعْنٰى اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَفَاضَ عَلٰى رُوْحِ نَبِيِّهِ الشَّرِيْفَةِ اَوْ حَقِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ وَصْفَ النُّبُوَّةِ فِيْ وَقْتٍ كَانَ آدَمُ لَا يَنْزَالُ طَرِيْحًا عَلَى الْاَرْضِ قَبْلَ نَفْخِ الرُّوْحِ فِيْهِ وَاِضَافَةَ النُّبُوَّةِ فِيْ هٰذَا الْوَقْتِ لِتَسْتَلْزِمَ خَلْقَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ كَمَا هُوَا لَظَّاهِرُ ... الخ اَلْاَحَادِيْثُ الْمُنْتَقَاهُ فِيْ فَضَائِلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت وصف نبوت سے فائز فرمایا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام درمیان روح اور جسد کے تھے اور اس وقت سے آپ کا وصف نبوت سے فائز ہونا تمام انبیاء کرام کی خلقت سے آپ کی خلقت کے تقدیم کو لازم ہے۔ انتہی۔

لہٰذا ان احادیث اور علماء محققین کے اقوال سے چند فوائد حاصل ہوئے۔ ایک تو آپ کا تمام انبیاء کرام سے خلقت کے اعتبار سے مقدم ہونا اور دوسرا آپ کا تمام انبیاء کرام سے پہلے ہی وصف نبوت سے موصوف ہو کر تمام انبیاء کرام کی ارواح اور فرشتوں کا مربی ہونا۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ان احادیث اور بزرگان دین کے اقوال سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض بشر نہ تھے بلکہ سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورانیت اور بشریت دونوں کمالات کے جامع تھے وہ اس لیے کہ بشریت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت پادشاہ اور نبی تھے۔ جب کہ آدم علیہ السلام والصلوٰۃ کا اب تک وجود بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جیسا کہ امام قسطلانی رحمۃ اللہ مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

اَلَا بِاَبِيْ مَنْ كَانَ مَلِكًا وَسَيِّدًا وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ وَاقِفٌ۔

خبردار میرا باپ قربان ہو اس ذات مقدس پر جو کہ آپ اس وقت سردار پادشاہ تھے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام

marfat.com

درمیان پانی اور مٹی کے تھے۔

پس اے میرے بھائیو! قرآن وسنت وبزرگان دین کے اقوال کی روشنی میں یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجسم نور ہیں اور آپ کا نور تمام کائنات کا اصل ہے اور آپ تمام انبیاء کرام سے قبل وصف نبوت سے موصوف تھے' یہی عقیدہ سلف صالحین کا ہے اور اس عقیدے کے جو خلاف ہیں وہ گمراہ ہیں اور مسلک اہلسنت بریلوی کے جتنے بھی مخالف گروہ ہیں' وہ سب گمراہ فرقے ہیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان گمراہ فرقوں کے شر سے اپنا ایمان بچائیں اور رب تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے محبوب کا ادب اور محبت عطا فرمائے اور سلف صالحین کے عقیدے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

marfat.com

از : حضرت مولانا مفتی سید شجاعت علی قادری مرحوم (کراچی)

تین طلاق

تین طلاق کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے

ہمارے معاشرے میں اب طلاق کا رواج کچھ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ جہاں غصہ آیا اور طلاق دے دی' پھر ایک دو دی جائیں تب بھی معاملہ ہاتھ میں رہتا ہے مگر جانتے ہیں کہ بالکل تعلق اسی وقت ختم ہو گا جب تین طلاقیں دی جائیں اس لیے تین دیتے ہیں' پھر فوراً ہی ندامت ہوتی ہے' اب علماء کی طرف رجوع کرنے سے قبل بڈھے بڑھیوں سے مسئلہ دریافت ہوتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ' بہرحال پھر کسی نہ کسی طرح علماء تک پہنچتے ہیں' اور کوشش کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح بیوی ان کے پاس حسب سابق رہے' علماء سے کہتے ہیں کچھ گنجائش نکالیے' مگر یہ معلوم نہیں کہ تمام دنیا کے علماء مل کر بھی شریعت کے احکام میں سے کسی حکم کا نقطہ بھی ادھر سے ادھر نہیں کر سکتے' کبھی یہ کہتے ہیں کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کیا جائے تو کیسا ہے؟ بڑا افسوس ہے کہ آج اپنی ضرورت کے تحت اپنے امام کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو گئے تو کل خدانخواستہ اپنی غرض سے مذہب تبدیل کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کر دیں گے' پھر چاروں اماموں میں سے کوئی بھی نہیں کہتا کہ تین طلاقوں کے بعد بھی بیوی حسب سابق بیوی رہ سکتی ہے' کبھی غیر مقلدوں کی مسجد سے فتویٰ لے آتے ہیں' غرض چاہتے ہیں مذہب کا نام لے کر' یا فتویٰ کا سہارا لے کر حرام کو حلال کر لیں' یہ نہیں سوچتے کہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ یہ اولاد کا معاملہ ہے' اور پھر تمام نسب کا معاملہ ہے جب دو لفظوں سے ایک اجنبی عورت آپ کی بیوی بن گئی' تو تین لفظوں سے اگر زوجیت سے خارج ہو جائے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔

مسلمان بھائیو!

نماز' روزہ اور دوسری عبادات میں ہماری کوتاہیاں ظاہر ہیں' خدارا کم از کم ایسے گناہوں سے ضرور بچیے' جن میں خدانخواستہ اگر آپ مبتلا ہو گئے تو تمام زندگی بلکہ اس کے بعد بھی آپ گناہوں کے دریا میں غرق رہیں گے' اپنے غصہ کو شرعی حدود میں رکھئے اور تین طلاقیں دینے سے بچیے' اس مختصر رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت بھی واقع ہو جائیں گی' یہی فیصلہ قرآن' حدیث' صحابہ اور امت کے اتفاق سے ثابت ہے' اس کے خلاف سب غلط ہے' بحث میں مخالفین کی طرف ان دلائل کا رد کیا گیا ہے جن پر انہیں بہت گھمنڈ ہے اور جو عام طور پر وہ استعمال کرتے ہیں' ظاہر ہے اس موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے اور

ہمارے بزرگوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ بالخصوص مبسوط، فتح القدیر، بدائع الصنائع، فتاویٰ اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مسئلہ کا فیصلہ ہی کر دیا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ مسلمان بھائی اس رسالہ کی نشرواشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور اپنے بہت سے بھائیوں کو ایک بڑی مصیبت اور عظیم گناہ میں پھنس جانے سے بچانے میں مدد کریں گے۔

طلاق کے چند ضروری مسائل

اللہ کے نزدیک تمام حلال چیزیں جن میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ فعل ہے، اس لیے شیطان کو اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے بلا عذر شرعی طلاق دینا ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے دے دی تو ہو جائے گی۔

۱- طلاق کے لیے شرط ہے کہ شوہر عاقل بالغ ہو۔

۲- نشہ کی حالت میں طلاق دے دی تو ہو جائے گی۔

۳- عورت کسی حالت میں ہو اس پر طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

۴- اگر عورت نابالغہ یا مجنونہ ہے، تب بھی طلاق ہو جائے گی۔

۵- اسی طرح اگر عورت حاملہ ہے یہ حیض میں ہے، طلاق ہو جائے گی۔ اگر مذاق، غصہ میں، یا کسی کے کہنے سے طلاق دی تب بھی ہو جائے گی۔

۶- اگر اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر غلطی سے طلاق کا لفظ نکل گیا تو بھی طلاق ہو جائے گی۔

۷- طلاق کے واقع ہونے میں گواہوں کی ضرورت نہیں۔

۸- تحریری طلاق دی تو بھی ہو جائے گی، خواہ خود تحریر لکھی ہو یا کسی سے لکھوائی ہو، یا کسی نے خود لکھ دی اور شوہر نے اس کو پڑھ کر دستخط کر دیئے یا سن کر نشان انگوٹھا لگا دیا۔

طلاق کا صحیح طریقہ

زندگی میں ایسے مواقع بھی آ سکتے ہیں جب میاں بیوی کے لیے ایک ساتھ رہنا اور نباہ کرنا ممکن نہ رہ جائے، ایسی صورت میں طلاق کے ذریعے ازدواجی سلسلہ منقطع کیا جا سکتا ہے لیکن چونکہ معاملہ بہت اہم ہے، اس لیے اسلام نے اس کا طریقہ نہایت درجہ مصلحت سے لبریز وضع کیا ہے اور وہ یہ کہ مرد، پاکی کے زمانہ میں (وہ پاکی کا دور جس میں صحبت نہ کی ہو) ایک طلاق رجعی دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے، پھر دوسرے پاکی کے زمانے میں ایک طلاق اور دے دی جائے، پھر تیسری پاکی کے زمانہ میں ایک طلاق اور دے دی جائے۔ اتنا طویل عمل اس لیے رکھا گیا ہے کہ انسان کو سوچنے سمجھنے کا کافی وقت مل جائے۔

تین طلاقوں کا مسئلہ

آج کل عموماً مرد کو جب غصہ آتا ہے وہ اپنی بیوی سے اس قسم کے الفاظ کہہ دیتا ہے جا میں نے تجھ کو تین طلاقیں دیں، بلکہ کبھی کبھی تو تین سے زائد طلاقیں بھی دی جاتی ہیں، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ لوگ تین طلاقیں اسی لیے دیتے ہیں کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بیوی سے اس سے کم میں پیچھا نہیں چھوٹ سکتا۔ بعد میں جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف بہانہ سازی، دروغ

marfat.com

گوئی اور حرام شدہ چیز کو حلال کرنے کی سعی لاحاصل ہوتی ہے۔

اگر کسی مولوی سے غلط بیانی کر کے حلال لکھوا بھی لیا ہے' تو حقیقت پھر بھی اپنی جگہ برقرار رہے گی' تمام زندگی حرام کاری ہوگی اور اولاد پر اس گناہ کے ناپاک اثرات چلتے رہیں گے۔

تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے

قرآن کریم آیت نمبر(۱)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ۔ (البقرہ: ۲۲۹)

طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا اچھائی کے ساتھ (بیوی) کو چھوڑ دینا ہے۔

تفسیر کبیر اور دوسری تفاسیر میں ہے کہ یہ آیت اس موقعہ پر نازل ہوئی جب ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک عورت نے شکایت کی کہ میرا شوہر مجھ کو تین طلاقیں دیتا رہتا ہے اور پھر رجوع کر لیتا ہے۔ آپ نے یہ واقعہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (امام محمد' فخرالدین رازی' تفسیر کبیر' ص ۲۴۷' ج ۲)

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ طلاق جس کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے دو مرتبہ ہے (گویا جو مقصود ہے وہ حق ہے رجوع کا بیان ہے نہ یہ کہ طلاق علیحدہ علیحدہ دینا لازم ہے) دو طلاق کے بعد اب دو ہی صورتیں ہیں' یا تو رجوع کر لیا جائے اور اگر یہ سلسلہ مزید چلنا ممکن نہ ہو تو پھر تیسری طلاق بھی دے دی جائے۔

چنانچہ مشہور مفسر ابو بکر الجصاص اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

قَدْ ذُكِرَتْ فِیْ مَعْنَاهُ وُجُوْهٌ اَحَدُهَا اَنَّهٗ بَیَانٌ لِّلطَّلَاقِ الَّذِیْ تَثْبُتُ مَعَهُ الرَّجْعَةُ وَالثَّانِیْ اَنَّهٗ بَیَانٌ لِطَلَاقِ السُّنَّةِ۔

اس آیت کے معانی میں مختلف وجوہ ذکر کی گئی ہیں' ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اس طلاق کا ذکر ہے جس میں رجعت کا حق باقی رہتا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ طلاق سنت کا طریقہ ہے۔

(ابو بکر الجصاص احکام القرآن' ج ۱)

ابو بکر جصاص نے اور تاویلات بھی لکھی ہیں' لیکن اہل علم سے مخفی نہیں کہ مفسرین قوی اور ضعیف' اپنوں اور غیروں سبھی کے اقوال نقل کرتے ہیں' اصل قدر و قیمت ائمہ مذہب کے اقوال ہی کی ہے' لہٰذا کسی مفسر کی مفسرانہ بحث سے خواہ مخواہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

ہم حنفی بھی یہی کہتے ہیں کہ طلاق متفرق طور پر دی جانی چاہیے' یہی سنت طریق ہے لیکن اس کا مطلب یہ کہاں سے ہوا کہ اگر کوئی مسنون طریقہ اختیار نہ کرے تو وہ فعل جو ایک عاقل و بالغ سے صادر ہو رہا ہے اور بالکل صریح ہے' واقع ہی نہ ہو؟ ہاں سنت طریق ترک کرنے کا گناہ ہوگا' ہماری شریعت میں لاتعداد احکام ایسے ہیں جن کے ادا کرنے کے لیے مسنون طریقے بتائے گئے ہیں' مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص ان کاموں کو مسنون طریقہ پر ادا نہ کرے' تب بھی وہ ادا ہو جائیں گے اگرچہ ترک سنت کا گناہ رہے گا۔

عام طور پر مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ طلاق متفرق طور پر دینا چاہیے' نہ یہ کہ تین طلاقوں کے دینے کی ممانعت کی گئی ہے تو اس قدر میں ہم بھی متفق ہیں۔

marfat.com

ایک سوال

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یک دم دو طلاقیں دے تو کیا واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو دلائل سے ثابت کیجئے اور اگر دو طلاقیں یکدم واقع ہو سکتی ہیں تو تین کیوں واقع نہیں ہو سکتی ہیں۔

آیت (۲)

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ۔ اور طلاق دی گئی عورتوں کے لیے رواج کے مطابق سامان ہے۔

آیت (۳)

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ... الخ اور اگر تم ان کو صحبت سے پہلے طلاق دے دو۔

آیت (۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ۔ اے ایمان والو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو پھر ان کو طلاق دو۔

ان آیات میں اور ان ہی جیسی آیات میں طلاق اور اس کے احکام کا ذکر ہے مگر یہ کہیں نہیں بتایا گیا ہے کہ یہ طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی گئی ہوں یا یکدم، جب دونوں امور کا مذکور نہیں تو اس کو قواعد کے مطابق عام ہی رہنا چاہیے۔

احادیث شریفہ

احادیث صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہے کہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، خواہ یکدم دی جائیں یا کہ علیحدہ علیحدہ۔

حدیث نمبر ۱: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تھی، پھر آپ نے یہ سوچا کہ دو حیضوں میں دو طلاقیں مزید دے دیں، جب رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس واقع کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ حکم تو نہیں دیا ہے، تم نے خلاف سنت کیا، سنت طریقہ یہ ہے کہ تم ہر طہر میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دو، چنانچہ آپ نے مجھے رجوع کا حکم دیا (کیونکہ ایک ہی طلاق دی تھی) اور فرمایا کہ جب پاک ہو جائے تو تم اس کو طلاق دے دینا، یا روک رکھنا، انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے پھر حلال ہو جاتی؟ آپ نے فرمایا: نہیں اور یہ گناہ کی بات ہوتی۔ (قاضی محمد ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ص ۳۵۱، ج ۱)

سند حدیث

اس حدیث کو دار قطنی اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے، بیہقی نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں عطاء خراسانی نے کچھ زیادات کی ہیں جن میں ان کا کوئی متابع نہیں اور چونکہ وہ ضعیف ہیں اس لیے ان کی زیادات غیر متابعہ مقبول نہ ہوں گی مگر خدا بھلا کرے علامہ ابن ہمام کا کہ انہوں نے متابعت ثابت کر دی اور فرمایا، رزیق نے اس روایت کی متابعت کی ہے اور طبرانی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (فتح القدیر)

غیر مقلدین جو اہلحدیث کہلاتے ہیں، کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تین طلاقیں دے دی تھیں مگر حضور صلی

marfat.com

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پھر بھی رجوع کرا دیا تھا۔ یہ عجب اہلحدیث ہیں کہ صحیح حدیثوں کو مانتے ہی نہیں' ان سے زیادہ اچھے اہلحدیث تو وہ ہوئے جو اپنے اوپر اہلحدیث کا لیبل نہیں لگاتے ہیں' اور حدیثوں کو تسلیم کرتے ہیں۔

مسلم شریف کے شارح جلیل القدر محدث اسی حدیث کی بابت فرماتے ہیں:

اَمَّا حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ فَالرِّوَايَاتُ الصَّحِيْحَةُ الَّتِيْ ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ وَغَيْرُهُ اَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً۔ (ابوزکریا نواوی شرح مسلم ص۴۷۸ جلد۱)

ابن عمر کے واقعہ میں صحیح روایات جن کو امام مسلم وغیرہ نے ذکر کیا ہے' یہ ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک ہی طلاق دی تھی۔

امام بخاری نے تو بخاری شریف میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے جس کا نام ہے: "بَابُ مَنْ اَجَازَ الطَّلَاقَ الثَّلٰثَ"۔

یعنی اس باب میں ان لوگوں کے لیے دلائل ہیں جو تین طلاقوں کو واقع قرار دیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اہلحدیث صاحبان اس سلسلے میں امام بخاری تک کو اچھا نہیں سمجھتے' حالانکہ اور موقعوں پر ان کا ذکر بڑے زور و شور سے کرتے ہیں۔

حدیث نمبر۲: صحیح بخاری شریف میں ہے کہ

"فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا" یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں اور یہ واقعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی کا ہے' چنانچہ اس کے بعد میاں بیوی میں جدائی کرا دی گئی۔ (بخاری و مسلم ص۴۸۹'۷۹۱' جلد اول)

ظاہر ہے اگر تین طلاقیں واقع نہ ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے کہ یہ واقع نہ ہوئیں اور کبھی بھی آپ ایک لغو کام کے ہوتے ہوئے خاموش نہ رہتے۔

سند: اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں۔ اس حدیث کو بخاری ص۷۹۱ جز دوم اور مسلم کے علاوہ نسائی اور ابوداؤد وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔

حدیث نمبر۳: صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

اَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلٰثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ قَالَ لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ۔ (بخاری' ص۷۹۱' ج۲)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' اس نے دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ اس نے بھی طلاق دے دی' پھر آپ سے دریافت کیا گیا' کیا وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں' تاوقتیکہ پہلے شوہر کی طرح دوسرا بھی اس سے صحبت نہ کر لے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے بلا حلالہ شرعیہ حلال نہیں ہوتی' یہ فتویٰ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ کا ہے۔ اس میں یہ نہیں لکھا کہ انہوں نے تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ دی تھیں اور خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہ تفصیل معلوم نہیں کی' اگر یہ ضروری ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور ان سے یہ تفصیل معلوم کرتے کہ الگ الگ طلاقیں دیں یا ایک بار۔

حدیث ۴: طَلَّقَ رَجُلٌ اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ يَّدْخُلَ بِهَا ثُمَّ بَدَا لَهُ اَنْ يَّنْكِحَهَا فَجَاءَ يَسْتَفْتِيْ قَالَ فَذَهَبْتُ مَعَهُ فَسَاَلَ اَبَا هُرَيْرَةَ وَابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَا يَنْكِحُهَا حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَقَالَ اِنَّمَا كَانَ الطَّلَاقُ اِيَّاهَا وَاحِدَةً قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَرْسَلْتَ مِنْ يَدِكَ مَا كَانَ لَكَ مِنْ

marfat.com

فَضْلٍ - (موطا امام محمد، ص ۲۵۹)

مخالفین کا استدلال اور اس کا جواب

وہ حضرات جن کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے عام طور پر مندرجہ ذیل احادیث پیش کرتے ہیں:

حدیث نمبر ۱: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو ایک ہی نشست میں تین طلاقیں دے دیں، پھر ان کو اس کا شدید صدمہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا، تم نے کیسے طلاق دی تھی؟ وہ بولے! میں نے ان کو تین طلاقیں دی تھیں۔ آپ نے فرمایا: کیا ایک ہی نشست میں؟ وہ بولے، جی ہاں! آپ نے فرمایا: بے شک یہ ایک ہی ہے، اگر تم چاہو تو رجوع کر لو۔ چنانچہ آپ نے رجوع کر لیا۔ (احمد)

جواب: اس حدیث کے بارے میں صحاح ستہ میں سے ایک کتاب کے مصنف جلیل القدر محدث ابوداؤد فرماتے ہیں:

حَدِيْثُ نَافِعِ بْنِ عَجِيْرٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَلِيّ بْنِ يَزِيْدَ بْنِ رُكَانَةَ عَلٰى اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ فَرَدَّهَا اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَحُّ لِاَنَّ وَلَدَ الرَّجُلِ وَاَهْلِهٖ اَعْلَمُ بِهٖ اَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً۔

(ابوداؤد شریف، ص ۲۱۹)

نافع بن عجیر اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ کی روایت اپنے باپ کے واسطہ سے اپنے دادا سے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رجوع کرا دیا زیادہ صحیح ہے (یعنی ابن عباس کی حدیث کی بہ نسبت) چونکہ انسان کی اولاد اور گھر والے ہی ایسے معاملات کی زیادہ خبر رکھتے ہیں، بے شک رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی اس کو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک طلاق قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام ابوداؤد کا استدلال بالکل عقل کے عین مطابق ہے۔ طلاق ایک گھریلو واقعہ ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ابن عباس کی بہ نسبت خود رکانہ کے بیٹے، پوتے اس معاملہ پر زیادہ صحیح روشنی ڈال سکتے تھے، عربی کا مشہور مقولہ ہے "صَاحِبُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيْهِ" یعنی گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، چنانچہ انہوں نے بیان کر دیا کہ یہ طلاق البتہ تھی، لفظ البتہ کنایات میں سے ہے، اس سے ایک طلاق کا ارادہ کرنا درست ہے، رہی ابن عباس کی روایت تو وہ انہوں نے اپنی فہم کے مطابق البتہ کو بہ معنی ثلاث کے لیتے ہوئے روایت کر دی ہوگی، چنانچہ شارح بخاری علامہ ابن حجر نے اس توجیہ کو معقول قرار دیا ہے۔ (علامہ حجر، فتح الباری)

علاوہ ازیں ابن عباس والی روایت میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہیں جو حدیث میں ضعیف ہیں اور پھر سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اپنا فتویٰ خود اپنی روایت کے خلاف موجود ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتویٰ

حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لڑکے کے پاس تھا، اسی اثناء میں ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ ابن عباس قدرے خاموش ہوئے تو میں سمجھا کہ اب یہ اس کو رجوع کا حکم دیں گے (کیونکہ ان کی روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے) پھر وہ بولے تم لوگ احمقانہ باتیں کرتے ہو (یعنی بیک وقت تین طلاقیں دیتے

marfat.com

ہو) پھر کہتے ہوائے ابن عباس! اے ابن عباس!

ابوداؤد کہتے ہیں اس حدیث کو حمید اعرج نے مجاہد سے، شعبہ نے عمرو بن مرہ عن سعید بن جبیر، ایوب نے اور ابن جریج نے عکرمہ بن خالد عن سعید بن جبیر اور ابن جریج نے عمرو بن دینار سے ان سب نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: کہ انہوں نے تین طلاقوں کو واقع مانا، یعنی کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ (ابوداؤد شریف، ص ۲۱۸، ج ۱)

جب ایک شخص خود ہی اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ صادر کر رہا ہے تو کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں کہ یا تو اس نے روایت سے رجوع کر لیا، کیونکہ روایت اس کی اپنی فہم سے تھی، یا اس نے اس کی کوئی تاویل کی، بہرحال! جب خود ابن عباس کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ بیک وقت دی جانے والی تین طلاقیں نافذ ہیں تو اب جھگڑا کیا رہ گیا؟ اسی روایت میں "طَلَّقَ اِمْرَأَتَہٗ ثَلَاثًا" کے لفظ موجود ہیں، جو متفقہ طور پر بیک وقت تین طلاقوں کے لیے مستعمل ہیں، اس سے پتہ چلا کہ دوسرے مقامات پر ان الفاظ کو علیحدہ علیحدہ تین طلاقوں پر محمول کرنا تکلف ہے۔

حدیث نمبر۲: دوسری روایت غیر مقلدین یہ پیش کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِىْ اَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ اَنَاةٌ فَلَوْ اَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَاَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ۔

(مسلم ص ۴۷۷، ج ۱، ابوداؤد ص ۲۱۸، ج ۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں دو سال تک تین طلاق ایک ہی تھیں تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بے شک لوگوں نے اس کام میں جلدی کی جس میں ان کے لیے مہلت تھی، کاش! ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں، پھر آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔

یہی حدیث طاؤس اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوالصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا:

اَتَعْلَمُ اِنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً عَلٰى عَهْدِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَثَلَاثًا مِّنْ اِمَارَةِ عُمَرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَعَمْ۔ (مسلم، ص ۴۷۸، ج ۱)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں اور حضرت عمر کے زمانہ خلافت کے تین سال تک تین طلاقوں کو ایک ہی کر دیا جاتا تھا تو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ہاں!

هَاتِ مِنْ هُنَاتِكَ اَلَمْ يَكُنِ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِىْ بَكْرٍ وَاحِدَةً فَقَالَ قَدْ كَانَ ذَالِكَ فَلَمَّا كَانَ فِىْ عَهْدِ عُمَرَ تَتَابَعَ النَّاسُ فِى الطَّلَاقِ فَاَجَازَهٗ عَلَيْهِمْ۔ (مسلم، ص ۴۷۸، ج ۱)

لائیے اپنی عجیب باتوں سے کیا تین طلاقیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اور ابوبکر کے عہد میں ایک نہ تھیں، وہ بولے بیشک ایسا ہی تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں لوگ پے در پے طلاقیں دینے لگے تو آپ نے اس کو ان پر نافذ کر دیا۔

یہ ہے وہ روایت جس سے غیر مقلدین استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر کے عہد میں تین طلاقیں ایک ہی سمجھی جاتی تھیں، لہٰذا اب بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

جواب: یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ یہ مسئلہ معمولی نوعیت کا نہیں حلال و حرام کا مسئلہ ہے، کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت

marfat.com

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس کی شان یہ ہے کہ حق عمر کی زبان پر جاری ہوتا تھا' جو آپ کے دل میں آتا وہ وحی بن کر نازل ہوتا تھا' جن کی پیروی کا خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے' رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' حضرت ابو بکر کی سنت کو بدل دیں؟ اور حلال کو حرام قرار دے دیں؟ اور پھر صرف حضرت عمر ہی کا معاملہ نہیں' حضرت عثمان' حضرت علی عشرہ مبشرہ اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عمر کے اتنے اہم فیصلے پر متفق ہو گئے' برائے نام اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی نے یہ کہا کہ اے عمر! تم کو سنت رسول اور سنت ابو بکر بدلنے کا کیا حق ہے؟ حالانکہ اس زمانہ میں خلیفہ کی ذات تنقید سے بالاتر نہیں تھی' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لمبے کرتے کا واقعہ مشہور ہے' کئی مسائل میں اپنے دوسرے صحابہ کے اقوال کی طرف رجوع کر لیا تھا' کیا یہ سب کچھ اس امر کی واضح دلیل نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ سنت رسول اللہ اور سنت ابو بکر کے مطابق ہی تھا' کیونکہ وہ حضرات منشاء رسول کو بہ نسبت ہماری زائد سمجھتے تھے' اور ہماری بہ نسبت عمل پر بھی زائد حریص تھے' اب ہمارے سامنے دو راستے ہیں ایک طرف تو تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجماع اور اتفاق (جو یقیناً منشاء رسول کے خلاف نہیں ہو سکتا ہے) اور دوسری طرف غیر مقلدین کے چند مولوی صاحبان کا دعوائے حدیث دانی ہے' اب مسلمان خود فیصلہ کر لیں کہ انہیں کس کی بات ماننا ہے؟

آیئے! اب ذرا محدثین نے اس روایت کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

هٰذِهِ الرِّوَايَةُ لِأَبِي دَاوُدَ ضَعِيفَةٌ رَوَاهُ أَيُّوبُ السُّخْتِيَانِي عَنْ قَوْمٍ مَّجْهُولِينَ عَنْ طَاؤُسَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَلَا يُحْتَجُّ بِهَا۔

ابو داؤد کی یہ روایت ضعیف ہے' اسے ایوب سختیانی نے مجہول لوگوں سے طاؤس نے ابن عباس سے روایت کیا ہے' لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔

(۲) اس حدیث میں ابن عباس تین طلاقوں کا حکم نہیں بیان کر رہے ہیں' بلکہ محض ایک واقعہ ذکر کر رہے ہیں کہ لوگ پہلے زمانہ میں آج کل کی طرح تین طلاقیں نہیں دیتے تھے بلکہ ایک ہی دیا کرتے' حدیث کے الفاظ اس سلسلے میں بہت واضح ہیں۔ "إِنَّمَا الثَّلَاثُ تَجْعَلُ وَاحِدَةً" یعنی تین طلاقیں جو آج کل دی جا رہی ہیں (کیونکہ الف لام عہد کا ہے) ان کے بجائے ایک ہی دی جاتی تھی' قرآن کریم میں بہت مقامات پر "جعل" اس معنی میں مستعمل ہوا ہے جیسے:

"أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَاحِدًا" کیا مطلب یہ نہیں کہ مثلاً سو پچاس معبود بول کر ایک معبود مراد لیا ہے' بلکہ مقصد واضح ہے کہ باطل معبودوں کو چھوڑ کر ایک ہی معبود برحق کا اعتقاد کیا ہے' لہٰذا لوگوں کا یہ کہنا کہ جب حضور کے زمانہ میں تین طلاقیں دی ہی نہیں جاتی تھیں تو ایک کس چیز کو کہا جاتا تھا' درست نہیں۔

(۳) علامہ نواوی فرماتے ہیں' اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ابتدا میں جب کوئی شخص اپنی بیوی سے "أَنْتِ طَالِقٌ' أَنْتِ طَالِقٌ' أَنْتِ طَالِقٌ" کہتا اور اس کی مراد اس سے نہ تو تاکید کی ہوتی اور نہ استیناف' بلکہ مطلق کہہ دیتا' تو ایک ہی طلاق واقع ہونے کا حکم دیا جاتا تھا' کیونکہ وہ حضرات اس سے عام طور پر استیناف مراد نہیں لیتے تھے' بلکہ تاکید کا ارادہ کرتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اس لفظ کا استعمال بہت ہو گیا اور لوگ عام طور پر اس سے استیناف کا ارادہ کرنے لگے تو اس کو غالب پر محمول کرتے ہوئے تین طلاقوں کا حکم کیا جانے لگا اور دوسرے جوابات بھی ہیں جو مبسوط کتب میں درج ہیں۔

چاروں اماموں کا فیصلہ

بعض لوگ سوچتے ہیں کہ کسی دوسرے امام کے مسلک پر ایسے وقت عمل کر لینا چاہیے' مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ

marfat.com

تمام دنیا کے مسلمانوں کی اکثریت ان چار اماموں کی مقلد ہے' ابو حنیفہ' مالک' شافعی' احمد بن حنبل' اور ان چاروں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حرام ہو جاتی ہے۔ (شرح نووی علی مسلم' ص ۴۷۸)

یکدم تین طلاقیں دینا بری بات ہے

طلاق کا صحیح اور مسنون طریقہ ہم بتا چکے ہیں۔ یکدم تین طلاقیں دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی مگر یہ گناہ کی بات ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔

محمود بن لبید سے روایت ہے کہ:

اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَہٗ ثَلٰثَ تَطْلِیْقَاتٍ جَمِیْعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاَنَا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ حَتّٰی قَامَ رَجُلٌ وَّقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا اَقْتُلُہٗ۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں یکدم دیں' آپ سن کر ناراضگی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: کیا میرے ہوتے ہوئے اللہ کی کتاب سے مذاق کیا جاتا ہے؟ یہاں تک کہ ایک صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کردوں؟

ضروری گزارش

بعض دوستوں کا خیال ہے کہ عورتوں کے مصائب اور ان کی تکالیف دیکھتے ہوئے اس مسئلے میں کچھ لچک اور گنجائش پیدا کرنی چاہیے' میں خود شدت سے اس امر کا قائل ہوں کہ فروع میں جہاں تک ممکن ہو اہل حضرات اجتہاد فرمائیں اور مسلمانوں کے لیے یسر (آسانی) کی راہیں تلاش کریں' لیکن اس کے لیے کچھ شرائط ہوتے ہیں۔ اگر کوئی مسئلہ نیا ہو تو اس پر کچھ بحث و تمحیص ہو سکتی ہے اور آسان سے آسان راہ تلاش کی جا سکتی ہے لیکن جس مسئلہ کا فیصلہ ہو چکا ہو۔۔۔ صحابہ' تابعین' تبع تابعین' آئمہ مجتہدین فیصلہ دے چکے ہوں اور امت مسلمہ کی بڑی اکثریت اس فیصلہ کو تسلیم کر چکی ہو تو اب اس میں مزید کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

رہے وہ مصائب جو طلاق کے بعد طرفین کے لیے پیدا ہو جاتے ہیں' ضروری ہے کہ لوگوں کو اس مصیبت میں پڑنے سے پہلے ہی مطلع کر دیا جائے۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جب دنیاوی قوانین جو خود انسانوں کے بنائے ہیں ان کے مطابق سخت سے سخت سزائیں موجود ہیں اور نافذ ہیں ان پر کچھ اعتراض نہیں ہوتا' تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جس قانون سے مجرمین کو تکلیف پہنچتی ہے اس پر اعتراض کیوں کیا جاتا ہے' اگر یہی رجحان رہا تو اسلام کی بنیادی تعلیمات کا تحفظ بھی ناممکن ہو جائے گا۔

نوٹ: قارئین پر واضح ہو کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے تینوں طلاقیں واقع ہونے کے سلسلے میں علماء دیوبند بھی متفق ہیں' ان سے بھی فتویٰ حاصل کر کے شامل اشاعت کر دیا گیا ہے' ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں اگر تین طلاق دے تو کیا حکم ہے آیا طلاق ہو گئی یا نہیں؟

marfat.com

(۲) نیز بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں ایک ہی ہوگی۔
برائے کرم مسئلہ کا جواب مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔
سائل: سید شاہ تراب الحق قادری ۷ اپریل ۱۹۸۱ء۔

الجواب باسمہ تعالیٰ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بیک وقت ایک کلمہ میں تین طلاقیں دے تو تینوں طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور اگر تین طلاقیں بیک وقت تین کلمات میں دیں تو پھر بھی تینوں واقع ہوں گی' اگر بیوی مدخول بہا ہو' اسی پر سلف صالحین کا اجماع ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری جلد ۹ میں اس پر اجماع نقل کیا ہے اور یہی مذہب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ جس کو حافظ نے فتح الباری میں نقل فرمایا ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فاء تَعْقِيبٌ مَعَ الْمُوصِلِ کے لیے ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ تیسری طلاق اگر دو طلاقوں کے بعد متصل ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو کر بغیر حلالہ کے کوئی صورت تحلیل کی نہیں ہے۔ قرآن سے یہی مسئلہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے اور اسی پر امام نووی نے شرح مسلم ص ۴۰۸ جلد ۲ پر ائمہ اربعہ اور سلف و خلف کا اجماع نقل کیا ہے' بخاری شریف کی حدیث ہے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ نَسْئَلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ قَالَ لَا حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَهَا الْاَوَّلُ۔ (بخاری' ص ۷۹۱' ج ۲)

حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی' اس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا پہلے خاوند کے لیے حلال ہو سکتی ہے؟ آنحضور نے فرمایا کہ نہیں جب تک دوسرا خاوند اس سے لطف اندوز نہ ہو جیسا پہلا خاوند لطف اندوز ہوا تھا۔

اس قسم کی ایک اور روایت بھی حضرت عائشہ سے موجود ہے۔ سنن کبریٰ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو جب تک دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے' پہلے کے لیے حلال نہیں ہے' یہی مذہب عبداللہ بن عباس کا ہے جس کو سنن کبریٰ ص ۵۴ میں نقل کیا ہے۔

مسند امام احمد میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ پھر اسی عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کیا اور اس نے اس کو طلاق قبل الدخول دی' تو کیا یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! جب تک شوہر ثانی شوہر اول کی طرح مباشرت نہ کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سنن بیہقی میں سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ عائشہ خثعمیہ حضرت حسن بن علی کی زوجیت میں تھیں' جب حضرت علی شہید ہوئے تو خثعمیہ نے حضرت حسن کو خلافت کی مبارک باد دی۔

حضرت حسن کو یہ بات ناگوار گزری کہ کیا آپ کو حضرت علی کی شہادت سے خوشی ہوئی۔

فرمانے لگے: "اِذْهَبِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا" حضرت حسن نے اس کا بقیہ مہر اور زائد دس ہزار درہم بھیج دیئے' عائشہ خثعمیہ کو صدمہ ہوا۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ اگر میں اپنے جد امجد کا یہ قول نہ سنتا تو رجوع کرتا۔ وہ قول یہ ہے کہ جو شخص

marfat.com

اپنی بیوی کو تین طلاق دے' حیض کے وقت یا اور کسی طرح تو وہ اس کے لیے حلال نہیں' یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔

اور بھی بہت سی روایات ہیں جن کے نقل کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔

(۲) اس مسئلہ میں بعض مدعیان حدیث نے دوسرا مسلک اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ تین طلاقیں بیک وقت ایک ہوتی ہے' جن کا استدلال اس حدیث سے ہے جو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے' جس کے راوی حضرت طاؤس ہیں' وہ یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ابتدائی دو سال میں تین طلاق ایک ہوتی تھی' حضرت عمر نے فرمایا: کہ لوگوں نے اپنے معاملہ میں جلد بازی سے کام لیا' حالانکہ ان کو سمجھنے کا وقت حاصل تھا' ہم کیوں تینوں کو ان پر نافذ نہ کریں چنانچہ حضرت عمر نے تینوں نافذ کیں۔ (مسلم)

اس روایت کے بہت سے معقول جوابات دیئے گئے ہیں' جن میں سب سے آسان جواب یہ ہے کہ یہ غیر مدخول بہا کے بارے میں ہے جس کو اَنْتِ طَالِقٌ' اَنْتِ طَالِقٌ' اَنْتِ طَالِقٌ کہا جائے تو اس صورت میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے' پھر جب لوگوں نے مدخول بہا کو بھی کہنا شروع کیا تو حضرت عمر نے فرمایا کہ تینوں نافذ ہوں گی۔ نیز قاضی شوکانی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ طاؤس کی روایت اپنے دوسرے ساتھیوں کے خلاف ہے' کیونکہ وہ اس کے خلاف نقل کرتے ہیں' نیل الاوطار۔ یا یہ روایت منسوخ ہے جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے یا پہلے زمانے کے لوگ تثلیث تاکید کے لیے کرتے تھے' مجھے بعد میں تاسیس کرتے ہوئے بھی تاکید ظاہر کی تو حضرت عمر نے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے تاکید کو کالعدم بنایا۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ گمان کرنا کہ انہوں نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کیا نہایت بعید اور حضرت عمر کی شان اتباع سے کوسوں دور ہے۔

فقط واللہ السلم

کتبہ رضاء الحق عفا اللہ عنہ جامعہ العلوم الاسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن' کراچی نمبر۵

۳ جمادی الثانیہ ۱۴۰۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اپنی بیوی کو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیں تو کیا حکم ہے؟ آیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

نیز بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے سے ایک طلاق واقع ہوگی۔

برائے کرم مسئلہ کا جواب مدلل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

سائل: شاہ تراب الحق قادری

الجواب

(تلخیص فتویٰ دار العلوم کراچی)

قرآنی آیات' احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' اجماع صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین' تابعین' تبع تابعین'

maktabah.com

ائمہ اربعہ اور جمہور امت کا اس پر اتفاق اور اجماع چلا آ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو تینوں واقع ہو جائیں گی، چاہے ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دے یا الگ الگ کر کے تین طلاق دے (ہر حالت میں تین طلاق واقع ہوں گی) البتہ اگر عورت ایک مدخولہ بہا ہو تو الگ الگ کہنے کی صورت میں صرف پہلی طلاق واقع ہو گی اور اس سے وہ بائن ہو جائے گی اور باقی دو لغو ہو جائیں گی۔

اس مسئلہ میں چند غیر مقلدین کے علاوہ جن میں حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم اور ان کے متبعین شامل ہیں، جمہور کے کسی نے بھی مخالفت نہیں کی اور مخالفت کیونکر کرتے، جب کہ خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ میں تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا اور آپ کے بعد صحابہ کرام کا اس پر اجماع رہا ہے۔

جو حضرات ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق ہونے کے قائل ہیں ان کے پاس ایک بھی صحیح مرفوع روایت موجود نہیں ہے جو ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک طلاق ہونے پر دلالت کرنے والی ہو، اس کے برخلاف ذخیرہ احادیث، عہد رسالت کے متعدد واقعات موجود ہیں، جن سے ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے تین ہی طلاق واقع ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں جمہور امت کے ساتھ منسلک رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

واللہ اعلم بالصواب
احقر عبد الشکور کشمیری
دار الافتاء دار العلوم کراچی ۲۳، ۶، ۱۴۰۱ھ

الجواب صحیح
(احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، دار الافتاء دار العلوم کراچی)

marfat.com

از خطیب الہند اعلیٰ حضرت مولانا عبید اللہ خان صاحب اعظمی (ممبر پارلیمنٹ)

فلسفہ بشریت

دھوکے میں آ نہ جائے کہیں فکر و آگہی
آقائے کائنات لباس بشر میں ہے

قرآن نے مصطفیٰ جان عالم کی بشریت کے سلسلہ میں ہمیں کیا موقف عطا فرمایا ہے، ہم مصطفیٰ جان عالم کو کس طرح پہچانیں اور کیسے ان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کریں۔

قرآن نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اے نبی آپ ارشاد فرمادیجئے، لوگو! میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں۔

مصطفیٰ جان عالم کی زبان سے جب ہم نے سنا کہ وہ ہماری ہی طرح ایک بشر ہیں تو ہم پر ایک عجیب کشمکش کا عالم طاری ہوا۔ ایک طرف ہم سنتے ہیں کہ نبی نور ہیں دوسری طرف سے آواز آتی ہے نبی ہماری ہی طرح ایک بشر ہیں، نبی کی ذات ہر جگہ موضوع بحث بنی ہوئی ہے، کوئی ایک رائے پر متفق نہیں ہے۔ ایسی صورت میں آیئے ہم قرآن سے پوچھیں، قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جو ہمیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتی ہے، قرآن ہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں رخ مصطفیٰ کی صحیح جھلک دکھائی دیتی ہے جس میں ان کے خدوخال صاف نظر آتے ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ نبی اپنی کتاب ہی کے ذریعہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ مصطفیٰ جان عالم اپنے پروردگار کی بارگاہ سے حسن کے پیکر بن کر آئے تھے اور قاعدہ کہ ہر شخص اپنے محبوب کو پرکشش انداز میں پیش کرتا ہے، آؤ دیکھیں خدا نے اپنے محبوب کو دنیا والوں کے سامنے کس طرح پیش کیا ہے۔

پروردگار عالم! تو نے اپنے نبی کے بارے میں جہاں کہیں بھی آگہی دی ہے نہایت وضاحت کے ساتھ نبی کی ذات کو پیش کیا ہے لیکن کہیں بھی تو نے اپنے طور پر نبی کو بشر نہیں کہا، بلکہ اگر ضرورت پیش آگئی ہے تو نبی ہی سے تو نے کہلوایا ہے کہ وہ بشر ہیں اگر تو اپنے طور پر اعلان فرمادیتا کہ نبی بشر ہیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا۔ رسول کے بارے میں تو نے جو کچھ کہا، قوم اس سے متفق ہے کہیں کوئی اختلاف نہیں، ہر مکتبہ فکر کے ماننے والے تیری بات تسلیم کرتے ہیں تو نے نبی کو یٰسین کہا، تمام عالم نبی کو یٰسین کہہ رہا ہے۔ تو نے نبی کو طٰہٰ کہا، نبی کے طٰہٰ ہونے میں سبھی متفق ہیں۔ تو نے نبی کو سراجاً منیرا کہا، کسی کو اس سے اختلاف نہیں ہے--- لیکن نبی کی بشریت ہی ایک ایسا موضوع ہے جہاں سے اختلافات شروع ہوتے ہیں، اس لیے اے پروردگار! تو ہی بتا

marfat.com

دے کہ نبی کی بشریت کو ہم کس طرح تسلیم کریں' ان کی آدمیت کو ہم کس طرح جانیں' ان کی انسانیت پر ہم کس طرح ایمان لائیں؟ نبی کی بشریت کے بارے میں ہمارا کیا تصور ہونا چاہیے' ہم نبی کے بارے میں کون سا موقف اختیار کریں؟

مصطفیٰ چہرے مہرے کے ساتھ مکہ میں قدم رنجہ ہوئے تھے' آمنہ کی گود میں کائنات کا مالک و مختار تشریف لایا تھا' دعائے خلیل مستجاب ہوئی تھی' نوید مسیحا نے کالبد انسانی اختیار کر لیا تھا' آدم کی آدمیت ایک پیکر میں ڈھل گئی تھی۔ اے خدا! ہم دنیا والے جب اپنے محبوب کی تعریف یا تعارف پیش کرتے ہیں تو اپنی تمام انرجیاں' ساری صلاحیتیں تمام زور قلم اسے خوب سے خوب تر ثابت کرنے میں صرف کر ڈالتے ہیں' ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تو نے کس انداز سے اپنے محبوب کی تصویر کشی کی ہے' قرآن نے کس طرح تیرے محبوب کا مرقع پیش کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے: مصطفیٰ کا چہرہ "وَالضُّحٰی" ہے' زلفیں "وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی" ہیں' آنکھیں "مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی" زبان "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی" ہے' سرور کونین کا مقام "دَنٰی فَتَدَلّٰی" ہے' مصطفیٰ کا زمانے میں تشریف لانا "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی" ہے۔ ان کے سینے کی بات آئی تو قرآن نے کہا "اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ"۔ عظمت و وقار کی بات آئی' قرآن نے کہا "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ"۔ ہم نے پوچھا: مصطفیٰ کا اخلاق کیسا؟ قرآن نے کہا "وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ"۔ ہم نے کہا: مصطفیٰ کے رحم و کرم کا ضابطہ؟ قرآن نے کہا "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ ہم نے پوچھا: نوع انسانی کی حیثیت سے معاشرے میں مصطفیٰ کا مقام؟ قرآن کہہ رہا ہے "یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ"۔ ہم نے پوچھا: ان کے دست ناز کیسے؟ قرآن کہہ رہا ہے "یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ"۔ ہم نے پوچھا: ذات مصطفوی کی حقیقت؟ قرآن نے کہا "قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ"۔ ہم نے پوچھا: مصطفیٰ جان عالم کے قدم ناز کا مقام رفعت؟ قرآن نے کہا "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ"۔ ایک بات پوچھوں؟ یہ باتیں جو ابھی میں نے کہی ہیں' ان تمام باتوں سے کسی کو اختلاف ہے؟ کسی کو نہیں بلکہ میں تو کہوں گا اے معبود! تیرا ہر فرمان مسلمان کہلانے والے انسان کے لیے سند ہے' اے مالک کائنات! اگر ایک مرتبہ تو نے نبی کو بشر کہہ دیا ہوتا تو جس طرح نبی کے یٰسین ہونے پر سبھی متفق ہیں' ان کے طٰہٰ ہونے کو ہر کوئی تسلیم کر رہا ہے' ان کے رحمۃ للعالمین ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے' اسی طرح بشر ہونے میں لوگوں کا اتفاق ہو جاتا۔ اے پالن ہار! جب تو نور کہہ سکتا تھا تو بشر بھی کہہ سکتا تھا' مگر یہ کیا بات ہے کہ تو نے نور کہا اور بشر نہیں کہا' یٰسین کہا بشر نہیں کہا' طٰہٰ کہا بشر نہیں کہا۔ سرور کائنات کو آخر تو نے بشر کیوں نہیں کہا؟ زبان نبوت ہی سے کہلوایا۔

اے لوگو! ایک بات اور ذہن نشین رکھو! شخصیتوں کا تعارف ہمیشہ تین طریقوں سے ہوا کرتا ہے یا تو شخصیتیں خود اپنا تعارف کراتی ہیں یا ان سے چھوٹا ان کا تعارف پیش کرتا ہے یا پھر ان سے بڑا ان کا تعارف کراتا ہے' چھوٹا جب تعارف کراتا ہے تو مبالغہ سے کام لیتا ہے' بڑا جب تعارف کراتا ہے تو ازراہ شفقت ان کی صرف خوبیوں ہی کو گنواتا ہے' کمزوریوں کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے' لیکن شخصیتیں جب خود اپنا تعارف کراتی ہیں تو وہ تواضع و انکسار کی بنا پر اپنی قابلیت چھپاتی ہیں' اپنی خوبیوں اور اپنے اعلیٰ جوہروں کو ظاہر نہیں کرتیں' ان پر پردے ڈال دیتی ہیں۔ اس لیے کسی بھی شخصیت کا اصل روپ' صحیح چہرہ مہرہ ہم اسی وقت جان سکتے ہیں جب تعارف کرانے والا مبالغہ سے کام نہ لے' شفقتوں کی بنا پر تصویر کا غلط رخ بھی پیش نہ کرے' سرور کونین سے زمانہ نے پوچھا "تم کون ہو؟ تمہارا بیمار تو تمہیں مسیحائے کائنات کہہ رہا ہے' تمہارا دردمند تو تمہیں چارہ ساز دردمنداں کہہ رہا ہے' دوائے دل فگاراں کہہ رہا ہے' تمہارا چاہنے والا تمہیں سرور کائنات کہہ رہا ہے' فخر شش جہات کہہ رہا ہے۔ تم پر رحمت ہو' تم رؤف ہو' تم رحیم ہو' تم کریم ہو' اے مصطفیٰ! سچ بتاؤ تم کیا ہو؟ ہم تمہیں کیا سمجھیں ہم تمہیں کیا کہیں؟

marfat.com

سرور کہوں کہ مالک و مولا کہوں تجھے
باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

زمانہ کے اس استفسار پر کہ آپ کون ہیں؟ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ بشر ہیں‘ ہماری طرح آدمی ہیں آدمی ہی کی طرح‘ انسان ہیں انسان ہی کی طرح۔ لوگو! سچ بتاؤ کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جواب سے تمہاری تشفی ہوگئی‘ کیا تم مطمئن ہو گئے؟ تم ان انگلیوں کو اپنے جیسی انگلیاں کہہ دوگے جو اٹھ جائیں تو چاند اپنا کلیجہ چاک کر ڈالے‘ تم ان آنکھوں کو اپنے جیسی آنکھیں کہنے کے لیے تیار ہو جو اشارہ کر دیں تو ڈوبا ہوا سورج واپس پلٹ آئے‘ تم اس قدم ہائے ناز کو اپنے جیسا کہنے کی ہمت رکھتے ہو جو پتھر پر پڑ جائیں تو وہ موم بن کر پگھل جائے اور کف پا کو اپنے کلیجہ میں اتار لے؟

نبی کی ذات ہمارے لیے ایک معمہ بنی ہوئی تھی‘ ہماری عقل بھی متحیر تھی اور ہماری فراست کو پالا مار گیا تھا‘ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا‘ آخر ہم نے نبی کی کنہ اور حقیقت معلوم کرنے کے لیے عالم انسانیت کا سراغ لگانا شروع کیا۔ سراغ کبھی کبھی علم کے ذریعہ لگایا جاتا ہے‘ کبھی اس مقصد کے لیے آدمی عقل کو اپنا رہنما بناتا ہے‘ کبھی عشق کی جنوں خیز وادی میں اتر کر ہاتھ پاؤں مارنے لگتا ہے‘ چھوٹا جب تعارف کراتا ہے تو مبالغہ آرائی کرتا ہے‘ بڑا تعارف کراتا ہے تو مصلحت سے کام لیتا ہے‘ شخصیتیں جب اپنا تعارف کراتی ہیں تو مقام چھوٹ جاتا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ بڑا اگر کسی ذات کے بارے میں کچھ کہتا ہے تو اس کا کہنا سند بن جایا کرتا ہے‘ عوام اس پر یقین واعتماد کی بنیادیں قائم کرتے ہیں‘ اس لیے بڑے کی ذمہ داری ہے کہ محتاط ہو کر گفتگو کرے‘ خدا سب سے بڑا ہے اور ہر عیب ہر نقص سے پاک ہے‘ ظاہر ہے ہم اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ جب اس نے کسی کی تعریف کی ہوگی تو کذب بیانی سے کام لیا ہوگا‘ مبالغہ آرائی کی ہوگی تو چلو ہم خدا ہی سے کیوں نہ پوچھ لیں۔ اے خدا! تو ہی بتادے مصطفیٰ کیا ہیں؟ لگے ہاتھ یہ بھی بتادے کہ تو نے مصطفیٰ کو بہت کچھ کہا‘ ایک سے ایک خطابات دیئے‘ ایک سے ایک لقب سے نوازا‘ تو نے سب کچھ کہا مصطفیٰ کو بشر کیوں نہیں کہا؟ اگر گوش حقیقت نیوش ہے تو عرش کی بلندیوں سے اترنے والی آواز سماعت فرمایئے‘ اے لوگو! ہم مصطفیٰ سے بڑے‘ ہماری ہر بات ان کے لیے اور تمام کائنات کے لیے سند‘ ہم نے نبی کو رحمۃ للعالمین کہا تاکہ یہ سند بن جائے‘ ہم نے ان کو حامل خلق عظیم کہا تاکہ یہ سند ہو جائے‘ ہم نے ان کو صاحب لطف عمیم کہا تاکہ سند بن جائے‘ اگر ہم ان کو بشر کہہ دیتے تو ان کی بشریت بھی مستند ہو جاتی۔ حضرات آپ جانتے ہیں کہ بشریت کا کیا عالم ہے‘ آدمیت بھول چوک‘ خطا اور نسیان سے مرکب وجود ہی کا نام ہے‘ بشر جھوٹ بولنے کا بھی ریکارڈ قائم کرتا ہے اور سچ بولنے میں بھی انفرادیت پیدا کر لیتا ہے‘ کبھی آگے بڑھتا ہے‘ کبھی پیچھے ہٹتا ہے‘ کبھی اوپر چڑھتا ہے‘ کبھی نیچے اترتا ہے۔ بشر علم کا مالک ہوتا ہے‘ بشر علم سے بے خبر ہوتا ہے‘ بشر عقل سلیم رکھنے والا ہوتا ہے‘ بشر عقل سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ اس کے ایک دو طریقہ کار تو نہیں‘ کبھی غربت کے ماحول سے گزرتا ہے‘ کبھی دولت کی چھاؤں میں زندگی گزارتا ہے۔ جب برائیوں پر آتا ہے تو شیطان کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے‘ جب نیکیاں کرنے لگتا ہے تو فرشتے بھی اس پر رشک کرنے لگتے ہیں۔ بشر کبھی چاند سے آنکھیں لڑاتا ہے‘ کبھی سورج کی کرنوں کو مسخر کرنے کی بات کرتا ہے‘ کبھی ستاروں پر کمند ڈالتا ہے‘ کبھی سمندر کے کلیجے کو مسلتا ہوا چلتا ہے‘ کبھی آندھیوں سے لڑتا ہے‘ طوفان سے کھیلتا ہے اور کبھی فضاؤں میں پرواز کرتا ہے‘ خلاؤں میں دوڑتا ہے۔ لیکن جب انسانیت کی سطح بلند سے ذرا نیچے کھسکتا ہے تو وہ ساری چیزیں جو اس کی چاکری اور خدمت گزاری کے لیے پیدا کی گئی ہیں‘ انہیں بھی وہ اپنا خدا

marfat.com